قرآن کے جدید سائنسی انکشافات

از

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

ایم-ایس سی ٹیکنالوجی (پنجاب): پی-جی-ڈپلومہ (لیڈز-انگلینڈ)

پی-ایچ ڈی میٹالرجی (لیڈز): اے-آر-آئی-سی (لندن)

ایم-آئی-ایم (لندن): چارٹرڈ انجینئر (لندن): الیف-آئی-ایم-ای (پاک)

ایم-آئی-سی ایچ-ای (پاک): پی-ای (پاک)' الیف-آئی-پی-الیف (پاک)

سابق صدر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میٹالرجیکل انجینئرز

صدر انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان فونڈری مین

سابق ڈین فیکلٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی

پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس' لاہور

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور-راولپنڈی-کراچی

مجلد: 969 0 01813 2

بار اول __________ ۲۰۰۳ء

فیروزسنز پرائیویٹ لمیٹڈ

ہیڈ آفس و شوروم: 60۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور۔ (پاکستان)

راولپنڈی آفس: 277۔ پشاور روڈ، راولپنڈی۔

کراچی آفس: فسٹ فلور، مہران ہائٹس، کراچی۔

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم
قرآن کے جدید سائنسی انکشافات

Prof. Dr. Fazal Karim
Quran Kay Jadeed Sciency Inkishafaat

کتاب کا مواد مصنف کی تحقیق اور آراء پر مبنی ہے۔ ناشر مکمل طور پر غیر جانبدار ہے۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر و پبلشر

آیاتِ الٰہی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: یہ آیاتِ الٰہی ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ (یہ نادان لوگ) اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟

(سورۃ الجاثیہ 45 آیت 6)

حکمت و نصیحت

صد جہاں باقی است در قرآن ہنوز!

اندر آیاتش یکے خود را بسوز!

مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ابھی سینکڑوں جہان (حروف و معانی) زندہ اور باقی ہیں۔ اس کی آیات کی گہرائیوں کو کھنگالنے کے لیے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر تو دیکھو۔

☆☆☆☆☆

قرآن روشنی ہے جس سے انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلے ہدایت پاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

علم اگر سینوں میں بند ہو جائے تو تباہ ہو جاتا ہے۔

(حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ)

انتساب

والدین (مرحومین) کے نام

جن کی تربیت اور دعاؤں سے میں

یہ کتاب ''قرآن کے جدید سائنسی اِنکشافات''

پیش کر رہا ہوں۔

☆☆☆☆☆

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام

مہر گردوں ہے چراغ راہ گزار باد یاں

غالبؔ

ترتیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

پیش لفظ

زیر نظر کتاب کے مصنف پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم صاحب بنیادی طور پر سائنس کے آدمی ہیں۔ خالصتاً سائنسی اور تکنیکی موضوعات پر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ان کی کئی کتابیں اور مضامین چھپ کر علمی حلقوں اور محققین کے ہاں بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ کامیاب سائنسدان اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نفیس ادبی ذوق کے بھی مالک ہیں اور زبان و بیان کو سنوارنے کے فن میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم سے شغف کی بنا پر وہ کچھ عرصے سے قرآن کے سائنسی اشارات کی نشاندہی کرنے اور قرآن اور طبیعی علوم کے مابین مطابقت دریافت کرنے میں مصروف ہیں۔ اس میدان میں اپنے حاصلات فکر و نظر کو وہ اب تک مختلف مضامین کے علاوہ دو مطبوعہ کتابوں کی صورت میں پیش کر چکے ہیں: "کائنات اور اس کا انجام" اور "قرآن اور جدید سائنس۔" یہ دونوں کتابیں کثیر تعداد میں طبع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے میں ان کی تیسری کاوش ہے۔

قرآن اور سائنس پر اپنی نگارشات کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم صاحب اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کی برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان نے بڑے بھرپور انداز سے ابتدا کی تھی۔ سرسید کی فکر کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ "اَلْاِسْلَامُ ھُوَ الْفِطْرَۃُ وَ الْفِطْرَۃُ ھِیَ الْاِسْلَامُ۔" (اسلام فطرت ہے اور فطرت ہی عین اسلام ہے)۔ دراصل یہ اُن کے ایک مقالے کا عنوان تھا جس کی صدائے بازگشت ان کے دیگر تمام مذہبی مضامین اور خود تفسیر قرآن میں سنائی دیتی ہے۔ سرسید کے نزدیک قرآن اللہ تعالیٰ کا قولی اور فطرت اس کا عملی وعدہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا)۔

(سورۃ الحج 22، آیت 47)

چنانچہ قرآن اور فطرت دونوں ناقابل تبدیل بھی ہیں اور دونوں میں ہم آہنگی کا پایا جانا بھی ایک لازمی امر ہے۔ گویا طبیعیاتی علوم نے فطرت کے جن حقائق اور قوانین کو دریافت کیا ہے وہ قرآن حکیم کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق ہونے چاہئیں۔ قرآنی آیات کا پیہم اصرار کہ انفس و آفاق میں حقیقت مطلقہ کے لئے نشانیاں موجود ہیں جن پر غور و فکر کرتے رہنا چاہئے۔ قانون خداوندی اور قانون فطرت ـــــ وحی اور عقل ـــــ کی اسی باہمی مطابقت کا اظہار ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی کتاب Reconstruction of Religious Thought in Islam میں پیغمبرانہ شعور کی صداقت کو پرکھنے کے لئے دو معیار مقرر کئے تھے: Intellectual test اور Pragmatic test۔ موخرالذکر سے ان کی مراد یہ تھی کہ اگر اس شعور کی دریافت کردہ حقیقت کی نوعیت وہی ہے جس کی جانب عقلی علوم اشارہ کرتے ہیں تو یہ قابل اعتبار ہے ورنہ نہیں۔ علامہ نے اس کتاب کے دوسرے باب میں طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کے شعبوں میں جدید ترین تحقیقات کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن حکیم اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب کے دیباچے میں بجا طور پر اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ قرآن حکیم کتابِ ہدایت ہے اور اسے کسی اعتبار سے بھی سائنس کی کتاب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر سائنسی حقائق کی جانب اشارات موجود ہیں۔ قرآن حکیم کا اپنے بارے میں دعویٰ ہے کہ

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹

(کوئی خشک و تر شے ایسی نہیں ہے جس کا ذکر اس واضح کتاب میں موجود نہ ہو)۔

(سورۃ الانعام 6، آیت 59)

اس دعویٰ کا ادراک اسی مفہوم میں کرنا چاہیے۔

فاضل مصنف نے بھی مختلف موضوعات پر لکھتے ہوئے اس امر کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کا موقف یہ بھی ہے کہ سائنسی حقائق کے مطالعے سے وحی والہام کے انکشافات

کی توثیق ہوتی ہے، اگرچہ موخرالذکر اس توثیق کے محتاج ہرگز نہیں ہیں۔ وہ حقائق جن پر قرآن حکیم بالعموم ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتا ہے ان کا اگر تجرباتی، مشاہداتی اور سائنسی مظاہرہ میسر آ جائے تو اس سے اطمینان قلب کی وہ دولت حاصل ہو جاتی ہے جو ایمان کو مکمل کرتی اور اسے زیادہ مضبوط کرتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذہن میں آتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی تھی کہ انہیں مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کرنے کا عملی مظاہرہ دکھایا جائے تاکہ انہیں ایمان بالغیب کے ساتھ ساتھ اطمینان قلب بھی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ وہ لوگ جو قرآنی تعلیمات کے بارے میں اپنی عقلیت محض کی بنا پر شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں ان کے شکوک و شبہات کو خود عقلی استدلال کی مدد سے دور کرنے اور جو لوگ ان تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں ان کے ایمان کو مزید راسخ کرنے کے لیے زیر نظر کتاب بھرپور کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر فضل کریم صاحب کا انداز تحریر شروع سے آخر تک نہایت دلکش اور سادہ ہے۔ مشکل سے مشکل سائنسی نکات کی اس انداز سے وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان کا ادراک یقیناً وہ قارئین بھی کر سکیں گے جنہوں نے کبھی بھی سائنس کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ بیان کی اس سلاست کے باوجود تحقیق و تفحص کے سائنسی اور تکنیکی مقتضیات سے ڈاکٹر صاحب نے کسی مرحلے پر بھی پہلو تہی نہیں کی۔ ہر بات علیٰ وجہ البصیرت اور مصدقہ حوالوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس کامیاب کاوش پر میں ڈاکٹر صاحب کو بصمیم قلب مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ سائنس اور قرآن کی باہمی قربتیں اور ہم آہنگیاں تلاش کرنے کا یہ عمل وہ آئندہ بھی جاری رکھیں، آمین!

پروفیسر ڈاکٹر عبدالخالق
سابق صدر شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی
و صدر پاکستان فلسفہ کانگرس
یکم جولائی 2002ء، لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

مقدمہ

؎ بہ نام خداوند پیروزگر
مہ و مہر ساز و شب و روزگر
(غالبؔ)

(میں اس کتاب کا آغاز کرتا ہوں اُس خدا کے نام سے جو کامیابی بخشنے والا ہے جو چاند، سورج اور دن، رات کا خالق ہے)

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک نئی کتاب بہ عنوان ''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات'' لکھنے اور اس کے اتمام کی توفیق عطا فرمائی اور قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔

؎ ایں سعادت، بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس کتاب کا بنیادی مقصد قرآن حکیم اور جدید سائنس کے مابین جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے اسے نمایاں اور واضح کرنا ہے اور دوسرا مقصد مذہب سے بے زار اور مادہ پرست لوگوں کی ''منفی فکر'' میں ایک مثبت فکر اور ایک ذہنی تبدیلی لانا ہے۔ قرآن اور سائنس کے حوالے سے میری دو نگارشات ''کائنات اور اس کا انجام[1]''، ''قرآن اور جدید سائنس'' قارئین کی خدمت میں پہلے ہی پہنچ چکی ہیں۔ دونوں نگارشات نے نہ صرف ملک کے طول و عرض بلکہ بیرون ملک بھی مقبولیت اور پذیرائی کا شرف حاصل کیا اور ساتھ ہی رقم الحروف کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ان کتابوں کی داد و تحسین کے ساتھ اس گناہ گار کے لیے بھی عقیدت اور احترام کے کئی خطوط وصول ہوئے، بلکہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ان خطوط میں قارئین نے جس خواہش کا اظہار کیا، وہ یہ تھا کہ اس موضوع پر لکھنے کا

---

[1] دونوں کتابیں فیروز سنز لاہور سے دستیاب ہیں۔

کارِ خیر جاری رکھا جائے چنانچہ قارئین کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہ نئی کتاب پیش کر کے ایک روحانی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ قرآنِ حکیم کی آیات کی سائنسی تاویلات ایک نہایت ہی نازک اور حساس کام ہے اور مجھ جیسے گناہ گار کے لئے جو قرآن حکیم کا ابھی ایک طالب علم ہے، ایک مشکل کاوش ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اور قرآن حکیم کی برکت میری رہنمائی فرماتی رہی اور میری خواہش اور منشا کے مطابق یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ میں اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ قارئین کریں گے اور مجھے یقین ہے میری پہلی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی ان کے معیار پر پوری اُترے ہوئے ان کی معلومات میں قابلِ ذکر اضافہ کرے گی۔ یہ کتاب بھی تحقیق پر مبنی ہے اور مجھے احساس ہے کہ قارئین ایسے ٹھوس تحقیقی کام کی قدر و قیمت بخوبی جانتے ہیں۔

قرآن حکیم اور جدید سائنس کا یا سائنس اور مذہب کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ برصغیر پاک و ہند میں حکیم الامت علامہ اقبال ہی ایک ایسے دانشور اور مفکر اسلام تھے جنہوں نے سائنس اور مذہب کے باہمی تعلق کو تسلیم کیا تھا اور انہوں نے اپنے تاریخی خطبات[1] مدراس میں جو انگریزی زبان میں ہیں اور جن کا مستند ترجمہ سید نذیر نیازی (مرحوم) نے کیا ہے، کے دیباچے میں فرمایا ہے:

> "وہ دن دور نہیں کہ مذہب اور سائنس میں ایسی ایسی ہم آہنگیوں کا انکشاف ہو جو سر دست ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ بایں ہمہ یاد رکھنا چاہیے کہ فلسفیانہ غور و فکر میں قطعیت کوئی چیز نہیں۔ جیسے جیسے جہانِ علم میں ہمارا قدم آگے بڑھتا ہے اور فکر کے لیے نئے نئے راستے کھل جاتے ہیں، کتنے ہی اور، اور شاید ان نظریوں سے جو ان خطبات میں پیش کیے گئے ہیں، زیادہ بہتر نظریے ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ ہمارا فرض بہر حال یہ ہے کہ فکر انسانی کی نشو و نما پر بااحتیاط نظر رکھیں اور اس باب میں

---

[1] Reconstruction of Religious Thought In Islam, تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، 1930ء، طبع چہارم، نومبر 1994ء

آزادی کے ساتھ نقد و تنقید سے کام لیتے رہیں۔"

حکیم الامت علامہ اقبال کو یقین کامل تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سائنس اور مذہب کے مابین ایسی ایسی ہم آہنگیوں کا انکشاف ہوتا جائے گا جس سے اسلام کی حقانیت دنیا پر منکشف ہوتی جائے گی یعنی جوں جوں سائنسی تحقیق میں ہمارا قدم آگے بڑھے گا اور مثبت "فکر" کے لیے نئے راستے کھل جاتے ہیں زیادہ سے زیادہ بہتر نظریات سامنے آتے جائیں گے جو قرآنی حقائق کی تائید و تصدیق کریں گے۔

مفکر اسلام نے جس "فکر انسانی" کا ذکر کیا ہے اگر کسی مسلمان دانشور نے ماضی میں اسے آگے بڑھانے کی کاوش کی تو وہ زیادہ تر فلسفی تھے اور سائنس سے واقفیت نہ رکھتے تھے، تاہم انہوں نے اپنی فکر و دانش کے مطابق عقلی دلائل کے ذریعے قرآنی آیات کی تاویل کرنے کی سعی ضرور کی اور ان کی یہ کاوشیں قابل ستائش ہیں۔ مجھے یہاں اعتراف کرنا چاہیے کہ قرآن حکیم کی جو خدمت جس جس انداز میں ہمارے علماء کرام و محققین نے گذشتہ چودہ سو سال سے اپنے مخصوص نہج فکر اور اپنے اپنے زمانہ کے مخصوص احوال و ظروف کے دائروں میں انجام دی ہے، اس سے انکار کرنا چاند پر خاک ڈالنا ہے مگر وہ علامہ اقبال کی پیش گوئی کے مطابق قرآن حکیم اور سائنس میں کوئی ہم آہنگی قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

~ یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش

اقبالؔ (ضرب کلیم)

فی زمانہ قرآن حکیم اور سائنس کے درمیان ایک تعلق اور ہم آہنگی پر مباحث کے لیے ضروری ہے کہ صاحب قلم و تحریر جدید سائنسی علوم سے آگہی رکھتا ہو، محض سطحی علم نہ رکھتا ہو۔ آج کل جدید سائنسی علوم میں فلکیات، موسمیات، بحریات، طبعیات، کیمیا، ریاضی، جغرافیہ، علم الابدان، علم جنینیات، ارضیات (علم طبقات الارض) وغیرہ شامل ہیں اگرچہ علم معاشیات، عمرانیات اور اقتصادیات بھی سائنس ہی کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ان کے بعد عربی زبان سے واقفیت از حد ضروری ہے اگرچہ عربی لغات بھی معاون ہو سکتی ہیں۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہے جو محسن انسانیت، عظیم المرتبت اور جلیل القدر نبی آخر الزماں حضرت محمدؐ مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر اتاری گئی۔ قرآن پاک ایک طرف خاتم الکتب ہے تو دوسری طرف یہ خزینۃ الکتب بھی ہے۔ اس کی ہدایت قرآن مجید میں بالواسطہ اور بلاواسطہ مذکور ہے۔ قرآن حکیم ابدی اور عالمگیر ضابطہ حیات اور سرچشمہ علوم و فنون ہے مثلاً مذکورہ بالا تمام علوم و فنون کی تفصیلات جزئیات موجود نہیں لیکن حکمت و بصیرت اور انسانی زندگی کے لیے ضروری اور افادی علوم کے بنیادی نکات اور ان کے اہم مباحث کی طرف کچھ نہ کچھ اشارات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جن کے بنیادی تصور کی طرف قرآن حکیم میں اشارات موجود نہ ہوں۔ کائنات کی ہر شے ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی آیت اور نشانی ہے۔ کتاب ہدایت ہونے کی حیثیت سے قرآنی اشارات پوری کائنات پر محیط ہیں۔ قرآن حکیم اگرچہ سائنس اور فلسفے کی کتاب نہیں ہے لیکن دورانِ مطالعہ یا دورانِ بحث کچھ ایسے حقائق سامنے آ جاتے ہیں جن کی صداقت عصر حاضر کے جدید سائنسی مطالعات و اکتشافات کی روشنی میں جانی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں اولین مسلہ "حیات" اور اس کی ابتدا کا ہے---اس سلسلے میں قبل از اسلام کے سارے مفکرین درماندہ و حیران رہے ہیں مگر قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ حیات کا منبع کیا ہے اور اب بیسویں صدی کے آخر میں جینز (Genes) پر نئی تحقیق (چوتھا باب مطالعہ فرمائیے) نے کتابِ حیات کے نئے اسرار کو آشکارا کر دیا ہے جس کا قرآن حکیم میں بھی بلیغ اشارہ موجود ہے۔

اگر سائنس ہی کی روشنی میں اپنی ذات پر غور کریں اور صرف یہ دیکھیں کہ نظام تغذیہ، نظام تنفس، نظام تناسل، نظام عصبی جیسے جسم انسانی کے اندر جو متعدد نظامات ہیں اور ہر نظام کے تحت بے شمار قاعدے اور ضابطے ہیں۔ ان سارے نظام ہائے اعظم کی تکوین و قیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت اور کس کی حکومت کار فرما ہے؟ تو اِسی قسم کے سینکڑوں ہزاروں اور بھی سوالات ہیں جو خود بخود انسان کے ذہن میں ابھریں گے اور توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش ہمارے دلوں (قلوب) پر اور زیادہ گہرا ہوتا چلا جائے گا، چونکہ انکشافاتِ توحید کے بغیر حیاتِ انسانی اپنے مرکزی نقطہ سے محروم رہتی ہے۔

سائنسی علوم کا مطالعہ اگر اس نقطہ نظر سے شروع کر دیا جائے تو الحاد کی بجائے ایقان کی راہیں روشن ہوتی جائیں گی۔

یاد رکھیے قرآن حکیم میں حقائق ابدی اور عالم گیر ہیں جب کہ سائنس کے نظریات (theories) کائناتی بصیرت کا حرف آخر نہیں ہیں۔ ایک سائنسی نظریہ جو آج پیش ہوتا ہے اور دماغوں پر چھا جاتا ہے، کچھ عرصہ تک فضا میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے لیکن پھر ایک دوسرا نظریہ یا خیال اسی کو باطل کر دیتا ہے اور پرانے نظریات کا نام لینا بھی دقیانوسی ہونے کا الزام سر لینے کے مترادف ہے۔ تاہم سائنس کی پیش رفت کا یہ سفر ڈھائی ہزار سال سے جاری ہے مگر قرآن حکیم کے اسرار و عجائبات کی کوئی انتہا نہیں ہے، جس میں جتنا زیادہ غور و فکر کیا جائے اتنی ہی شدت کے ساتھ اس کے حقائق و معارف اُجاگر ہوتے ہیں اور وہ ہر دور کے لیے پروردگار کی طرف سے انسانوں کے لیے نامہ ہدایت ہے۔ قرآن حکیم میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ عصری تقاضوں کے مطابق انسان کی رہنمائی کرتا ہے خواہ زمانہ کتنی ہی سائنسی ترقی کیوں نہ کر جائے۔ یہ بات قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرنے کے لیے ہی کافی ہے۔ یہ ابدی سچائیوں سے بھرپور ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی انسان سینکڑوں ہزاروں سال قبل کوئی ایسا جامع کلام کیسے وضع کر سکتا ہے جو آنے والے تمام ادوار کے انسانوں کے لیے مکمل طور پر رہنمائی کرنے والا ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم یقیناً کلام الٰہی ہے جو قیامت تک ہر دور کے لیے نازل ہوا ہے خواہ زمانہ ترقی کرتا ہوا اوج ثریا پر ہی پہنچ جائے، قرآن حکیم میں پہلے سے ایسی ترقی کے بارے میں پیش گوئی موجود ہو گی۔

قرآن حکیم کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ انسان کو خام خیالی سے نکال کر روشن خیالی کی طرف راغب کرتا ہے۔ سائنس نے گذشتہ صدی (بیسویں صدی) میں بہت ترقی کی اور اب بھی ڈھائی ہزار سال سے اس کا سفر جاری ہے اور کائنات کے کئی راز منکشف ہوئے ہیں اور ہوتے جائیں گے، لیکن یہ کائنات کا بہت ہی چھوٹا حصہ ہے جس کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں یعنی یہ مرئی کائنات (Visible Universe) کا ایک معمولی حصہ ہے غیر مرئی کائنات (Invisible Universe) کے بارے میں کوئی تصور

موجود نہیں ہے۔ اس کے باوجود سائنس ترقی تو کر رہی ہے لیکن ہماری تہذیب ترقی نہیں کر رہی۔ سائنس یہ تو بتاتی ہے کہ انسان کن کن مراحل سے گزر کر پیدا ہوا مگر یہ نہیں بتاتی کہ کیوں پیدا ہوا؟ سائنس جسم کے بارے میں تو بتاتی ہے مگر روح کے بارے میں خاموش ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بے شمار معمے ہیں، جن کے بارے میں سائنس خاموش ہے۔ قرآن حکیم جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے میں اور ہماری تہذیب کی ترقی کے لیے بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

سائنس[1] کیا ہے؟ اس کی روایتی تعریف سے تو آپ واقف ہوں گے۔ عام فہم زبان میں سائنس غور و فکر اور ادراک و تعقل کے ایک خاص رجحان کا نام ہے۔ بیسویں صدی کی سائنس نے انسان اور اس کے ماحول میں جاری عوامل کو سمجھنے میں اگرچہ زبردست ترقی کی ہے لیکن انسان و کائنات کے بارے میں اڑھائی ہزار سال کے دوران پوچھے جانے والے بنیادی سوالات کے بارے میں ابھی تک کوئی یقینی یا حتمی جوابات نہیں دیئے جا سکے۔

اکیسویں صدی کی ابتداء میں سائنس کے کردار پر ایک حالیہ تحقیق و تجزیاتی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سائنس بے شمار ایجادات اور انکشافات کے باوجود ابھی تک اپنے حقیقی ٹارگٹ کی تلاش میں ابتدائی کام ہی مکمل کر سکی ہے۔ رپورٹ میں یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ سائنسی ایجادات کی انتہا دراصل سائنس کا احیاء ہے۔ سائنسی ترقی اس بات کی غماض ہے کہ تمام تاریخی حوالوں سے مواد اکٹھا ہو چکا ہے اور ماضی میں سمجھ میں نہ آنے والے سوالات کی وضاحت کے لیے آسان اور ٹھوس طریقے وضع کرنے میں کامیابی حاصل کر لی گئی ہے۔ بیسویں صدی کے دوران تیز ترین سائنسی ایجادات گذشتہ کئی صدیوں کے مشاہدات، تجربات اور نظریات کا نچوڑ ہیں، مثلاً خلا اور وقت کے بارے میں دانشوروں کی صدیوں کی سوچوں کو 1905ء میں آئن سٹائن (1879ء تا 1955ء) کے نظریہ اضافیت سے درست سمت دکھانے کی کامیاب کوشش کی گئی۔ آئن سٹائن نے بعض پرانے نظریات کو اس انکشاف کے بعد جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ کمیت (Mass) کو توانائی

---

[1] سائنس ایسی معلومات کو کہا گیا ہے جو منظم طریقے سے جمع کی گئی ہوں۔

(Energy) اور توانائی کو کمیت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ($E=mc^2$) بعد ازاں 1915ء میں آئن سٹائن نے نظریہ کشش ثقل سے کائنات اور مختلف اجرام فلکی کے وجود کی وضاحت کے لیے فریم ورک مہیا کر دیا۔ 1926ء میں کوانٹم تھیوری نے اشیاء اور ان کی بناوٹ کے ذمہ دار ایٹموں کے طرز عمل کے بارے میں نئے قوانین ماضی کی تحقیق اور جستجو سے اخذ کیے۔ 1926ء میں ایڈون ہبل نے انکشاف کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ 1930ء کی دھائی کے دوران سائنس دانوں نے جانوروں اور پودوں میں موروثیت کے بارے میں کئی صدیوں کے مبہم مشاہدات کو کئی ٹھوس اصول و ضوابط دیئے۔ انسانی ساخت کا قضیہ 1953ء میں اس وقت حل ہوا جب وراثت میں ڈی این اے (DNA) کے کردار اور انسانی خلیوں کی زندگی کو باضابطہ بنانے میں مخصوص کیمیائی بندوبست کا انکشاف ہوا۔ 1969ء میں انسان نے چاند پر پہنچ کر کائنات کو مسخر کرنے کے بارے میں صدیوں سے پنپنے والی انسانی سوچوں کو عملی رنگ دے دیا جبکہ 1971ء میں ایک حیاتیاتی نظام کی جینز کو دوسرے نظام کے جینز میں کاشت کرنے میں بائیو ٹیکنالوجی ایک حقیقت بن کر ابھری۔ ان سب ایجادوں کے جلد ادراک میں تاریخی ریکارڈ کا گہرا حصہ ہے تاہم اس شاندار ترقی کے باوجود آج بھی وہی سوالات معمہ بنے ہوئے ہیں جو قدیم یونانی فلسفی ارسطو (384 تا 322 ق۔م) نے تقریباً 2500 سال پہلے کیے تھے یعنی کائنات کیسے وجود میں آئی اور کن عناصر سے بنی؟ ذہن کیا چیز ہے؟ کائنات کے بارے میں سوالات کے جواب میں 1926ء میں ہبل نے بتایا کہ کائنات کے آغاز پر بڑا زبردست دھماکہ ہوا تھا شاید یہ 15 سے 20 ارب سال پہلے کا واقعہ ہے، جسے "بگ بینگ" کا نام دیا گیا----اس کے بعد کائنات پھیلنا شروع ہوگئی اور ابھی تک پھیل رہی ہے (نواں باب مطالعہ فرمایئے) لیکن مسئلہ کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار کو ناپنا ہے۔ اس کے لیے تین محوری تفصیلی نقشہ درکار ہے جو ایک ارب نوری سال (ایک نوری سال= 6 ٹریلین (10^{12}) میل) تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک اور سوال جو انسان صدیوں سے پوچھ رہا ہے وہ زندگی کی ارتقا سے متعلق ہے کہ زندگی کیسے شروع ہوئی؟ (مطالعہ فرمایئے تیسرا باب) سائنس اس کا سیدھا سادہ جواب یہ دیتی ہے کہ زمین کے گرم پانی میں موجود کیمیائی مرکبات سے زندگی کا آغاز ہوا لیکن ایسے کون سے مرکبات

تھے جو زندگی کے ارتقاء کا باعث بنے اور پھر پیچیدہ نظام میں کیسے ڈھلتے چلے گئے کہ اصلی چیز سے نئی شکلیں بنتی چلی گئیں اور آخر کار ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو سچ ثابت کر گئیں؟

ڈی این اے (DNA) سے اگرچہ جدید اور قدیم خلیاتی مماثلت کی تصدیق ہوگئی، تاہم ہمیں اب بھی یقین نہیں کہ زندگی اچانک کیسے شروع ہوگئی؟ ڈی این اے (DNA) سے یہ بھی پتہ چلا کہ انسان بائیوکیمیائی مشین ہے جس کے افعال ادویات اور جینز (Genes) کے ذریعے بدلے جا سکتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس بایوکیمیائی مشین کا ارتقاء عمومی وراثت سے ہوا یا وائرس کے تبادلوں سے۔ ہمیں ابھی اس بات کا بھی کھوج لگانا ہے کہ جلد اور جگر کے خلیوں میں فرق کیسے پیدا ہوا اور کیا کسی عضو کے خلیے سے پورا جگر تیار کیا جا سکتا ہے؟ سائنس نے ابھی ارسطو کے ان سوالوں کو بھی حل کرنا ہے جن میں ذہن اور شعور کی بابت پوچھا گیا ہے، مثلاً ذہن کے افعال کیسے وجود میں آئے؟

اگر انسان کیمیائی ذرات کے مزاج میں واقعہ ہونے والی ایک فطری کروٹ کے ذریعے ارتقایاب ہوا ہے تو اس میں غور و فکر کا مادہ کہاں سے آیا؟ اس کو اتنا مضبوط حافظہ کیونکر میسر آیا؟ اسے پیش بینی کی اہلیت کا شرف کیسے حاصل ہو گیا؟ وہ اشیاء کے احوال و کوائف اور ان کے خواص سے کیونکر آگاہ ہو گیا اور پھر اس آگاہی کی بدولت، تجزیہ، تنقید اور چھان پھٹک کے وصف کا مالک کیسے ہو گیا؟ انسانی فکر یا تخیل کیا ہے؟ برق کی رفتار تو معلوم ہو گئی ہے مگر انسانی تخیل یا تصور کی بے پناہ رفتار کا اندازہ شاید کبھی بھی نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو صلاحیتیں، خصوصاً دماغی صلاحیتیں عطا کی ہیں، شاید ان کی وجوہات کا وہ کبھی بھی اندازہ نہ کر سکے گا۔

الفاظ اور تحریر سے مطلب اخذ کرنے کی صلاحیت صرف انسان میں کیوں پیدا ہوئی؟ آج قدیم حیاتیات کی 99 فی صد نسلیں ضائع ہو چکی ہیں۔ وہ کیا اسباب تھے جو جینیاتی عدم تحفظ کا باعث بنے اور کیا انسان بھی ان اسباب کا شکار ہو کر اپنا وجود کھو سکتا ہے؟ کیا وبائیں اور زمین کا درجہ حرارت بڑھنے کے واقعات انسانی نسل کشی کر سکتے ہیں؟ کیا کسی دُم دار ستارے یا شہاب ثاقب کے ٹکراؤ سے انسانی نسل کو خطرہ نہیں جیسے کہ ساڑھے چھ کروڑ سال پہلے ڈائنوسارز کی نسل کے خاتمے کے سلسلے میں ہوا؟ سائنس نے

ان سب سوالوں کا جواب ابھی دینا ہے۔

دنیا میں بین الاقوامی رابطوں کے جو سلسلے شروع ہوئے ہیں، ان کی بدولت یہ ممکن ہو چکا ہے کہ آپ ایک مقام پر بیٹھ کر دنیا بھر کی معلومات اکٹھی کر سکتے ہیں۔ اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی پیش رفت (انٹرنیٹ وغیرہ) کا فائدہ اٹھا کر عالمی مرکز سوالات نے دنیا بھر کے ایک سو مشہور سائنس دانوں سے پوچھا کہ آپ تنہائی میں خود سے کس طرح کے سوالات کرتے ہیں؟ بی بی سی کے مطابق موصول ہونے والے جوابات میں یہ بات حیرت انگیز ہے کہ سائنس دان روز مرہ کی عملی باتوں کے بارے میں پریشان ہوتے ہیں۔ اس کی بجائے اکثر سائنس دانوں کی توجہ کا مرکز بڑے بڑے سوالات ہیں یعنی ایسے سوالات جو سائنس سے زیادہ فلسفہ سائنس یا خالص فلسفہ سے متعلق ہیں۔

معلومات کے سیلاب کے باوجود سائنس دان بنیادی سوالات کے جواب نہیں دے سکے۔ بعض سوالات ایسے ہیں جو سائنس سے زیادہ فلسفہ، سائنس یا خالص فلسفہ سے متعلق ہیں، مثلاً یہ سوال کہ آیا کائنات ایک بڑی اور منظم قسم کی مشین ہے جو کسی خاص نظام کے تحت چل رہی ہے یا محض ایک حادثے کی پیداوار ہے اور وہ حقیقی وجود بھی رکھتی ہے یا محض وہ کسی کا وہم ہے؟ یہ ایسا سوال ہے جو اکثر مغربی فلاسفر سوچتے رہتے ہیں۔ دوسرا سوال جو ان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ علم کیا ہے اور اس کا اصل منبع کیا ہے؟ اس جائزہ رپورٹ میں یہ سوال بھی سامنے آیا کہ وقت کی ماہیت کیا ہے؟ کیا وقت کے گزرنے کا احساس حقیقی ہے یا وقت کی روانی بھی محض وہم ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں جن لمحات کو ہر دم رواں سمجھا جاتا ہے وہ دراصل زمانے کی وسعتوں میں ساکت و جامد ہیں (کھڑے ہوتے ہیں)۔

ے (یہ مہرومہ یہ ستارے یہ آسمان کبود
کسے خبر کہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود)

(ارمغانِ حجاز)

بیالوجی (بائیالوجی) سے متعلق ماہرین کی طرف سے یہ سوال بھی سامنے آیا کہ بے جان اور جاندار مادے میں آخر کیا فرق ہے؟ حد فاصل کہاں کھینچی جا سکتی ہے؟ غیر

نامیاتی مادہ (Inorganic matter) کس لمحے ایک نامیاتی عنصر (Organic element) میں تبدیل ہو کر خود مختار شکل اختیار کر لیتا ہے اور گرد و پیش کے ماحول پر اثر انداز ہو کر اس کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے؟ بعض ماہرین نے یہ پرانا سوال بھی اٹھایا ہے کہ ایک نوزائید بچے کے ذہن میں کیا واقعہ ہو رہا ہوتا ہے؟ کیا اس کے عمل کو ہم کبھی سمجھ سکتے ہیں؟ اور بے جان مادے کے فرق پر کئی سوالات منظر عام پر آئے ہیں لیکن زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ کیا جاندار اور بے جان مادے کے فرق کو ریاضی کے فارمولوں میں پیش کیا جا سکتا ہے یعنی کیفیت کا بیان کمیت کی زبانی آ سکتا ہے، مثلاً انسان جانتا ہے کہ 16 کا جذر 4 ہے لیکن بندر یہ نہیں جانتا اور نہ ہی جان سکتا ہے جب کہ دونوں کے دماغ کی ساخت میں صرف فرق یہ ہے کہ انسانی دماغ کے اگلے حصے میں چند اونس مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ تو کیا یہی چند اونس انسان کو انسان بنا دیتے ہیں اور اس میں جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کی حسابی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں جو بندر میں نہیں، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آج کے بڑے بڑے سائنس دانوں کے ذہن میں یہی بنیادی سوالات گردش کر رہے ہیں مگر ابھی ان سوالات کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔

مندرجہ بالا وہ سوالات ہیں جن کا تعلق فلسفہ، سائنس یا خالص فلسفہ سے ہے مگر جہاں تک سائنس و ٹیکنالوجی کا تعلق ہے، بے شمار سوالات ہیں جن کا ابھی جدید سائنس کے پاس جواب نہیں، تاہم اس کی پیش رفت کا سفر جاری ہے۔ پرانے سوالوں کے جوابات ملتے جائیں گے مزید نئے سوالات جنم لیتے رہیں گے غالباً یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔

قرآن حکیم کا یہ بھی اعجاز ہے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ ہر دور میں انسان کے ذہن میں جنم لینے والے سوالات کا جواب بھی دیتا جا رہا ہے، خواہ وہ بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ اور اذہان و قلوبِ انسانی پر آفاقی بصیرتوں کے دروازے کھولتا جاتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے علم، عقل، شعور، تدبر، فکر اور ذکر سے ان سوالات کا جواب کتاب الٰہی میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ زیر نظر کتاب یعنی "قرآن کے جدید سائنسی انکشافات" ایسی ہی ایک کوشش کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئی ہے۔ جدید سائنس

کائنات کے اسرار ہائے سربستہ کو دریافت کرنے اور انسان کی فکری اور تجرباتی معراج کو نقطۂ اثبات پر لا رہی ہے جو باری تعالیٰ کی ربوبیت کی معرفت پر منتج ہوتا ہے۔ غالباً یہی ایک نقطہ ہے جس کی بدولت حکیم الامت نے مذہب اور سائنس میں ہم آہنگی کا تصور پیش کیا تھا۔ قرآن حکیم کا بنیادی مقصد تو یہی ہے کہ وہ اپنی آیات کے ذریعے، زمین و آسمان میں جو کچھ دکھائی دے رہا ہے اور جو کچھ ابھی قابل دریافت ہے، ان سب میں خالق کائنات کی موجودگی اور اس کا شعور بخشے۔ یہ بنی نوع انسان کو ایسے عقائد اور عبادات کی طرف رہنمائی فرماتا ہے کہ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اصلی اور ابدی خوشی حاصل کرے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہم سائنسی حقائق کو اپنے مذہب اسلام کی تصدیق و توضیح کے لیے کیوں بیان کرتے ہیں؟ ماضی خصوصاً بیسوی صدیں میں بھی اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور اب اکیسویں صدی میں بھی محسوس کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم کا دفاع جدید سائنس سے کیوں کرتے ہیں؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذہب سے بیزار اور مادہ پرست لوگوں نے شاید مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ ماسوائے سائنسی حقائق کے اور کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔ لوگوں کو مذہب سے دور کرنے کے لیے سائنس کو ایک مؤثر ہتھیار (tool) کے طور پر استعمال کرتے اور وہ اپنی ''فکر'' کے پرچار کے لیے سائنس کو باوقار سمجھتے ہیں۔ ایسے نام نہاد اور ترقی پسند منکرین الٰہی نے سائنس کو ذریعہ بنا کر ایک بڑی تعداد میں لوگوں کے ذہنوں میں مذہب کے خلاف کجی پیدا کرنے کے علاوہ ان کے ذہنوں کو پراگندہ کرنا شروع کر دیا ہے، خصوصاً آج کے نوجوان ذہنوں کو۔ لہٰذا انہی لوگوں کا سائنسی ہتھیار یعنی دلائل اور مواد کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں دکھانا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی مذہب کے راستے میں کبھی حائل نہیں ہوئی۔

راقم الحروف نے اپنی کتاب ''قرآن اور جدید سائنس'' میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ دنیا کے مشہور مادہ پرستوں نے مادہ کو نئی حقیقت سمجھ لیا اور گمراہ

ہو گئے۔ ہمیں ان خیالات کا جائزہ لے کر لوگوں کو راہِ مستقیم کی طرف گامزن کرنا اور جدید سائنس کا ہتھیار استعمال کرتے ہوئے ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ یعنی مادہ پرست اور الحادی قوتوں کے خلاف!

ایک امریکی مادہ پرست[1] پروفیسر آف سائیکالوجی نے مذہب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ اس کے الحادی ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔

"Science has shown religion to be history's cruelest and wickedest "hoax"-

جس کا مطلب یہ ہوگا کہ "سائنس نے مذہب کو تاریخ کا ظالم ترین اور بدطینت (مکار ترین) دھوکا دکھایا ہے، (دھوکا ظاہر کیا ہے)۔

ذرا غور فرمایئے! اس پروفیسر نے مذہب کے بارے میں سائنس کا سہارا لے کر کس قدر زہر فشانی کی ہے اور ایسے بے شمار دانشور ہوں گے جو مذہب کے بارے میں ایسی انتہائی منفی سوچ رکھتے ہیں۔ اگر یہ الحاد کے پجاری اپنے ان خیالات کی انٹرنیٹ (Internet) کے ذریعے تشہیر کرتے ہیں تو دنیا میں کتنے لوگوں اور بالخصوص نوجوان ذہنوں کو پراگندہ کریں گے اور مذہب کے خلاف نفرت پیدا کریں گے۔ لہٰذا مسلمان دانشوروں کو چاہیے کہ سائنس کے جدید نظریات کو قرآن حکیم کی روشنی میں پیش کر کے ملحدانہ دعووں کو نیست و نابود اور الحاد کی دیواروں کو زمین بوس کر دیں۔ تحقیق اور علم کے ذریعے ایک ایسا انقلاب لایا جائے جو مغرب کے مادہ پرست متشرقین کی بھی آنکھیں کھول دے۔ زیرِ نظر کتاب کا مقصد بھی اسی قسم کا علمی انقلاب لانا ہے۔

جب میں ایسا انقلاب قرآن اور سائنس کے ذریعے لانے کی بات کرتا ہوں تو اس لیے ہے کہ قرآنی آیات ہم میں یہ تحریک پیدا کرتی ہیں کہ ہم تخلیق پر غور و فکر کریں، کائنات کا مطالعہ و مشاہدہ کریں، ستاروں کو دیکھیں، کہکشاؤں کو دیکھیں، کوہساروں کو دیکھیں، بارانِ رحمت کو دیکھیں، گرجتے چمکتے بادلوں کو دیکھیں، ہواؤں کا مطالعہ کریں، سمندروں کی کھوج لگائیں اور زمین کو دیکھیں کیسے بچھائی گئی ہے۔

---

1. C.A. Collson, Science and Christian Belief. P.4.

ے کھول آنکھ، زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

ے عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک
(اقبالؔ)

ہر چیز خدائے بزرگ و برتر کی عظمت کا اظہار کرتی ہے۔ قرآنی آیات ہمیں جھنجوڑتی ہیں کہ ہم اپنی ہی تخلیق پر، اپنے ہی نفس پر غور و فکر کریں، اپنی ہی ذات کے اندر جھانک کر دیکھیں، ایٹم سے لے کر بڑی منظم ترین چیزوں کو دیکھیں، الغرض قرآنی آیات ساری تخلیق کو ہماری آنکھوں کے سامنے رکھ دیتی ہیں۔ غالباً ایسے ہی مادہ پرست اور ملحد لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

"ہم عنقریب ان کافروں کو اپنی آیات بینات عالم آفاق میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس (جانوں میں) بھی، یہاں تک کہ یہ بات کھل کر ان کے سامنے آجائے گی کہ یہ (تعلیمات قرآنی) برحق ہیں۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا پروردگار ہر شے پر شاہد ہے۔ (سورۃ حم السجدۃ 41، آیت 53)

مسلمانوں کے زوال کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں لیکن مصنف کے نزدیک سب سے بڑا سبب علمی انحطاط ہے، جو گذشتہ سات سو سالوں سے جاری ہے اور جس کا مفصل ذکر پہلے باب میں کر دیا گیا ہے۔ علم کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝٢٨

ترجمہ: اللہ سے اس کے "علم والے بندے" (ہی) ڈرتے ہیں بیشک اللہ غالب بخشنے والا ہے۔
(سورۂ فاطر 35، آیت 28)

مذکورہ آیت ہم میں علم (Ilm) حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا کرتی اور غور و فکر کی تلقین کرتی ہے کہ ہم تحقیق کریں، مگر شرط یہ ہے کہ تمام غور و فکر قرآن حکیم کی روح کے ساتھ ہو ورنہ ہم اس کی ہدایت و رہنمائی سے دُور چلے جائیں گے۔

قارئین کرام کی خدمت میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ درست نہیں ہے کہ ہم بعض نقطہ نگاہ سے سائنسی حقائق کو مذہب کے مقابلے میں اعلیٰ اور افضل خیال کریں۔ یہ رویہ غلط ہے کہ ہم مذہب کو سائنسی حقائق کے ذریعے درست قرار دیں، کیونکہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہم خود اسلام کی حقانیت اور سچائی کے بارے میں شک و شبہ میں ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ اسلام کو حق بجانب قرار دینے کے لیے سائنس کا سہارا لیتے ہیں۔ سائنسی حقائق تو ثانوی ہیں اور ان کی قدر و قیمت صرف اتنی ہے کہ یہ بعض دماغوں کو بیدار کرنے کے لیے ایک آلہ کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں اور یہ سچائی کے راستے کی طرف ایک دروازہ کھول دیتے ہیں، جو ہو سکتا ہے بعض لوگوں کے علم میں نہ ہو کہ ایسے دروازے کا بھی کوئی وجود ہے۔ سائنس ایک طرح کا برش تصور کرنا چاہیے جسے سچائیوں سے گرد و غبار دور کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، مزید یہ کہ سائنس حرف مطلق نہیں۔ ہماری پوزیشن بالکل واضح ہے کہ قرآن حکیم اور حدیث ہی حرفِ مطلق ہیں اور سائنسی حقائق اسی صورت میں سچ ہیں اگر وہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہوں۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ آج جو تسلیم شدہ سائنسی حقائق یا نظریات ہیں، وہ ایسے ستون نہیں جو ایمان کی سچائیوں کو برقرار رکھیں یا سہارا دیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جو ایمان کو ہمارے شعور میں داخل کرتی ہے اور یہ کہنا کہ ایمان سائنس کے ذریعے ہمارے اندر پیدا ہوگا غلط ہے۔ یہ ایمان ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی اور ہدایت کے ذریعے آتا ہے اور یہ ہدایت ہمیں قرآن حکیم سے حاصل ہوگی۔ ایک مومن (Momin) اس ایمان کی وجہ سے مومن ہے جو اس کے قلب میں موجود ہے، اس علم کی وجہ سے نہیں جو ہمارے سروں میں موجود ہو۔ جرمن فلسفی کانٹ (Kant) نے کہا تھا:

"I felt the need to leave behind all the books to read in order to believe in God."

بعض یورپی و امریکی مفکر اور دانشور خدا اور مذہب پر ایمان رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔ 13۔ اکتوبر 1939ء کے اخبار "انقلاب" کے حوالے سے ایک لیکچر کے اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر سٹیلے جونز (مشہور و معروف امریکی سیاح اور فصیح و بلیغ لیکچرار تھے) نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں سائنس اور مذہب کے موضوع پر لیکچر دیا۔ انہوں نے آج سے تقریباً 62 سال پہلے جو کچھ کہا تھا، وہ آج اکیسویں صدی میں بھی اپنی اہمیت و صداقت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ "حقیقت میں آدمی کے لیے مذہب اور سائنس میں کوئی تخالف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ سائنٹیفک ایجادات اور اختراعات خود نہ اچھی ہیں نہ بری۔ اچھائی اور برائی ان کے طریق استعمال پر منحصر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان ایجادات و انکشافات کو مذہب کی حقیقی رہنمائی میسر آ جائے تو دنیا کی موجودہ مشکلات کا معتدبہ حصہ خود بخود حل ہو جائے گا اور دنیا خدائے تعالیٰ سے بہت نزدیک ہو جائے گی۔

ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ میں نوجوانوں کے ان آزادانہ شکوک و شبہات کو جو وہ مذہب کے بارے میں کرتے ہیں، پسند کرتا ہوں لیکن یہ بھی کہا کہ اگر کوئی شخص صحیح معنوں میں راستی سے اس مسئلہ پر سوچنے کی کوشش کرے گا تو اس کو خدا کی ہستی کے تسلیم کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ محض بے جان مادہ سے عقل اور ذہانت پیدا ہو جانا ایک بعید از قیاس بات ہے۔ جب ہم اخبار پڑھتے ہیں تو اس کے بے جان حروف کے پس پردہ ہمیں ذہنِ مفکر کا خیال آ جاتا ہے۔ لہٰذا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس جہان دنیوی کے پیچھے کوئی جہاں اخروی نہ ہوگا۔

دراصل روح اور مادہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ سائنس کی وسیع طاقتوں سے مذہب اور بنی نوع انسان کی خدمت کا کام لیں اور اس طرح ان موانع اور مشکلات کا جو خدا اور بندے کے درمیان حائل ہیں، قلع قمع ہو جائے۔"

اگر آج اکیسویں صدی میں جدید سائنس ہمارے قرآن اور مذہب اسلام کے لیے ایک چیلنج ہے، جیسا کہ ان کے مخالفین سمجھتے ہیں تو راقم الحروف نے اس کتاب میں

اس چیلنج کا جواب بھی جدید سائنس کے ذریعے دینے کی کوشش کی ہے۔ آج سائنسی تحقیق کے ذریعے جو بہت ساری جدید ایجادات و اختراعات ہمارے سامنے ہیں، ان کے بارے میں اسلام نے آج سے 1400 سال پہلے ہی دعویٰ کر دیا تھا۔

زیر مقدمہ کتاب "قرآن کے جدید سائنسی انکشافات" دس ابواب پر مشتمل ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر غور و فکر، زمین پر زندگی کا توازن، کیا انسان کو مٹی سے بنایا گیا، کتاب حیات کے اسرار (زندگی کے راز)، حیوانی اور انسانی کلوننگ، کائنات کی معلوم قوتیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور، نیند کی سائنسی حقیقت، خوابوں کی سائنسی حقیقت، جدید سائنسی علوم قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرتے ہیں، حیات بعد الموت جیسے مہمات امور ہیں اور ایسے فکر آموز مسائل پر اپنی عقل و تجربے کے ساتھ محاکمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ راقم الحروف کو امید واثق ہے کہ یہ کتاب ایمان بالغیب کو ایمان بالشہادت میں بدل دے گی۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب یونیورسٹیوں، انگریزی میڈیم درس گاہوں اور دینی مدرسوں کے نصاب میں شامل ہو جائے تاکہ ان کے فارغ التحصیل طلبا و طالبات ایمان اور اخلاق سے مزین ہو کر معاشرے میں داخل ہوں اور وہ معاشرہ بنے جو انسانی فلاح کا ذریعہ ہو۔ اگر میری یہ کاوش ہمارے نوجوانوں میں قرآن فہمی کا ذوق عام کر دے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔

ے تو اے مولائے یثرب! آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی میرا ایمان ہے زناری

(بال جبریل)

میں شکر گزار ہوں جناب ظہیر سلام، ڈائریکٹر فیروز سنز کا جن کی سرپرستی، مخلصانہ پیروی اور خوش دلانہ تعاون سے یہ کتاب چھپ کر قارئین تک پہنچ سکی۔ ان کے بعد آپ کے مارکیٹنگ مینجر (اردو سیکشن) جناب خواجہ الطاف احمد کا بھی شکریہ کہ انہوں نے درحقیقت اس کتاب کے لکھنے کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایڈیٹر محترمہ شاذیہ اسلام، جناب گلزار احمد مینیجر پرنٹنگ پریس اور جناب عامر انور پری پریس انچارج کے علاوہ ان تمام کارپردازوں کا شکریہ جنہوں نے محنت، لگن اور نہایت دلچسپی سے اس

کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور یہ ان سب کی اجتماعی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب منظرِ عام پر آ رہی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس خدمت قرآن کو قبول فرمائے اور اسے میرے لیے باقیات صالحات میں ٹھہرائے۔ یہ زادِ آخرت اور سرمایۂ مغفرت بنے اور ناظرین با تمکین سے التجا ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر و توانا سے اس عاصی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ کتاب میں میری کوئی لغزش پائیں تو معاف فرما دیں اور کتاب کے مطالعے کے بعد اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں تاکہ اُن کو آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے۔ اب حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں علامہ اقبالؒ کی ایک رُباعی پیش کر کے اپنے مقدمے کو ختم کرتا ہوں:

مسلمان آں فقیرے کج کلا ہے
رمید از سینہ او سوز آہے
دلش نالد چرا نالد؟ نداند
نگاہے یا رسولؐ اللہ نگاہے

(ارمغان حجاز)

(مسلمان وہ کج کلاہ یعنی سر پر ٹیڑھی ٹوپی پہننے والا یا شاہانہ تمکنت رکھنے والا فقیر ہے، (افسوس) اس کے سینے سے آہِ سوز (عشق کی گرمی) نکل گئی ہے۔ اس کا دل روتا ہے، کیوں روتا ہے؟ وہ نہیں جانتا۔ ایک نظر یا رسولؐ اللہ! ایک نظر (اس مسلمان کی طرف بھی کیجئے)۔

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

47۔ رضا بلاک۔ علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔

لاہور

یکم نومبر 2002ء

پہلا باب:

اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر غور و فکر

(کائنات پر غور و فکر کی اہمیت)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو نبی آخرالزماں، حضرت محمدؐ مصطفیٰ احمد مجتبیٰ پر اتاری گئی۔ قرآن ایک طرف خاتم الکتب ہے تو دوسری طرف یہ خزینۃ الکتب بھی ہے۔ قرآن مجید انسان کی عقلی اور روحانی رہنمائی کا سرچشمہ بھی ہے اور یہ ملت اسلامیہ کے لیے مکمل ضابطۂ حیات اور دستور زندگی ہے۔ تہذیب، تمدن، معاشرت، سیاست و حکومت، تزکیۂ نفس وغیرہ، الغرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ یہ ایک ایسا مینار نور ہے جو تا قیامت زندگی کے ہر گوشے کو منور کرتا رہے گا۔

جوں جوں مسلمانوں میں تعلیم عام ہو رہی ہے توں توں اُن لوگوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جو قرآن مجید صرف پڑھ سکتے ہیں، لیکن ان لوگوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے جو قرآن حکیم کے بارے میں لکھی گئی کتابیں بھی بڑے شوق و ذوق سے پڑھنے لگے ہیں اور کچھ لوگوں میں یہ رُجحان بھی پایا جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح اپنی خواہش کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے یہ مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآنی آیت کے معنی و مطلب سمجھنے میں مشکل پیش آسکتی ہے۔ چنانچہ قرآنی آیات کی تاویل کرتے وقت اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے کہ آفاقی پیغام کیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیا چاہتا ہے اور قرآنی آیات کا اصل مقصد کیا ہے؟ قارئین پر یہ بات اُس وقت مزید واضح ہو جائے گی جب وہ اس نکتے کا مطالعہ فرمائیں گے۔ تمام قارئین سائنسی علوم سے بھی واقفیت نہیں رکھتے، اگرچہ میں نے اپنی پہلی کتاب ''قرآن اور جدید سائنس'' میں قرآن اور سائنسی علوم کے بارے میں لفظ ''سائنس'' کی توضیح کر دی ہے، لیکن قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں دوبارہ لفظ سائنس کی توضیح کی جاتی ہے۔

سائنس اور علم کیا ہے؟ کیا سائنس اور علم میں فرق ہے؟

آسان اور مختصر الفاظ میں سائنس کے معنی ہیں تجرباتی علومِ حکمت۔ اگر اس کی مزید وضاحت کی جائے تو یہ فطری یا طبیعی مظہر کا باقاعدہ علم ہے یا ایسی سچائی جو مشاہدہ، تجربہ یا استقرائی منطق سے معلوم کی گئی ہو یا بالفاظ دیگر یہ طبیعی حقائق کا وہ علم ہے جو مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو، یعنی سائنس میں مشاہدے اور تجربے کی بڑی اہمیت ہے۔ سائنس غور و فکر اور ادراک و تعقل کے ایک خاص رُجحان کا نام ہے۔ سائنس ایسی معلومات کو کہا گیا ہے جس کو منظم طریقے سے جمع کیا گیا ہو۔ درحقیقت سائنس کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ سائنٹیا (scientia) سے ماخوذ ہے جس کے معنی علم (knowledge) کے ہیں۔ جدید سائنسی علوم میں ریاضی، کیمیا، طبعیات، ارضیات، نباتات و حیوانیات (حیاتیات)، فلکیات و سماویات اور طب سے متعلق علوم ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ابھی پڑھا ہے سائنس کے معنی "علم" کے ہیں اور قرآن حکیم اسلامی تعلیمات کا محور ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب نے علم کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ علم (سائنس) اور اسلام میں وہی رشتہ ہے جو روح اور جسم میں ہے۔ تاریخ انسانیت میں منفرد مقام اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ سراپا علم بن کر آیا۔

علم کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں قرآن حکیم میں بہت ساری آیات ہیں مثلاً سورۃ العلق (96) کی آیت 3 تا 4، سورۃ طٰہٰ 20 کی آیت 114، سورۃ المجادلہ 58 کی آیت 11 اور سورۃ النمل 27 کی آیت 14 ہیں۔ سورۃ المجادلہ کی آیت 11 کا ترجمہ دیکھیے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط

ترجمہ: اللہ ان کے لیے جو تم میں سے ایمان اور علم رکھتے ہیں، کے درجے بلند کر دے گا۔

(سورۃ المجادلہ 58، آیت 11)

تمام نبی و پیغمبر اللہ تعالیٰ کے خاص اور برگزیدہ بندے تھے اور اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا "کہ یہ اہل علم تھے ان کو علم و حکمت عطا کیا گیا، جیسا کہ سورۃ النمل (27) کی آیت 14 میں ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا

ترجمہ: بے شک ہم نے داود (علیہ السلام) اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو علم عطا کیا۔

دوسرا ترجمہ: (ارشاد ہوا) اور البتہ تحقیق، ہم نے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو (حکمت و حکومت) کا علم دیا۔ (سورۃ النمل 27، آیت 15)

ان آیات کریمہ سے علم کی فضیلت واہمیت واضح ہو جانی چاہیے۔ مزید ارشاد ہوا:

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور انہوں نے کہا شکر اللہ کا جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا اور بولا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے دیا گیا ہے۔ بے شک یہی صریح فضیلت ہے۔
(سورۃ النمل 27 آیت 15،16)

ارشاد ہے کہ ہم نے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو خاص خاص علم دیئے تھے۔ داؤد علیہ السلام جمادات کے بھید سمجھتے تھے، پہاڑ کی تسبیح سنتے، لوہے کو توڑ موڑ کر چیزیں بنا لیتے تھے۔ (لوہے کو ان کے ہاتھ میں نرم کر دیا تھا)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چرند پرند کی بولیاں سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ خالص مرتبہ خالق کائنات نے انہیں عطا کیا ہے اور علانیہ اللہ کا شکر کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ نے جانوروں کی بولی سمجھنا سکھا دیا ہے اور دنیا میں سب کچھ دے دیا ہے۔ یہ اس کی نمایاں اور کھلی مہربانی اور رحمت ہے۔

چنانچہ ان آیات کریمہ میں جس بات کی اہمیت و عظمت کو اُجاگر کیا گیا ہے، وہ "علم" ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حکومت عطا کرنے اور بہت بڑی سلطنت عطا کرنے کے باوجود جس چیز کا سب سے پہلے تذکرہ فرمایا: وہ یہ کہ ہم نے ان کو علم عطا کیا۔

معلوم ہوا کہ علم سلطنت اور حکومت و دولت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ چنانچہ علم ہی معرفت الٰہی کا پہلا اور آخری زینہ ہے۔

سورۃ طٰہٰ (20) کی آیت 114 میں خود نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تو اپنے رب سے دعا مانگا کرو کہ اے رب مجھے علم میں زیادہ کر جیسا کہ قرآنی آیت سے ظاہر ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

ترجمہ: اے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔

دوسرا ترجمہ: تم اپنے رب سے یہ دعا مانگا کرو کہ "اے میرے رب" مجھے قرآن مجید کی سمجھ) اور اس کا علم اور زیادہ عطا فرما۔" (سورۃ طٰہٰ 20، آیت 114)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم سے اونچی یا اعلیٰ وارفع کوئی اور چیز ہوتی تو حضور نبی کریم ﷺ کو اس کے مانگنے کا حکم دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو زیادہ بہتر اور ارفع چیز حاصل کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کریں۔ سب سے پہلی وحی الٰہی جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی اس کی ابتدا ہی لفظ "اقرأ (پڑھ)" سے ہوئی۔ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

(ترجمہ) پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔ اس نے انسان کو علق (جمے ہوئے خون سے) بنایا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ آدمی کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔ (سورۃ العلق 96، آیت 1 تا 5)

ان آیاتِ مبارکہ سے عیاں ہے کہ علم انبیا کی وراثت ہے اور انبیاء علیہم السلام علم کے وارث بنائے جاتے ہیں۔[1]

علم ہمارے دین میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ علم ایک روشنی کا نام ہے اور اس کے مقابلے میں جہالت ایک تاریکی کا نام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کو بھیجتے ہیں تو ان کو علم کی دولت دے کر بھیجتے ہیں اور پھر اس علم سے جہالت (ظلمت اور تاریکی) کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ علم کی روشنی سے معاشرے میں خرابیوں کو دور

---

[1] حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے: علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت علم کی وجہ سے قائم ہوئی اور فرشتوں کو اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی شہادت کائنات کا ذرّہ ذرّہ دیتا ہے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب بھی اپنی وحدانیت کا ذکر فرمایا تو ہمارے سامنے جو محسوسات ہیں ان کو لیا۔ کبھی آسمانوں کو، کبھی زمین کو، کبھی پہاڑوں کو، کبھی اشجار کو، کبھی انسان کے وجود کو، کبھی ہواؤں کو، کبھی جانوروں کو اور کبھی چاند، سورج اور ستاروں کو۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو اپنی موجودگی اور اپنی وحدانیت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ہم ان محسوسات کی عظمت کا اسی صورت اندازہ کر سکتے ہیں جب ہم ان کا جدید سائنسی نقطہ نگاہ سے مطالعہ و مشاہدہ کریں اور یہی وہ تعلق ہے جو قرآن حکیم اور جدید سائنس میں پیدا ہوتا ہے، جس تعلق کو اس کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فلسفہ اور سائنس:

فلسفہ اور سائنس کے معنی ہیں کسی شے کی حقیقت کو جاننا اور اُسے دریافت کرنا۔ سائنس دان اور فلسفی وہ ہے جو کسی شے کے ظاہری مطالعہ سے زیادہ اس کی اصلیت اور حقیقت کا پتہ چلاتا ہے۔ یہ نظریات علم وعقل اور فکر کی استطاعت کے مطابق ہوتے ہیں۔ ایک نظریہ دوسرے نظریے سے میل نہیں رکھتا۔ اس لیے فلسفہ کوئی باقاعدہ سائنسی علم نہیں ہے چونکہ یہ نظریات زیادہ تر قیاس آرائیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب علم کامل ہو جاتا ہے تو فلسفیانہ نظریات خود بخود بدل جاتے ہیں اور تجسس و تلاش کرنے والا مقصد کو پا لیتا ہے اور یہی علم کی معراج ہے اور پھر فلسفہ سائنس کی صورت اختیار کر لیتا ہے یا سائنس فلسفہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

قرآن اور جدید سائنس میں تعلق اور مقصد کیا ہے؟

جب ہم قرآن اور سائنس کے مابین ممکنہ تعلق پر غور و فکر کرتے ہیں تو دو متضاد نظریات سامنے آتے ہیں یا کہہ لیجئے کہ دو متضاد نظریات رکھنے والے مفسرین قرآن سامنے آتے ہیں۔ بہت سارے ہمارے مذہبی علماء (جن کی میں بہت عزت و تکریم کرتا

ہوں) جو سائنسی تعلیم سے متعلق سوجھ بوجھ نہیں رکھتے یا واجبی طور پر شناسا ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ قرآن مجید صرف اور صرف مذہبی رہنمائی کی کتاب اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس ضمن میں وہ صرف نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور عقیدۂ توحید کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی تقاسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کتاب (قرآن حکیم) کا دائرہ کار نفس انسانی اور حیاتِ انسانی ہے اور اس کا رول یہ ہے کہ کائنات کا اس کے خالق سے کیا ربط ہے؟ کائنات میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کے رب سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یہ خیالات مصری عالم "قطب شہید" کے ہیں، جن کی دینی علمیت سے تو ہم سب آگاہ ہیں اور پھر قرآن مجید کے بارے میں جو کچھ وہ فرماتے ہیں، میں ان سے اتفاق کرتا ہوں مگر آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ

"سائنس دان اس میں (قرآن میں) وہ چیزیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس میں موجود ہی نہیں ہیں یا قرآن میں اس چیز کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں جو اس میں نہیں ہے اور اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو اس کا مقصود ہی نہیں ہے اور اس سے علم طب، علم کیمیا اور فلکیات وغیرہ کی کچھ ضروری معلومات برآمد کر کے اس طرح وہ غالباً قرآن کی عظمت و بزرگی کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ نقطۂ نظر قرآن مجید کی آیات کو درست سیاق و سباق میں نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ میں ذاتی طور پر اس بات سے اتفاق نہیں کرتا اور ویسے بھی سید قطب شہید سائنس کا علم نہیں رکھتے تھے۔

دوسرا نظریہ جدید مفسرین قرآن اور دانشورانِ اسلام کا ہے جو قرآن حکیم کو سائنس کی کتاب ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کو بنیادی طور پر سائنس کا مذہب کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ ایک سائنسی قرآن (Scientific Quran) تلاش کرنے کا رُجحان رکھتے ہیں مگر جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، قرآن سائنس کی کتاب نہیں، اس میں زندگی کے دوسرے شعبہ جات کا بھی ذکر ہے جن کے بارے میں متعدد آیات ہیں مثلاً قیامت یا زندگی بعد از موت کا بھی ذکر ہے۔

مندرجہ بالا دونوں نظریات میں بُعد پایا جاتا ہے بلکہ ایک دوسرے کی ضد اور

دوری۔ فاصلہ۔ مسافت

متصادم ہیں۔ میں جب قرآن حکیم کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے اس کی بعض آیات میں بلیغ سائنسی اشارے ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں کہ جن حقائق و شواہد تک موجودہ جدید سائنس بعد از خرابی بسیار صدیوں کی مسافت طے کر کے پہنچی ہے، قرآن حکیم نے تو آج سے بہت پہلے ہی (1400 سال قبل) ان حقائق سے بنی نوع انسان کو آگاہ کر دیا تھا۔ یہ درست ہے کہ قرآن حکیم ہمارے لیے ایک مذہبی، عقلی اور روحانی رہنمائی کی کتاب اور مکمل ضابطۂ حیات ہے مگر اس کی بعض آیات قدرتی مظاہر (natural phenomena) کی دعوت بھی دے کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارے اندر ایمان اور یقین پیدا کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی ٹھوس شہادت مہیا کرتی ہیں۔ قرآن حکیم سائنس کا محتاج نہیں اور نہ ہی قرآن پر ایمان (جیسا کہ مصنف نے اپنے مقدمہ میں ذکر کیا ہے) سائنس کے تابع ہے، لیکن جب سائنس کی جدید تحقیق ان حقائق کی تصدیق کرتی ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک نے بیان کر دیئے تھے تو وہ قرآن پاک کے من جانب اللہ ہونے کا ثبوت مہیا کرتی ہیں۔ مزید برآں قرآن حکیم اگرچہ سائنس اور فلسفے کی کتاب نہیں لیکن دورانِ بحث کچھ ایسے حقائق سامنے آگئے ہیں جن کی صداقت عصر حاضر کے جدید سائنسی مطالعہ کی روشنی میں جانی جا سکتی ہے۔

سائنس کا مقصد یہ ہے کہ جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں اس کی مجموعی طور پر وضاحت کرے (تشریح و توضیح) کرے اور اس کے مختلف حصوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح بھی کرے، لہٰذا ایک سائنس دان کے لیے لازم ہے کہ وہ فطرت کی ہم آہنگی اور اس اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر ایمان رکھے جس نے اس فطرت کو جنم دیا اور اسے یقین ہونا چاہئے کہ جو قوانین اس نے دریافت کر لیے ہیں، وہ درحقیقت آفاقی قوانین ہیں۔ اسی عقیدے کی بدولت عظیم سائنس دان، فلسفی اور ریاضی دان نیوٹن (1642ء تا 1727ء) نے سیب کو درخت سے گرتے دیکھا تو اس کے دل میں سوال پیدا ہوا کہ آخر سیب زمین پر کیوں گرا، اوپر کیوں نہ چلا گیا؟ تو یہیں سے اس کا تعلق سیاروں (Planets) کی سورج کے گرد گردش سے پیدا کیا اور ایک عالمی قانون دریافت کر لیا۔ یہ عالمی قانون کیا ہے؟ یہ قانون اصولِ تجاذب (Law of Gravitation) ہے جس کا اصول یہ ہے کہ دنیا کی ہر

شے دوسری شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ نیوٹن نے مزید کہا تھا کہ "ہر وہ قدم جو انسان حقیقت کی تلاش کی جانب اٹھاتا ہے سائنس ہے۔" سائنسی امور میں ایک اہم زاویہ یا قدم قرآن مجید اور جدید سائنس کے باہمی ربطہ و تعلق ہی کو ظاہر کرنا نہیں بلکہ اس حقیقت کا اثبات بھی کروانا ہے کہ جدید سائنس کے نظریاتی اور فکری چشمے قرآن کریم سے پھوٹتے ہیں جو تنزیلات الٰہیہ کا پہلا اور آخری ارمغان ہے۔

فرانس بیکن (1561ء تا 1626ء) کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیے:

1- ایمان کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر ایمان اندھا ہے۔

2- فلسفہ بلاشبہ ایک سمندر ہے دیگر سمندروں سے مختلف، اس کے کنارے پر از خطرات اور سراب ہیں۔ سلامتی اور ایمان اس کی تہ اور گہرائیوں میں ہے۔

3- فلسفہ کا قلیل علم اللہ سے دور لے جاتا ہے اور اس کی کثرت اللہ کی طرف واپس لاتی ہے۔

لارڈ کلیون نے کہا:

آپ سائنس کی فکر میں جتنا گہرائی تک اترتے چلے جائیں گے، اتنا ہی سائنس آپ کو خدا کو ماننے پر مجبور کرتی جائے گی۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی کا ایک شعر بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے:

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

قرآن اور جدید سائنس میں تعلق پیدا کرنے کے محرکات درحقیقت وہ الفاظ ہیں جو بار بار قرآن مجید میں آئے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان الفاظ کی تعداد تقریباً چھ سو ہے۔ (بعض مصنفین نے الفاظ کی تعداد 562 اور بعض نے 664 بتائی ہے) یہ الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔ آپ ان الفاظ کے لغوی معنوں پر غور فرمایئے، مثلاً

يَنظُرُونَ: وہ غور و فکر کرتے ہیں (انتظار کرتے ہیں)

يُبْصِرُونَ: وہ دیکھتے ہیں (وہ دیکھیں گے) سے مراد غور و فکر ہے یا وہ معرفت جو غور و فکر کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

يَشْعُرُوْنَ : وہ جانتے ہیں، سمجھتے ہیں۔

يَتَفَكَّرُوْنَ : وہ غور و فکر کرتے ہیں۔

يَعْقِلُوْنَ : وہ سمجھتے ہیں۔

يَتَدَبَّرُوْنَ : وہ غور و فکر کرتے ہیں۔

يَذْكُرُوْنَ : وہ یاد کرتے ہیں (ذکر سے)۔

آیئے اب مندرجہ بالا الفاظ میں سے "ینظرون" کی مثال لیتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال سورۃ الغاشیہ 88 کی آیت 19،18،17 اور 20 میں نہایت خوبصورتی سے ہوا۔

1- اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: بھلا کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟

دوسرا ترجمہ: کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے؟

2- وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اور آسمان کی طرف (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے؟

3- وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں؟

4- وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟

سورۃ الذاریات 51 کی آیت 21،20 کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں؟

(دوسرا ترجمہ: اہل یقین کے لیے روئے زمین میں آیات معرفت الٰہی ہیں، معرفت حق کی نشانیاں تمہارے نفسوں میں بھی ہیں، کیا تم میں بصیرت نہیں؟)

(سورۃ الذاریات 51 آیت 21،20)

انسان کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے اور کہاں ہے؟ تو اس کا جواب قرآن مجید نے دے دیا ہے کہ تم اللہ کو اس کی نشانیوں سے پہچان سکتے ہو۔ اس کی نشانیاں حیوانات (جانور، چرند پرند بلکہ ہر مخلوق)، آسمانوں، پہاڑوں اور زمین میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں زمین اور آسمان میں سب جگہ پھیلی ہوئی ہیں بلکہ خود تمہارے اندر موجود ہیں۔ سورۃ الذاریات میں ارشاد ہوا کہ یہ نشانیاں انہی کے لیے ہیں جو یقین کرنے کے لیے تیار ہیں اور آنکھوں سے جو دیکھتے ہیں، ان سے ٹھیک اور گہرا نتیجہ نکالتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی عقل سے انہی نتائج پر پہنچیں گے جو قرآن حکیم انہیں بتا رہا ہے۔

اب سورۃ الغاشیہ کی چار آیات اور سورۃ الذاریات کی دو آیت پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں علم حیوانات (Biology)، علم فلکیات (Astronomy) یا خلائی سائنس (Space Science)، علم طبقات الارض یا ارضیات (Geology) اور علم الابدان (Physiology) کا ذکر ہے نہایت اختصار کے ساتھ۔ مگر ان مضامین کو اب یونیورسٹی کی سطح تک پڑھایا جاتا ہے اور ان علوم میں اتنی وسعت اور گہرائی پیدا ہوگئی ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں کی لائبریریاں ان مضامین پر لکھی گئی کتب سے بھری پڑی ہیں اور روز بروز تحقیق کی بدولت ان مضامین میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

سورۃ الغاشیہ کی ان آیات کریمہ میں اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین کا ذکر ہے اور انسان سے کہا گیا ہے کہ وہ ان پر غور و فکر کرے کہ وہ کیسے تخلیق کیے گئے ہیں۔ جو مفسرین قرآن اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ قرآن حکیم صرف اور صرف مذہبی کتاب ہے تو ان تخلیق شدہ چیزوں کی طرف دیکھ کر کیا کہیں گے؟ وہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ انسان اللہ کی مخلوقات کو دیکھ کر اس کی قدرت اور حکمت کا اندازہ کرے اور اس کی عبادت میں مصروف ہو جائے یا پھر کوئی عالم دین صاحب طرز ادیب ہے یا شاعر بھی ہے تو وہ مثلاً اونٹ کی تعریف و توصیف میں کوئی ادب پارہ تخلیق کر دے گا یا پھر ممکن ہے اُسے اپنی شاعری کی زینت بنا لے۔ اونٹ کے بارے میں مختلف مفسرین قرآن نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

"انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو دیکھ کر اس کی قدرت اور حکمت کا اندازہ کر

لے اور اس کی عبادت میں مصروف ہو جائے۔ ان مخلوقات میں سے ایک "اونٹ" ہے جس کی بابت مشہور ہے کہ "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔" منہ، ہونٹ، گردن، ٹانگیں وغیرہ غرض جو کچھ ہے نرالے ہی انداز کا ہے لیکن ان ٹیڑھے، بانکے، لمبے اعضا کو جوڑ کو اللہ عزوجل نے ایک چلتا پھرتا خاص طور کی سمجھ اور عادتیں رکھنے والا شاندار جانور بنادیا ہے جس کے بغیر خشک ملکوں میں سفر اور بار برداری کا کام اب تک بھی ممکن نہیں ہے اور جسے صحرا کا جہاز بھی کہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق (تخلیق) آسمان ہے کہ جسے اٹھا کر بغیر سہارے ہمارے سر پر کھڑا کر دیا ہے اور تعجب یہ ہے کہ جتنے اونچے جاؤ اتنا ہی اونچا نظر آتا ہے جتنا تھا۔[1] پھر پہاڑوں کو دیکھو جس کے کئی خوشمار نگ اور کئی ہولناک منظر دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور پھر زمین ہے جس کے عجائبات کا آج تک پورا اندازہ نہیں ہو سکا۔ ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کی عظمت کا اندازہ کریں۔

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر ذہن کو اپیل کرتی ہے اور کم و بیش ہر مسلمان مفسر یا دانشور نے اسی قسم کی ملتی جلتی توضیح و تشریح کی ہے۔ اس وقت تک جتنی بھی تفاسیر شائع ہو چکی ہیں، یہ تقریباً تقریباً ان سب کا خلاصہ ہے۔ خواہ کوئی کتنا ہی جید عالم ہو وہ انہی خیالات کا اظہار کرے گا۔ گذشتہ چودہ سو سال سے ایک روایتی تفسیر (conventional commentry) ہی ملے گی۔ اگر کسی نے کوئی تبدیلی کی ہے تو محض جملوں کی، بعض نے عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ استعمال کیے ہیں اور بعض نے سلیس ترجمہ و تفسیر کا دعویٰ کیا ہے۔ ہمارے زیادہ تر مفسرین نے ایسی آیات متشابہات (جن کی ایک سے زیادہ تاویلیں ہو سکتی ہیں) کی محض روایتی تفسیر پر انحصار کیا بلکہ آج کے جدید سائنسی دور میں بھی بعض مفسرین ایسا کر رہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ان حضرات کی سائنسی علوم سے ناآشنائی ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان بزرگوں نے قرآن حکیم کے الفاظ کے اردو میں معنی و مطالب سے متعلق لغات مرتب کرنے کے علاوہ آیات قرآنی کی تفاسیر اپنے اپنے علم کے لحاظ سے لکھ کر اسلام کی بڑی خدمت کی اور کر رہے ہیں، جن کا

---

[1] مصنف کی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" کا بھی مطالعہ فرمایئے جو فیروز سنز نے شائع کی ہے۔

ہمیں اعتراف کرنا چاہیے اور ایسا نیک کام کر کے ہمارے اسلاف نے عجمی الاصل ہونے کے باوجود عربی زبان کے سلسلہ میں بھی خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں۔ یہ سب بزرگان جنت الفردوس کے حق دار ٹھہرے ہیں۔

اُونٹ کیسے پیدا کیا گیا؟

اب میں دوبارہ آپ کی توجہ سورۃ الغاشیہ کی آیت 17 کے ترجمہ کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسے پیدا کیا گیا؟ آپ جانتے ہیں اونٹ ایک حیوان ہے، لہٰذا اگر ہم جدید سائنس کی روشنی میں اس کا مطالعہ کریں تو پھر ہمیں علم حیوانات کے تناظر میں اونٹ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں چند سوال جو ذہن میں اُبھر سکتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- اونٹ نے اب تک کون کون سے ارتقائی مراحل (evolutionary stages) طے کیے ہیں؟

2- یہ اتنا اونچا کیوں ہے؟ اس کی گردن اتنی لمبی کیوں ہے؟

3- یہ بغیر پانی پیئے ہفتوں کیسے سفر کر سکتا ہے؟ اس کے معدے میں کیا ہے؟

4- اس کی اناٹومی اور جنینیات کے مطالعہ سے کیا معلومات حاصل ہوتی ہیں؟

5- اس کی عادات، اطوار اور خوراک وغیرہ کیا ہے؟

علم حیوانات (zoology) کے حوالے سے مندرجہ بالا سوالات کا مختصر اُجواب یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں سال پہلے اونٹ ایک خرگوش کی مانند تھا اور ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے موجوہ حالت تک پہنچ گیا ہے جو کہ بظاہر اس کی مستقل شکل و صورت ہے لیکن تمام حیوانات، جن میں انسان بھی شامل ہیں، ارتقائی تبدیلیاں جاری ہیں لیکن یہ تبدیلیاں محض سینکڑوں یا ہزاروں سالوں میں رونما نہیں ہوتیں بلکہ ان تبدیلیوں کا عرصہ کروڑوں سال پر محیط ہوتا ہے (مثلاً بحوالہ قرآن اور جدید سائنس انسان کا قد ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے 10 یا 15 فٹ سے بھی تجاوز کر جائے گا، ایسا 80,000,000 کے بعد ہوگا اور پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان اپنی مکمل جسامت حاصل کرنے کے بعد اپنے ہی خلیوں کے زوال پذیر ہونے یا شرح پیدائش میں کمی ہو جانے کی وجہ سے مٹ

جائے گا اور شاید زمین کے اس آخری دور میں کسی ایسے حقیر کیڑے کی بادشاہی ہو جسے آج ہم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں)۔ بات اونٹ کی ہو رہی تھی۔ پھر زمین پر غالباً ایک ایسا دور آیا، مثلاً برفانی دور اور زمین پر سبزہ اور گھاس وغیرہ ناپید ہو گیا اور چونکہ اس جانور میں علم حیوانات کی زبان میں ماحولیاتی مطابقت (environmental adaptation) بہت ہے، لہٰذا قدرت نے اس کی گردن اور قد بھی بتدریج بڑا کر دیا تاکہ یہ اونچے اونچے درختوں سے اپنی خوراک حاصل کر سکے۔ اونٹ درخت کی سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی چبا جاتا ہے اور کانٹے دار (کیکر وغیرہ) درخت اور جھاڑیاں بھی۔ دوسرا نظریہ ہے کہ ایسے ناموافق حالات میں صرف وہ جانور زندہ رہے جن کی گردن اونچی یا طویل تھی۔ یہ صرف اور صرف صحرا کا جانور ہے جہاں پر ریت ہی ریت ہوتی ہے۔ لہٰذا قدرت نے اس کے پاؤں چپٹے بنا دیئے تاکہ ریت کے اوپر چلتے وقت اپنے طویل (بلند) جسم کا توازن برقرار رکھ سکے۔ اگر اس کے پاؤں گدھے یا گھوڑے کی مانند ہو جاتے تو یہ کبھی کا دنیا سے معدوم ہو گیا ہوتا اور آج یہ جانور ناپیدا ہوتا۔

اونٹ پانی کے بغیر کیسے زندہ رہتا ہے؟

جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ یہ پانی پیئے بغیر کئی ہفتوں تک سفر کر سکتا ہے۔ یہ درحقیقت مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اس کے معدے میں تھیلیاں (Pouches) ہوتی ہیں جن میں پانی جمع (store) ہو جاتا ہے اور یہ ایک مدت تک یہی پانی استعمال میں لاتا رہتا ہے۔ اگر یہ پانی ختم ہو جائے اور لق ودق صحرا میں پانی کا دُور دُور تک بھی نشان نہ ہو تو پھر اس کے کوہان کی چربی آہستہ آہستہ پگھلنا شروع کر دیتی ہے جو پانی کی جگہ ایک عمدہ نعم البدل (substitute) کا کام دیتی ہے۔ اگر شتربان کو پیاس یا بھوک ستانے لگے تو اونٹنی (ناقہ) کا دودھ پی لے۔ اونٹ نہایت ہی مختصر وقت میں 25 گیلن پانی پی لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے جسم کی بافتوں یا تھیلیوں (جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) میں موجود پانی کا ذخیرہ ایک لمبے عرصے تک چلتا رہتا ہے۔ اونٹ کے جسم کا بہت کم پانی فضلے میں ضائع ہوتا ہے اور اسے پیشاب بھی بہت کم آتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس کا پانی اس کے جسم کی بافتوں میں محفوظ رہتا ہے اور زیادہ عرصے تک اسے زندہ رکھتا ہے۔

اونٹ اپنے جسم میں 30 فی صد پانی کی کمی کو نہ صرف برداشت کر لیتا ہے بلکہ بوجھ اٹھا کر میلوں سفر کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس انسان زیادہ سے زیادہ 12 فی صد پانی کی کمی برداشت کرنے کا اہل ہے۔ پانی کے بغیر اونٹ کے زندہ رہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس کے جسم کی بافتوں سے ہی پانی خون میں شامل ہو جاتا ہے جس سے پانی کی مقدار برقرار رہتی ہے۔ دودھ دینے والے جانوروں میں اکثریت ایسے جانوروں کی ہے جن کے خون سے پانی کا ضیاع ہوتا ہے۔ اگر ان میں موجود خون میں سے پانی کی مقدار نمایاں حد تک کم ہو جائے تو خون گاڑھا ہونے کی بنا پر اس کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ انتڑیوں میں خون جم جائے۔ اس کے علاوہ پانی کے کم ہونے کے ساتھ جسم کا درجۂ حرارت بھی گر جاتا ہے چنانچہ ایسی تکلیف دہ حالت میں موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ جہاں تک اونٹ کا تعلق ہے پانی اس کے جسم کی تمام بافتوں میں گھل مل جاتا ہے اور ضرورت کے تحت اپنی بافتوں سے اپنی پیاس بجھاتا رہتا ہے اور یہ کئی ہفتے تک زندہ رہ لیتا ہے اور پانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ دودھ دینے والے دیگر جانوروں کی اکثریت ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے جسم میں وافر مقدار میں پانی کا ذخیرہ نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا کرتے ہیں تو ان کی زندگی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اونٹ اگر ایک دفعہ راہ دیکھ لے تو اسے کئی برسوں تک یاد رکھتا ہے، خواہ اس کے پاؤں کے تمام نشان مٹ گئے ہوں۔ اس جانور کی عادات و اطوار اتنی اچھی ہیں کہ اسے شریف جانور (gentle animal) کہا گیا ہے۔ یہ صحرائی جہاز اس وقت دنیا میں ایک کروڑ 90 لاکھ کی تعداد میں پایا جاتا ہے۔ یہ صابر و شاکر شریف جانور کھیتی باڑی اور باربرداری کے کام آتا ہے۔ پاکستان میں اونٹ پر تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قرآن حکیم میں اسی جانور کی طرف انسان کی توجہ کیوں دلائی گئی ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت (جب کہ قرآن حکیم کا نزول ہوا) عربوں کے پاس اونٹ ہی ایسا جانور تھا جو کثیر تعداد میں تھا اور ان کے لیے باربرداری اور صحرا میں سفر کا یہی ذریعہ تھا۔ دوسرا کوئی جانور مثلاً گدھا یا گھوڑا وغیرہ ریت پر نہیں چل سکتا کیونکہ ان کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں بلکہ انسان بھی ریت

پر چلتے وقت محسوس کرتا ہے۔ یہ باتیں جو علم حیوانات کے حوالہ سے اونٹ کے بارے میں بیان کی گئی ہیں، ان کی بنیاد مطالعہ اور مشاہدہ ہے۔ سائنسی علوم سے واقفیت نہ رکھنے والا مفسر قرآن یا عالم دین اپنے قارئین کو ان ضروری سائنسی معلومات سے محروم رکھے گا.... معاشرے میں عالم دین کی اپنی اہمیت اور مقام ہے، جس سے انکار ممکن نہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی درسگاہوں میں انگریزی اور سائنس دونوں کی تعلیم بھی دی جائے۔ انگریزی کی تعلیم کیوں؟ چونکہ سائنسی علوم کا سارا لٹریچر اور حوالہ جات ترقی یافتہ زبانوں مثلاً انگریزی کے علاوہ جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں ہے۔ چنانچہ مفسر قرآن کے لیے اب یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم سے بھی واقفیت رکھے تاکہ وہ ایسی تمام آیات (متشابہات) جو بظاہر قدرت یا تخلیق کائنات کے بارے میں ہیں، ان کی بہتر اور مؤثر طریقے سے وضاحت کر سکے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر چیز پیدا کی ہے اور وہ ہی ہر چیز کے حال سے واقف ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں ارشاد ہوا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾

ترجمہ: اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کے حال سے واقف ہے۔

(سورۃ الانعام 6 آیت 101)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ تیرا پروردگار سب کا پیدا کرنے والا ہے اور سب حال سے واقف ہے۔

دوسرا ترجمہ: بے شک تمہارا رب ہی خوب پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

(سورۃ الحجر 15، آیت 86)

پہاڑوں کی تخلیق۔ پہاڑ کیسے بلند کیے گئے؟

پہاڑوں کی تخلیق کے بارے میں قرآن حکیم کی چند آیات اور ان کا ترجمہ دیکھئے:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ﴿٦﴾ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾

ترجمہ: (ارشاد ہوا) کیا ہم نے (بساط ارضی کو) گہوارہ عافیت نہیں بنا دیا؟ اور

پہاڑوں کو (زمین کی) محکم میخیں نہیں کر دیا؟ (سورۃ النبا78، آیت 7,6)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ہم نے زمین کو بچھایا اور پھر اس پر پہاڑ رکھ دیئے اور ہم نے اس میں ہر مناسب چیز پیدا کر دی۔ (سورۃ الحجر15، آیت 19)

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥﴾

ترجمہ: اور اس نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے تاکہ وہ زمین تم کو لے کر ڈگمگائے نہیں اور نہریں اور رستے بنائے۔ تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ (سورۃ النحل16، آیت 15)

قرآن حکیم میں پہاڑوں کا ذکر بھی بہت سی آیات میں آیا ہے۔ کوہساروں کو دیکھ کر اللہ جل شانہ کی ہیبت، قدرت اور جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہاڑوں کے بنانے کا طریق تخلیق کیا تھا؟ قرآن حکیم میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا مگر ان کا مقصد بتا دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ النباء کی آیت 7,6 میں ذکر ہوا ہے "اور پہاڑوں کو (زمین کے لیے) میخیں بنایا۔" پہاڑوں کی تخلیق کا ایک قدیم نظریہ ہے کہ ابتدا میں زمین پگھلے ہوئے آتش مادے (Magma) پر مشتمل تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد جب زمین ٹھنڈی پڑنے لگی تو جو حصے پہلے منجمد ہو گئے یا جم گئے (solidified)، وہ پہاڑ بن گئے اور جو حصے بعد میں منجمد ہوئے، وہ وادیاں اور پانی کے بخارات سمندر بن گئے۔

ساختمانی ارضیات

پہاڑوں کی ساخت (structure) کے بارے میں اب ایک جدید نظریہ سامنے آیا ہے جسے تعمیری یا ساختمانی ارضیات (Plate Techtonics) کہا جاتا ہے اور علم ارضیات

آسمان کیسے تخلیق کیا گیا (کس طرح بلند کیا گیا)؟

۱ مصنف کی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" (صفحہ 159, 247) کا مطالعہ فرمائیے۔ جو فیروز سنز سے دستیاب ہے۔

میں یہ عنوان مزید تحقیق کا ایک اہم میدان بھی ہے۔ اس نظریہ کو براعظمی شفٹ / دریفٹ نظریہ (Continental Drift Theory) بھی کہتے ہیں۔ اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام براعظم زمین کی بالائی تہ (crust) کے مختلف حصوں یا پلیٹوں (plates) میں دبے ہوئے ہیں اور زمین کی اندرونی حالت میں ارضیاتی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ غالباً جب سے زمین تخلیق ہوئی ہے اسی وقت سے اس کی بالائی تہ میں تبدیلیاں جاری ہیں۔ زمین کی عمر تقریباً 4.6 بلین سال ہے لیکن 250 بلین سال پہلے یہ تبدیلیاں واضح طور پر شروع ہوئیں۔ چنانچہ ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں یہ پلیٹیں حرکت میں رہتی ہیں، مثلاً ایک سال میں تقریباً 2 سنٹی میٹر یا تقریباً ایک انچ سالانہ کے حساب سے یہ پلیٹیں سرکتی ہیں یا گھسیٹی جاتی ہیں۔ سرکنے یا گھسیٹنے کے اس عمل سے جب ایک پلیٹ دوسری پلیٹ سے شدید قوت سے ٹکراتی ہے تو اس تصادم کے نتیجہ میں نرم پلیٹ بلند ہو جاتی ہے اور چٹان یا بہت اونچے پہاڑ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ماہرین ارضیات کا خیال ہے کہ تمام بڑے بڑے پہاڑ مثلاً مونٹ ایورسٹ بھی اسی پروسس سے گزرے ہیں۔ یہ تبدیلیاں اب بھی جاری ہیں اور ایک ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ مونٹ ایورسٹ دنیا کے نقشہ سے ہی غائب ہو جائے اور نئے پہاڑ معرض وجود میں آ جائیں۔ ہماری زمین کبھی پانیوں کے نیچے تھی اور عین ممکن ہے یہ دوبارہ پانیوں کے نیچے چلی جائے۔ زمین کی سطح ہر وقت فعال (active) اور متحرک رہتی ہے، یہ مسلسل تباہ ہو رہی ہے اور نئی بھی پیدا ہو رہی ہے۔ ایک پلیٹ سے مراد زمین کا بالائی خول یا کرسٹ کا ایک حصہ ہے، جو ہزاروں میل تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ چنانچہ ساختمانی ارضیات کا مظہر قشر ارض (earth's crust) یا سطح زمین کا معمار ہے۔ پلیٹوں کے درمیان باہمی کشش (Interactions) پرانے زمینی قطعات (terrain) کو تباہ کر دیتی ہے، پہاڑوں کو بلند کرتی ہے یعنی ان کی تخلیق کرتی ہے اور نئی قشر (کرسٹ) پیدا کرتی ہے۔ اب قارئین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

زمین کے مرکز یا قلب میں بہت زیادہ حرارت موجود ہے (درجہ حرارت 6400 سے 7000 درجہ کیلون)۔ ان پلیٹوں کو متحرک کرنے یا متحرک رکھنے کے لیے

توانائی کی ضرورت ہے، جو اسے زمین کے اندرونی حصے سے مل جاتی ہے۔ یہ حرارتی لہریں مینٹل (زمین کی درمیانی تہ) کے گرم مادہ میں سے اوپر اٹھتی ہیں اور کرسٹ کی نچلی ٹھنڈی سطح سے ٹکرا کر اُفقی طور پر پھیلتی ہیں اور اپنے ساتھ زمین کی بالائی سطح کے بڑے بڑے حصوں (پلیٹوں) کو رگڑ کی وجہ سے اپنے ساتھ گھسیٹتی ہیں جن کی رفتار چند سنٹی میٹر فی سال ہوتی ہے جب کہ دوسرے ٹھنڈے حصے بیٹھ جاتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں آخر میں ٹھنڈا پڑ جانے والا میگما غرق (sink) ہو جاتا ہے۔ اسی طریق کار سے بلند و بالا کوہسار پیدا ہوئے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مونٹ ایورسٹ بھی اسی طریق کار (Process) سے بنا تھا۔ ساختمانی ارضیات کی بدولت تمام زلزلے بھی آتے ہیں جو ان پلیٹوں کی حدود (boundries) پر رونما ہوتے ہیں۔ آتش فشانی بھی اسی وجہ سے ہے اور اسی ساختمانی ارضیات کی بدولت براعظم ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے اور بعض کے درمیان تو وسیع و عریض سمندر (بحر) نمودار ہو گئے جن کے بارے میں مزید بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ چنانچہ زمین کی بالائی سطح اگر ایک مقام پر ختم ہو رہی ہے تو دوسرے مقام پر پیدا بھی ہو رہی ہے۔ سمندروں کی تہوں میں کم اونچائی والے پہاڑوں کے پیٹرن یا چٹانوں کا سلسلہ جنہیں وسط بحری پشتے (Mid Ocean Ridges) کہتے ہیں، اسی طریق کار (Process) سے معرض وجود میں آتے ہیں۔ انگریزی میں اُبھری ہوئی زمین کو رِج (ridge) کہا جاتا ہے۔

براعظموں کا بہاؤ (شفٹ یا سرک Drift)

براعظموں کی سرک (Drift) بھی ساختمانی ارضیات کی وجہ سے ہے۔ ایک مقبول نظریہ کے مطابق یہ سرک یا شفٹ میگما (زمین کے آتشی مادے) کی حملی رووں (convection currents) کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں میگما کی روئیں زمین کے مینٹل (درمیانی حصے) میں سے گذرتی ہیں اور جب ان کا واسطہ کرسٹ کی ٹھنڈی اور سخت و جامد چٹانوں سے پڑتا ہے تو وہ اُفقی سمتوں میں بہنا شروع کر دیتی ہیں اور ساتھ ہی رگڑ (friction) کی وجہ سے براعظموں والی پلیٹیں بھی کھینچی یا گھسیٹی جاتی ہیں۔ آخر میں ٹھنڈا ہونے والا میگما نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ جیالوجی کی زبان میں یہ غرق (sink) ہو جاتا

ہے۔ اس کی قابل بیان شہادت وہ متحجرات (fossils) ہیں جو جنوبی امریکہ اور جنوبی افریقہ کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ اگر آپ دنیا کا نقشہ دیکھیں اور ان ساحلی علاقوں کو دونوں براعظموں کے بہت ہی قریب لے آئیں تو وہ ایک دوسرے میں فٹ ہو جائیں گے۔ چونکہ زمین کی کرسٹ فعال رہتی ہے لہٰذا اس کے خدوخال آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے جاتے ہیں یا بالفاظ دیگر پرانی کرسٹ کے تمام ریکارڈ ختم ہو گئے ہیں اگر موجود ہیں تو وہ صرف کینیڈین شیلڈ، جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا کے کچھ حصے ہیں اور یہ صرف 3.9 بلین سال پرانے ہیں۔ اس عرصہ سے پہلے زمین میں ہونے والی تبدیلیوں کا کوئی علم نہیں اور نہ شاید آئندہ ہو سکے گا۔ چنانچہ آج سے 250 ملین سال پہلے خشکی کے تمام بڑے بڑے ٹکڑے یا حصے (sections) ملے ہوئے تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک ہی براعظم میں ملے ہوئے تھے اور اس ارض قدیم یا زمین اول کو انگریزی میں پین جی (Pangaea) کہتے ہیں۔ 220 ملین سال پہلے مینٹل کی حملی رووں (لہروں) نے "پین جی" کو دو حصوں میں توڑ دیا یعنی زمین کے دو حصے ہو گئے اور ساتھ ہی ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ دور بھی ہوتے گئے اور پھر آنے والے وقتوں میں اس زمینی مادے (land masses) کے مزید ٹکڑے ہو گئے اور موجودہ شکل و صورت (دنیا کے موجودہ نقشہ) میں تبدیل ہو گئے اور ساختمانی نظریہ کے تحت ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اگر یہ سرک یا ڈریفٹ سال میں ایک انچ ہو تو 200 ملین سالوں میں یہ 3000 میل ہو گی اور اس کے نتیجہ میں جنوبی امریکہ اور جنوبی افریقہ کے درمیان 3000 ہزار میل چوڑا سمندر بحر اوقیانوس (بحر ظلمات) پیدا ہو گیا جسے انگریزی میں Atlantic Ocean کہتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے آج بھی یہ پلیٹیں مینٹل میں حرارت کی لہروں کی وجہ سے سرکتی ہیں، نئے سمندر بنانے کے لیے ٹوٹتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور زمین کی کرسٹ کو پہاڑوں میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ چونکہ مینٹل کا مادہ نرم ہے اس لیے یہ پلیٹیں ایک دوسری کی مخالف سمت میں پھسلتی ہیں جن سے زلزلے پیدا ہوتے ہیں۔ براعظموں کی ٹکڑوں میں تقسیم کی پہلی نشانی ایک طویل، مستقیم اور گہری نشیب

(depression) ہوتی ہے۔ افریقہ (ارضیاتی وقت یا جیولا جیکل پیرڈ کے مطابق) حال ہی میں عرب (Arabia) سے علیحدہ ہوا ہے اور اب ان کے درمیان بحیرۂ احمر (Red Sea) ہے، اس کے برعکس افریقہ کے شمالی ساحل اور امریکہ کے مشرقی ساحل کے آپس میں تصادم (اندازاً 250 ملین سال پہلے) نے کرسٹ کو ایپالاچیئن (Appalachian) پہاڑوں کی صورت میں تہ (Fold) کر دیا۔ لہٰذا یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ساختمانی ارضیات کا پروسیس "فولڈنگ" کے ذریعے زمین کی کرسٹ کو پہاڑوں میں تبدیل کر دیتا ہے جیسا کہ ہندوستان کے جنوبی ایشیا کے تصادم سے کوہ ہمالیہ معرض وجود میں آیا، بلکہ اس پہاڑ کی تعمیر (بلڈنگ) اب بھی جاری ہے۔ چنانچہ زمین کی کرسٹ یا قشر ارض میں تبدیلیاں بڑے بڑے ارضیاتی عملیات کو جنم دیتی ہیں۔ آج دنیا کے نقشے کے خدوخال گذشتہ 65 ملین سال سے ہونے والی تبدیلیوں کے نتیجہ میں ہیں لہٰذا خالق کائنات کا یہ عمل ایک عظیم الشان حکمت کا حامل ہے۔

اب آپ دوبارہ سورۃ الغاشیہ کی انیسویں آیت کا مطالعہ فرمایئے جس میں انسان سے کہا گیا ہے کہ وہ پہاڑوں کو دیکھے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ آپ نے مطالعہ فرمایا کہ پہاڑوں کی تخلیق میں اللہ جل شانہ، کی کتنی پر اسرار حکمت پوشیدہ ہے جس کا علم سائنس دانوں کو بیسویں صدی میں ہوا۔ ساختمانی ارضیات کا نظریہ بھی جو پہاڑوں کی تخلیق، زلزلوں کی پیدائش، آتش فشاں پہاڑوں کی نمود اور براعظمی شفٹ جیسے مظاہر کی سائنسی توضیح کرتا ہے، ابھی کامل نظریہ نہیں ہے بلکہ تکمیل کے راستے پر گامزن ہے اور عین ممکن ہے کل کلاں کو اسی نظریہ کی مزید مربوط اور واضح صورت ہمارے سامنے آجائے یا سائنسی تحقیق کے نتیجہ میں ایسے شواہد سامنے آجائیں کہ اسے بالکل ہی رد کر دیا جائے۔ بہرحال اس نظریہ سے اللہ تعالیٰ کی ایک اور آیت کی صداقت واضح ہو رہی ہے جو سورۃ البقرہ 2 کی آیت 106 میں ہے، ارشاد ہوا:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ

ترجمہ: جب ہم کائنات کے بعض مناظر مٹا دیتے ہیں تو ان سے بہتر یا ویسے اور

پیدا کر دیتے ہیں۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے (قدرت رکھتا ہے)؟

دوسرا ترجمہ: ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر بھیج دیتے ہیں کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

(سورۃ البقرہ 2، آیت 106، 107)

مزید اس آیہ کریمہ کے معنی ارضیاتی تبدیلیوں کے علاوہ امتوں کے عروج و زوال کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ بعض مفسرین قرآن اس آیت میں "آیۃ" کے معنی قرآنی آیت لیتے ہیں جب کہ میری حقیر دانست کے مطابق اس کے معنی کائنات میں تبدیلیاں ہیں، جیسا کہ اس کی ایک مثال قشر ارض میں تبدیلیاں ہیں جن کے نتیجہ میں بعض مقامات (نشانیاں) نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ انہی کی طرح یا ان سے بہتر اور مقامات (نشانیاں) پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر اس کے یہ معنی نہ ہوتے تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اسی سورۃ کی آیت نمبر 107 میں آسمانوں اور زمین کی بات نہ کرتے جیسا کہ اس آیت کے ترجمہ سے واضح ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

ترجمہ: کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت (سلطنت) اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

(سورۃ البقرہ، آیت 107)

اب آپ سورۃ الغاشیہ کی بیسویں آیت کا دوبارہ مطالعہ فرمائیے جس کے معنی ہیں "اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟"

زمین[1] کس طرح بچھائی گئی؟

ارسطو (384 یا 322 ق۔م) اور بطلیموس (40 بعد از مسیح) سے اور پندرہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک زمین کی تخلیق کے بارے میں مختلف اوقات میں

---

[1] زمین کے کرّے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں 1- قشر ارض یا کرسٹ (بالائی خول): اس کی موٹائی 22 میل (35 کلومیٹر) ہے۔ دنیا کے تمام براعظم اور سمندر اسی بالائی خول پر ہیں۔
2- مینٹل (Mantle) اس کی موٹائی 1800 میل (2880 کلومیٹر) ہے
3- مرکز یا قلب (Core): اس کی موٹائی 2170 میل (3470 کلومیٹر) ہے۔

کے بعد دیگرے کئی نظریات قائم ہوئے اور ردّ بھی کیے گئے۔ چنانچہ پرانے تمام نظریات کا اعادہ کرنے کے بجائے جو کتاب کی طوالت کا باعث ہوں گے، وہی نظریہ پیش کیا جائے گا جو جدید ہے۔ زمین کی تخلیق کا تعلق نظام شمسی کی تخلیق سے ہے۔ نظام شمسی کیا ہے؟ اس نظام میں سورج (ستارہ) ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے اردگرد نو سیارے (Planets) محو گردش ہیں جن میں ایک ہماری زمین بھی ہے۔ نو ستاروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں: عطارد (Mercury)، زہرہ (Venus)، زمین (Earth)، مریخ (Mars)، مشتری (Jupiter)، زحل (Saturn)، یورے نس (Uranusi) یا سکینہ، نیچون (Neptune) اور پلوٹو (Pluto) ہیں۔

ان کے علاوہ نو سیاروں کے 35 قمر یا چاند (Moons) ہیں، ہزاروں سیارچے (Planetoids)، لاکھوں شہاب (Meteors) اور کئی دم دار ستارے (Comets) موجود ہیں جو سورج کے گرد گھومتے ہیں گویا ان سب اجرام فلکی (heavenly bodies) کو اگر ایک خاندان کے افراد مان لیں تو سورج اس خاندان کا سربراہ یا رکن اعلیٰ ہوگا اور یہ سب اپنے اپنے مداروں میں گھوم رہے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو چودہ سو سال پہلے ہی واضح کر دیا تھا جیسا کہ سورۃ الانبیاء 21 کی آیت 33 میں ارشاد ہوا:

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝٣٣

ترجمہ: وہ تمام (اجرام فلکی) ہر ایک (ایک) دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

(سورۃ الانبیاء 21، آیت 33)

دائرہ سے مراد یہاں مدار (Orbit) ہے۔ سورج ایک ستارہ (Star) اور زمین ایک سیارہ (Planet) ہے۔

ستاروں اور سیاروں میں فرق

ستاروں اور سیاروں میں بہت فرق ہے۔ ستارے نہایت ہی گرم اجسام یا کرّے ہیں اور ان سے ہر وقت مسلسل روشنی اور حرارت خارج ہوتی رہتی ہے لیکن اس کے برعکس سیارہ ایک ایسا ثانوی جسم ہے جو کسی ستارے یا آفتاب کے گرد چکر کاٹتا ہے۔

سیارے کی ساخت اور بناوٹ میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے مثلاً سورج گیسی جسم ہے اور بعض سیارے جامد اور ٹھوس ہوتے ہیں جیسا کہ ہماری زمین ہے۔ سیارہ سورج سے روشنی حاصل کر کے اسے منعکس کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ روشن نظر آتا ہے۔ پھر جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سیارے مختلف بیضوی مداروں میں سفر کرتے ہیں مگر ستارہ ایک جگہ جامد اور ساکن نظر آتا ہے، مگر وہ مدار کی بجائے اپنے ہی محور کے گرد چکر لگاتا ہے یعنی ستارے کی گردش محوری ہوتی ہے جب کہ سیارے کی مداری۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ یہ ستارے یا سیارے آپس میں ٹکراتے کیوں نہیں؟ ان ستاروں اور سیاروں کے درمیان عظیم فاصلے ہیں لہٰذا تصادم کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور یہ بھی اللہ جل شانہٗ کا بنایا ہوا ایک قانون ہے جیسا کہ سورۃ یٰسین 36 کی آیت 40 میں ارشاد ہوا:

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

ترجمہ: نہ سورج کے اختیار میں ہے کہ چاند کو جالے اور نہ ہی رات دن سے آگے نکل جانے والی ہے۔ سب اپنے اپنے گھیرے (دائرے) میں چل رہے ہیں۔

دوسرا ترجمہ: نہ سورج کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات (کی مجال) کہ دن سے پہلے آ سکے۔ (سورۃ یٰسین 36 آیت 40)

اب اس پس منظر کے ساتھ ہم زمین کی تخلیق کے جدید نظریے کو زیر بحث لاتے ہیں۔

زمین کی تخلیق کا جدید نظریہ

علم فلکیات کی رُو سے جدید نظریہ یہ ہے کہ ستارے خلا میں موجود گرد و غبار اور گیس کے گردشی بادلوں کی تجاذبی قوت کے ذریعے سکڑنے سے وجود میں آتے ہیں۔ بعض حالات میں ایسا بھی ممکن ہے کہ کوئی عظیم نوتارا (supernova) یا روشن ترین عظیم ستارا کے پھٹنے کے نتیجہ میں جو گرد و غبار اور گیس پیدا ہوئی ہو اس نے یہ دباؤ ڈالا ہو جس سے گردشی بادل کے سکڑنے کا عمل شروع ہو گیا ہو (چونکہ بھاری بھرکم اور روشن ترین ستارے اپنی توانائی کو چند ملین سالوں میں ہی صرف کر کے فنا ہو جاتے ہیں اور

دھماکے کے ساتھ فنا ہوتے ہیں اور اس دھماکے کے نتیجہ میں بھی گرد و غبار اور گیس کے بادل دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں جن سے نئے ستارے وجود میں آتے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور غالباً ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گا لیکن طریق کار (process) لاکھوں سالوں پر محیط ہوتا ہے۔ جب ستارے سکڑنے والے بادل سے وجود میں آجاتے ہیں تو ان کے گرد گیس اور غبار کا ایک حلقہ (cocoon) رہ جاتا ہے اور بادل کی گردش اس گرد و غبار اور گیس کو ایک گردشی قرص (spinnig disk) میں تبدیل کر دیتی ہے جو اپنے پروٹو سٹار (Protostar) کے گرد گھومتی ہے۔ جب پروٹو ستارے کا مرکز گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور وہ اتنا گرم ہو جاتا ہے کہ مرکزائی تعاملات (nuclear reactions) شروع ہو جاتے ہیں اور ستارے کی بالائی سطح بھی فوراً ہی گرم ہو جاتی ہے تو یہ مزید درخشاں و تاباں ہو جاتا ہے اور پھر یہ بھی گیس اور گرد و غبار کے کوکون (Cocoon) کو دور خلا میں پھینک دیتا ہے۔ چنانچہ جدید نظریے کے مطابق یہ بھی مفروضہ ہی ہے کہ سیارے (جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے) اسی گردشی گیس اور گرد و غبار کی قرص سے معرض وجود میں آئے ہیں (یعنی وہی گرد و غبار کا بادل جو پروٹو سٹار کے گرد گھوم رہا تھا، موجودہ صورت میں پروٹو سٹار پروٹو سورج تھا)۔

اگر یہ نظریہ سچ ہے تو کسی ستارے کی پیدائش کے ساتھ سیارے (Planets) ضمنی پیداوار (by-product) کے طور پر بنتے ہیں اور قیاس ہے کہ زیادہ تر ستاروں کے اپنے اپنے سیاراتی نظام (planetary systems) ضرور ہوں گے لیکن بدقسمتی سے ہم اپنے نظریے کی شہادت کے لیے سورج کے علاوہ دوسرے ستاروں کے سیاراتی نظام کو نہیں دیکھ سکتے یعنی ہبل خلائی دوربین کے ذریعے بھی ممکن نہیں حالانکہ یہ خلا میں معلق ہے مگر نزدیک ترین ستاروں کی چمک کی وجہ سے یہ انہیں نہیں دیکھ سکتی۔ تاہم مشاہداتی شہادت یہ تجویز کرتی ہے کہ زمین کے نزدیک ترین ستاروں کے اپنے سیاراتی نظام ہیں۔

ہماری کہکشاں 10 بلین ($10x10^9$) سال یعنی دس ارب سال پہلے معرضِ وجود میں آئی تھی اور اسی وقت سے ستارے بن رہے ہیں اور ایک مدت تک درخشاں رہنے کے بعد فنا ہو جاتے ہیں۔ اس بحث سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ہماری زمین اسی گرد و غبار

کے بادل کو جسے ہیئت دان شمسی نیبولہ (Solar Nebula) کہتے ہیں، سے معرض وجود میں آئی جس سے پہلے سورج بن گیا تھا یعنی اس نظریے کے مطابق جب ہمارا نوجوان سورج اتنا روشن ہو گیا کہ اس نے عقبیہ گیس اور گرد و غبار کے وجود کو دُور خلا میں بھیج دیا جو خلا میں تجاذبی قوتوں کے زیر اثر گردش کرتے ہوئے موجودہ سیاروں کی شکل میں تبدیل ہو گیا جن میں سے ایک سیارہ ہماری زمین ہے۔ چنانچہ ہماری زمین کا ارتقاء ایک بہت بڑے بادل سے ہوا جو گیس اور گرد و غبار پر مشتمل تھا (گیس اور گرد و غبار سے بنا ہوا بادل نیبولہ (Nebula) کہلاتا ہے) اور اسے سحابیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ نظریہ بہت ساری تجرباتی شہادتوں کے بعد معرض وجود میں آیا[1] مزید تفصیل کے لیے مصنف کی کتاب ''کائنات اور اس کا انجام'' کا مطالعہ فرمائیے۔

جیسے جیسے ہمارے مشاہداتی علم میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے، ہمارے فہم و ادراک میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ زمین کے بچھانے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کارفرما ہے، جس کا انسان کو جدید علوم کی روشنی میں ہی فہم و ادراک ہوا ہے۔ چنانچہ اس طرح کی معلومات جو قرآن حکیم ہمیں مہیا کرتا ہے، ہمارے ایمان کو پختہ کرتی ہیں چونکہ مذہب اسلام خود ابہام کو رد کرتا ہے اور ویسے بھی قرآن اور اسلام دونوں ہمیں ماورائی، مافوق الفطرت اور دیومالائی داستانوں اور باتوں پر بغیر سوچے سمجھے اور اپنی عقل کا استعمال کیے بغیر ماننے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ مشاہدہ کی آنکھ کھلی رکھنے کی تلقین کرتا ہے اور اٹکل پچو باتوں کو اپنانے سے منع کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن حکیم کبھی بھی یہ نہ کہتا کہ ''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اونٹ کیسے پیدا کیا گیا؟ آسمان کیسے بلند ہوا؟ پہاڑ کیسے نصب کئے گئے؟ زمین کیسے بچھائی گئی؟ اسی لیے غالباً علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ ''اسلام کا ظہور درحقیقت

---

[1] کیا یہ نظریہ مسئلہ تخلیق ارض فیصلہ کن ہے۔ یہ فیصلہ تو سائنس دان بھی نہیں کر سکتے، لیکن یہ نظریہ قرآن حکیم کی سورۃ حم السجدہ 41 کی آیت 11 کے مطابق ہے۔ ارشاد ہوا: ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ○

ترجمہ: پھر وہ متوجہ ہوا آسمانوں کی طرف جو تھا دھوئیں جیسا۔ اس آیت سے تو ظاہر ہوا کہ یہ نظریہ درست ہے کہ دھوئیں جیسی شکل کے ایک گھومتے ہوئے بادل یعنی سحابیے (Nebula) سے زمین اور دیگر اراکین خاندان شمسی پیدا ہوئے ہیں جن کے مجموعے اور طریق کار کو ہم نظام شمسی کہتے ہیں۔

عقل استقرائی یعنی سائنس کا ظہور ہے۔" چنانچہ اسلام کی بنیاد ہی علم (سائنس) ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی بھولنا نہیں چاہیے کہ قرآن حکیم میں بیان کردہ ایسے حقائق اپنی صداقت کے لیے سائنس کے محتاج نہیں اور نہ ہی یہ ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ایمان کی ترغیب دیتے ہیں یا یہ کہ چونکہ سورج، چاند اور ستاروں سے ہمیں فوائد حاصل ہوتے ہیں لہٰذا ہم ان کی پرستش شروع کر دیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ سورۃ البقرہ کی شروع کی آیات میں بہت وضاحت سے فرما دیا گیا ہے کہ قرآن حکیم کا مقصد **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ**: یعنی پرہیز گاروں (متقیوں) کے واسطے ہدایت ہے۔ متقی وہ ہے جس میں تقویٰ ہو۔ تقویٰ کی تشریح میں حضرت ابی بن کعبؓ کا یہ واقعہ قابل غور ہے:

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اگر کسی جنگل میں گزرو جو کانٹوں اور جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہو تو کیا کرو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میں اپنے کپڑوں کو سمیٹ لوں گا کہ دامن کانٹوں سے نہ اُلجھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بس یہی تقویٰ ہے۔"

قرآن حکیم میں متقیوں کی مندرجہ ذیل صفات بیان کی گئی ہیں:

1- ایمان بالغیب: **اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ** (جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں)۔
2- نماز کی پابندی: **وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** (اور نماز قائم کرتے ہیں)۔
3- مالی قربانی: **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** (اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔
4- کتابوں پر ایمان: **وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ** (اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا)۔
5- قیامت پر ایمان: **وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ** (اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں)۔

سورۃ البقرہ، آیت (2 تا 4)

چنانچہ قرآن حکیم نے ان لوگوں کی رہنمائی کا وعدہ فرمایا ہے جو مندرجہ بالا

کوائف پر پورا اترتے ہیں یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں، مالی قربانی دیتے ہیں، الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں عقیدہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں پیغمبران خدا کی تعلیم و تبلیغ کے واقعات بھی بڑی وضاحت و بلاغت سے بیان کیے گئے ہیں اور ان واقعات کی خاص بات یہ ہے کہ ان پیغمبران خدا کا واسطہ ہمیشہ ایسے لوگوں سے پڑا جو بڑی قوت و سطوت کے مالک تھے مثلاً قوت و سلطنت میں فرعون، دولت میں قارون یا وہ لوگ جو فن صناعی میں کمال رکھتے تھے بلکہ دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، مثلاً اہل ثمود یا تجارت میں مثلاً مدین کے لوگ وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ وہ سب لوگ کیسے تباہ و برباد ہوئے باوجود یہ کہ ان کے پاس بڑے مالی وسائل تھے۔ یہ محض اس وجہ سے ہوا کہ ان سب نے پیغمبروں کی اور ان کے آفاقی پیغام کی تکذیب اور نافرمانی کی۔ تمام پیغمبروں کا پیغام ایک ہی تھا۔ وہ کیا تھا؟ یہی کہ وہ غیب پر ایمان لائیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر اور اس کے پوشیدہ نظام پر۔ چنانچہ ہماری نجات دنیا اور آخرت میں محض مادی اشیا یا قوت حاصل کر لینے میں نہیں ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں کاوش اور جستجو کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی قوت کو ایک امانت کے طور پر بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے استعمال کریں اور اللہ کے اس مقصد کو پورا کریں جس کے تحت اس نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ قرآن حکیم ہمیں تنبیہ کرتا ہے کہ ہم مادی وسائل پر دارومدار نہ رکھیں جو کسی بھی وقت ہمارے کام نہیں آئیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو اور جس کا مظاہرہ جنگ حنین (مکہ کے قریب طائف کے راستہ میں وادی) میں ہو چکا ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ (غالباً 12 ہزار) اور دشمن کی چند ہزار تھی۔ اس کے باوجود جنگ کے ابتدائی حصے میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور سامان کی کمی بیشی کام نہ آئی۔ سورۃ توبہ 9 کی آیت 25 ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہوا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ

مُّدۡبِرِیۡنَ

ترجمہ: اللہ نے تمہاری بہت سارے میدانوں میں مدد کی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے (خوش تھے) پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر ہٹ گئے (پھر گئے)۔

چنانچہ مسلمانوں کو ایک ایسی زندگی گزارنی چاہیے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری میں ہو اور ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم سے بھی استفادہ کریں، دنیا کے قدرتی وسائل کو بروئے کار لائیں یا اپنے اپنے ملکوں کے قدرتی وسائل بروئے کار لائیں اور بنی نوع انسان کی خدمت کریں تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہماری نجات ہو اور اس کی بنیاد صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان و یقین میں ہے۔ ایک ایسا ایمان یا عقیدہ جس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی دی جا سکتی ہے، جنہوں نے پہلے خود کو قربان کرنے کی کوشش کی (آگ میں ڈالے گئے) اور پھر اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے۔ ایسی قربانی صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے تھی اور اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس قربانی کو حج کے موقع پر لازمی قرار دے دیا اور ہم یعنی مسلمان قیامت تک اس سنت ابراہیمی کو جاری رکھیں گے اور تمام مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اس کی اتباع کریں۔ چنانچہ اللہ رب العزت کو دونوں عظیم بندوں کی اطاعت و فرماں برداری کے یہ انداز اس درجہ پسند آئے کہ رہتی دنیا تک اس سنت کی یادگاریں قائم کر دیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ (مرنے کے بعد زندگی)

توحید اور عقیدہ آخرت دو ایسی حقیقتیں ہیں جن پر مذہب اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والا شخص کبھی بے راہرو نہیں ہو سکتا اور مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین رکھنے والا اپنے اعمال پر ہمیشہ کڑی نظر رکھتا ہے اور برائی سے پوری طرح احتیاط اور پرہیز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں تو قیامت اور مرنے کے بعد زندگی پر ہر مومن کو کلی یقین ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان و یقین کے باوجود حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کر دیا کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ مُردوں کو کیسے دوبارہ زندہ کرے گا؟ تو اس سوال پر اللہ تعالیٰ نے آپؑ سے پوچھا کہ تم اس پر اعتقاد نہیں رکھتے جس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''میں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ میں اپنے دل کو مطمعن کر لوں۔'' سورۃ البقرہ 2 کی آیت 260 میں ارشاد ہوا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے کہا میرے رب! مجھے دکھا دے تو کس طرح مُردہ کو زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا: کیوں نہیں (بلکہ چاہتا ہوں) کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے۔

دوسرا ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب مجھے دکھلا دے کہ تو مُردے کیسے زندے کرے گا؟ فرمایا: کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے، البتہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کے بعد دل کو اور زیادہ اطمینان حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ وہ چار پرندے لائیں اور چاروں کو اپنے ساتھ ہلائیں تاکہ پہچان رہے۔ پھر انہیں ذبح کر کے گوشت کو ملا جلا کر دیں اور پھر وہ گوشت مختلف پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا کر کے رکھ دیں اور درمیان میں کھڑے ہو کر ان کا نام لے لے کر بلائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ جب انہوں نے ایک پرندے کا نام لے کر پکارا تو اس پرندے کے جسم کے ٹکڑے تمام پہاڑوں سے اکٹھے ہو کر آپس میں ملے اور زندہ پرندے کی شکل بن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ اسی طرح چاروں پرندے زندہ ہو کر ان کے پاس آ گئے۔ اس سبق سے بعض نہایت پر حکمت باتیں نکلتی ہیں، جنہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

1- اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو جو مشاہدے ہوئے ہیں، ان سے ان کے ایمان اور یقین میں ترقی ہوئی ہے۔

2- جس قسم کا سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا، اس قسم کے سوالات محض بے اعتقادی سے ہی پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کی تہ میں نیکی اور تحقیق کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔

3- ایمان کے بڑھنے سے اطمینانِ قلب پیدا ہوتا ہے۔

سائنسی تحقیق

یہ تمام سائنسی تحقیق اور کاوشیں اور خدائے حاضر و ناظر کی یہ پھیلی ہوئی کائنات اسی قسم کے اطمینان کی طرف انسان کی رہنمائی کرتی ہیں بشرطیکہ انسان کے دل میں ایمان کی حرارت موجود ہو، وگرنہ تو یہ سب سائنسی کاوشیں محض ذہنی جمناسٹک کی مشقیں ہی ہو جائیں گی اور ہو سکتا ہے کہ ہم مادیت (Materialism) کی دنیا میں گم ہو کر گمراہ ہو جائیں اور کفر اختیار کر لیں۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ تمام قرآنی آیات جو سائنسی مظاہر سے متعلق ہیں یا فطرت میں رُونما ہونے والے مظاہر سے متعلق ہیں، جہاں وہ ختم ہوتی ہیں وہاں پر انسان کو ایک واضح نصیحت بھی کر جاتی ہیں کہ ہم صرف ایک ہی نادیدہ قوت یا غیب پر ایمان رکھیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات پر ایمان اور یقین کامل رکھیں۔

غور و فکر

پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن میں وہ تمام الفاظ جس کے معنی "غور و فکر" کے ہیں، ان کی تعداد تقریباً 600 (562) ہے۔ یہ سب الفاظ قدرتی مظاہر کے مشاہدے سے متعلق ہیں۔ ان حوالہ جات کے علاوہ "نماز" قائم کرنے کے بارے میں 700 حوالے ہیں یعنی اپنی زندگیوں کو منظم کرنے کے لیے ایمان بالغیب ایک بنیاد اولیٰ یا شرط اولیٰ ہے۔ اس باب میں چند بار غیب کا ذکر ہوا ہے۔

غیب کیا ہے؟

غیب سے مراد وہ عالم ہے جو اس ظاہری دنیا سے بلند ہے اور جس کی خبریں صرف نبی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، فرشتے (ملائکہ)، دوزخ و جنت، قیامت، حساب کتاب وغیرہ پر ایمان لائے بغیر ایمان بالغیب کامل نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ ایسی چیزوں پر بن دیکھے ایمان لائیں جن کا وجود ظاہری حواس سے بلند ہو۔ ایک سائنسی دوربین یا خوردبین ایسی چیز کو دیکھ سکتی ہے جو کھلی آنکھوں سے نظر نہ آئے مگر ایسے سائنسی آلات اس غیب کو نہیں دیکھ سکتے جو ظاہری حواس سے بلند ہو۔ یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھیں کہ ان آنکھوں سے ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے، جیسا کہ سورۃ الانعام 6 کی آیت 103 میں ارشاد ہوا ہے[1]:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: انسان کی یہ مخصوص آنکھیں جو اس وقت تمہارے پاس ہیں خدا کو نہیں پا سکتیں اور وہی ہے جو ان آنکھوں کی درک لگا سکتا ہے (کہ ان میں کیا ہے؟) اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔

دوسرا ترجمہ: نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں (جو اس وقت انسان کے پاس ہیں) اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال پر دھیان جما کے اس کا تصور تو کر سکتا ہے لیکن اس کی یہ آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ وہ ان آنکھوں کی ساخت، بناوٹ اور اس کی قوت سے اچھی طرح واقف ہے کیونکہ اس کی صفت خبیر ہے۔ انسان کی موجودہ آنکھ تو ہوا وغیرہ کو بھی نہیں دیکھ سکتی پھر اس کی ذات باصفات تو اصل معنی میں پورے طور پر لطیف ہے، البتہ کائنات میں پھیلی ہوئی خدا کی ان گنت نشانیوں سے انسان اس کا ادراک کر سکتا ہے۔

(یہ حقیقت بالغہ ہے کہ) آسمان و زمین کی تخلیق اور لیل و نہار کے اختلاف میں اہل فکر و دانش کے لیے (معرفت الٰہی کے) نشان پائے راہ ہیں)۔

---

[1] سورۃ البلد 90 کی آیت 7 اور 8 بھی دیکھیے۔

آیاتِ الٰہی میں غور و فکر

زمین و آسمان اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی دوسری اشیاء میں غور و فکر کرنا اسی صورت میں مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے جب اس کے نتیجہ میں انسان خدا کی یاد اور آخرت کی طرف متوجہ ہو۔ جو لوگ ان چیزوں میں غور و فکر کر کے مادہ پرستی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں انہیں دنیا خواہ کتنا ہی عالم سمجھے، قرآن کی زبان میں وہ "اولی الالباب" (دانش مند) نہیں کہلا سکتے۔ دانش مند اور اہل بصیرت کون ہیں؟ سورۃ ال عمران 3 کی آیت 191,190 میں ان کے طرز عمل کے بارے میں ارشاد ہوا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور دن رات کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔ تو پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

دوسرا ترجمہ: (اور یہ اہل فکر و دانش وہ ہیں) جو ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں خواہ وہ قیام میں ہوں (خواہ) قعود میں ہوں خواہ پہلو بہ پہلو (کروٹ کروٹ لیٹے) ہوں اور تخلیقات سماوی و ارضی میں غور و فکر کرتے ہیں (صدق دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار (تیری تخلیقی عظمتوں پر ہم قربان جائیں) یہ (کارخانہ ہستی) تو نے بے کار (بے مقصد) پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے ہمیں نارِ دوزخ سے بچا لیجیو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی نشانیوں سے زمین و آسمان کا کونہ کونہ معمور ہے۔ نظام کائنات کا مشاہدہ کرنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے مگر بہت سارے لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔ اس

ضمن میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: اور آسمان اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ منہ موڑ کر گزر جاتے ہیں۔ (ان کی حقیقت وصفت اور ان کے صانع کی طرف توجہ نہیں دیتے)۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 105)

ملت اسلامیہ اور قرآنِ حکیم

اس وقت ملت اسلامیہ کا یہ حال ہے کہ اس نے قرآن حکیم سے ناطہ توڑ رکھا ہے اور اس سے رہنمائی حاصل کرنا چھوڑ دی ہے۔ پچھلی صدی یعنی بیسویں صدی سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی کہلاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ تمام صدیوں کے مقابلے میں بیسویں صدی میں نئی نئی اختراعات و ایجادات ہوئیں یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت پیش رفت ہوئی لیکن جہاں تک نئی ایجادات و اختراعات کا تعلق ہے مسلمانوں کی خدمات صفر ہیں، حالانکہ دنیا کے نقشہ پر اسلامی ممالک کی تعداد 55 ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام ممالک کو نہایت اہم قدرتی وسائل سے مالا مال کر رکھا ہے لیکن اس وقت پوری اسلامی دنیا کی مجموعی پیداواری قوت 1200 بلین امریکی ڈالر ہے جب کہ صرف فرانس کی 1500، جرمنی کی 2400 اور جاپان کی 5000 بلین امریکی ڈالر ہے (ایک بلین ایک ارب کے برابر ہے)۔

اسلامی دنیا کے پاس دنیا کی تقریباً ایک چوتھائی آبادی کے علاوہ 70 فی صد پٹرول اور وافر مقدار میں معدنی دولت موجود ہے لیکن ان سب قدرتی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے جس سائنسی فکر، منصوبہ بندی اور انسانی وسائل کی تربیت کا طریقہ کار وضع کرنے کی ضرورت ہے، وہ موجود نہیں ہے۔ اگر ہم اس بنیاد کو استوار کر لیں تو ہمارے مستقبل میں بھی وہ راہیں کھل سکتی ہیں جو ہمیں مسلم سائنس دانوں کے علم کی درخشاں راہیں آٹھویں تا تیرھویں صدی تک نظر آتی ہیں۔ اس وقت ساری ملت اسلامیہ

گذشتہ سات سو سالوں سے خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی ہے اور گذشتہ سات سو برس کی مسلسل بے عملی، عاقبت نا اندیشی، وقت کی رفتار اور اس سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے نہ سمجھنے اور اس کے ساتھ نہ چلنے کی روش اور ہم عصر دنیا میں بدلتے ہوئے معاشرتی ڈھانچوں کی نئی بنیادوں سے چشم پوشی کے رویے نے ہمیں کہاں لا کھڑا کیا ہے؟ یہ کہ ہم کاسہ گدائی لے کر غیروں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

؎ اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم
تا کجا در حجرہ باشی مقیم

علامہ اقبال نے مسلمانوں کو جو دعوت دی تھی کہ اس قرآن عظیم کے ذریعے عالمگیر انقلاب برپا کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں، میرے نزدیک یہ انقلاب عظیم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل ایمان اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت اور پیش رفت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ سائنس اور غیر سائنسی علوم و فنون میں مہارت ہی ہمیں اس مادی دنیا میں زندہ رہنے کا حق دلا سکتی ہے۔ اگر ہم ذہنی لحاظ سے پس ماندہ رہے تو اس دنیا میں ہمیں عزت کے ساتھ کوئی جینے نہیں دے گا، آج سے تقریباً 90 سال (1912ء) پہلے علامہ اقبال نے پیش گوئی کی تھی:

؎ آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!

مگر ابھی تک 90 سال گزرنے کے بعد علامہ کی تعبیر سامنے نہیں آئی اور اگر مسلمانوں میں یہی عاقبت نا اندیشی کی صورت حال رہی تو شاید آئندہ بھی صدیوں تک وہیں کھڑے ہوں جہاں آج ہیں، لیکن میں پر اُمید ہوں کہ وہ زمانہ دوبارہ لوٹ آئے گا۔

ایک زمانے میں مسلم ممالک دنیا بھر میں اعلیٰ تعلیم کے پیش رو شمار ہوتے تھے پوری دنیا کو ریاضی، طب، فلسفہ اور فلکیات جیسے علوم سے روشناس کرانے میں اسلامی ممالک کا ہاتھ ہی رہا ہے اور جب یہ ممالک علوم و فنون کے میدان میں سب سے آگے تھے تو اس وقت دنیا کی قیادت بھی انہیں کرنا حاصل تھی مگر آج اس ارفع مقام پر مغربی دنیا فائز ہے۔

تعلیم کے شعبے کو ہر مہذب معاشرے میں بڑی تقدیس حاصل ہے مگر بد قسمتی سے ہمارے ہاں ذہنوں کا بھی استحصال شروع ہو گیا ہے۔ یہی امر تعلیم کے شعبے میں ہماری پسماندگی کا بھی باعث ہے اور پاکستان سمیت پوری اسلامی دنیا کا فرض ہے کہ اپنے تابناک ماضی کی روایات کو اپنا کر جدید علوم کے میدان میں آگے بڑھنے کی بھرپور کوشش کریں۔ بالخصوص ہمارے اربابِ تعلیم کو مختلف فنون اور پیشوں کی اعلیٰ تعلیم کے معیار کی بہتری پر خصوصی توجہ دینا چاہیے۔

بیسویں صدی میں مسلمانوں کی ایجادات صفر ہیں مگر یورپی اقوام نے بے شمار ایجادات و اختراعات کی ہیں۔ ان سب کا ذکر کتاب کی طوالت کا باعث ہو گا البتہ صفحہ 71 پر ملاحظہ فرمائیے چند Original ایجادات کا گوشوارہ جنہوں نے یورپ و امریکہ کی سائنسی و صنعتی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

؎ جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

امام کعبہ کا خطبہء حج

امام کعبہ عبدالعزیز بن عبداللہ الشیخ نے حج کے موقع پر 15 مارچ 2000ء کو مسجد نمرہ میں اپنے خطبہ حج میں جو کچھ فرمایا تھا، ان کی تقریر کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''دین اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد ہر مسلمان کا ایک فریضہ ہے۔
ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی تربیت اسلام کی بتائی ہوئی روشنی میں کریں۔
ہمارا فرض ہے کہ ہم دین کا علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ جو نئی ٹیکنالوجی اور مادی

علوم ہیں، ان سے بھی صرف نظر نہ کریں بلکہ اپنے دین کے دائرے میں رہتے ہوئے جدید علوم کے حصول کی طرف اپنی توجہ مرکوز کریں۔ آج جو اُمت کے زوال کے سبب ہیں اگر ان پر غور کیا جائے تو جہاں ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی تعلیم سے دور ہو گئے ہیں، روح دین کی کمی ان میں واقع ہوگئی ہے، وہاں پر ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ جدید علوم اور وہ دنیاوی علوم و مادی ترقی کے ذرائع سے بھی صرف نظر کرنا اور ان سے پیچھے رہ جانا، یہ بھی ان کے زوال کا باعث ہے۔ لہٰذا امت کے اہل نظر سے میری اپیل ہے کہ اے علماء اسلام! اے امت کے سکالرز اور علماء! اللہ سے ڈرتے رہو اور امت کی تربیت اور امت کو علم کے پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ علماء اسلام آج اسی بات کے پابند ہیں اور جتنا آج ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے، اتنا پہلے کبھی نہ تھا کہ وہ علم کے ابلاغ کے لیے پورا جتن کریں۔ اس وقت کے سائنس دان اور سکالرز اپنی پوری توانائیاں امت کی تربیت اور ان کو تعلیمی زیور سے آراستہ کرنے کے لیے صرف کریں۔“

علامہ اقبال کی ایک رباعی قارئین کی خدمت میں حاضر ہے، جو امام کعبہ کی تقریر کی بخوبی ترجمانی کرتی ہے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
تیرے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

(ارمغانِ حجاز)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بیسویں صدی کی اہم ترین ایجادات

(بیسویں صدی میں کارزار حیات میں انسانی دماغ کی جستجو کی ایک قابل تحسین کامیابی کا مختصر گوشوارہ)

سال	ایجاد	موجد	ملک
1904	ٹریکٹر	ہالٹ	امریکہ
1907	ویکیوم کلیز	اسپنگلر	امریکہ
1913	ایکسرے ٹیوب	کولج	امریکہ
1914	ملٹری ٹینک	Swinton	امریکہ
1916	کونٹیکٹ لینس	Tuohy	امریکہ
1917	الیکٹرک ریزر	Schick	امریکہ
1924	لاؤڈ اسپیکر	Rice/Kellogg	امریکہ
1928	کلر ٹی وی	Baird	اسکاٹ لینڈ
1930	اسکاچ ٹیپ	Drew	امریکہ
1931	الیکٹرونک مائیکرواسکوپ	Knoll/Ruska	جرمنی
1938	فوٹو کاپیئر	Carlson	امریکہ
1939	ہیلی کاپٹر	Sikorsky	امریکہ
1940	راڈار	واٹسن واٹ	اسکاٹ لینڈ
1942	الیکٹرونک کمپیوٹر	Atana Soff/Berry	امریکہ
1947	مائیکروویو اوون	اسپنسر	امریکہ
1947	ٹرانزسٹر	شوکلے/براٹائن	امریکہ
1959	کیسٹ/ویڈیو ٹیپ	سونی	جاپان
1970	فلاپی	ڈاکٹر ناکامانس	امریکہ
1971	مائیکرو پروسیسر	انٹیل کارپوریشن	امریکہ
1972	ویڈیو ڈسک	کلپس کمپنی	ہالینڈ
1972	سی ڈی	RCA	امریکہ
1973	سی ٹی اسکین	Hounsfield	انگلستان
1973	مائیکرو کمپیوٹر	Truong	فرانس
1978	گن سائلنسر	میکسم ایچ پی	امریکہ
1979	سی ڈی پلیئر	سونی/فلپس کمپنی	جاپان
1982	مصنوعی دل	Jarvik	امریکہ
1987	کمپیوٹر لیپ ٹاپ	Sinclair	انگلستان

دوسرا باب:

زمین پر زندگی کا حیرت انگیز توازن

خالق جب اپنی تخلیق کا بیان فرماتا ہے تو اس کا انداز بیان ہی منفرد ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہی منفرد اور دل نشیں اسلوب ہی تو ہے جو اس کے کلام الٰہی ہونے کا ایک بین ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں بھی جاہ و جلال، ترتیب، حسن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، خاص طور پر آسمانوں میں جو خالق عظیم کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کے بہت احسانات ہیں۔ اس کے رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کو چٹائی کی مانند بچھادیا، جس کے اوپر پہاڑ قائم کر دیئے جو وزن کا کام دیتے ہیں تاکہ زمین توازن میں رہے اور ہر چیز جو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیدا کی ہے اس میں ایک توازن موجود ہے جس کے لیے انگریزی کے الفاظ due balance and measure استعمال کر سکتے ہیں۔ توازن کی ایک مثال یہ ہے کہ عالم معدنیات یا جمادات (mineral kingdom) عالم نباتات (vegetable kingdom) کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے یعنی اس کی کفالت (support) کرتی ہے اور عالم نباتات، عالم حیوانات (animal kingdom) کی کفالت کرتی ہے۔ ان تینوں کا آپس میں ایک ناطہ ہے، تینوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اور اس طرح ان میں ایک توازن قائم رہتا ہے۔ جو چیز ضرورت سے زیادہ ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے اور انگریزی کا یہ محاورہ (Excess of everything is bad) (حد سے زیادہ چیز بری ہوتی ہے) کا اصول کائنات میں کارفرما ہے یعنی پوری کائنات پر لاگو ہے اور ایک چیز کا ضائع ہو جانا، دوسرے کے لیے خوراک بن جاتا ہے۔ تنزل (de-gradation) اور ایک دوسرے پر انحصار کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ آیئے اب سورۃ الحجر 15 کی آیت 19 کا مطالعہ فرمایئے آیت مذکورہ صفحہ 50 پر بھی دی گئی ہے، ارشاد ہوا:

وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ

ترجمہ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیئے اس پر بوجھ (پہاڑ) اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی گئی۔

ارشاد ہے کہ اول تو زمین کی وسعت ہی حیرت انگیز ہے۔ اس کو چاروں طرف دُور دُور تک پھیلا دینا ہی کوئی آسان کام نہیں، پھر اس کی ہموار سطح چونکہ نرم مٹی کی ہے اس لیے اس میں پائیداری نہیں۔ اس کے ٹھہراو اور مضبوطی کے لیے اونچے اونچے پہاڑ کھڑے کر دیئے تاکہ ان کی سختی اور بوجھ زمین کو ڈگمگانے سے روکے (یعنی ایک توازن قائم کر دیا ہے) پھر زمین سے طرح طرح کی چیزیں اللہ پیدا کرتا ہے اور ان میں سے بہت سی چیزیں تمہیں زندگی کی ضروریات بہم پہنچاتی ہیں اور بہت سی جاندار چیزیں چوپائے وغیرہ ایسے ہیں جن کا رزق تمہارے اوپر موقوف نہیں، وہ اپنی زندگی الگ بسر کرتی ہیں اور تم ان میں سے اکثر سے فائدہ اٹھاتے ہو۔

زمین بنی نوع انسان اور تمام جانداروں کا ایک عارضی ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عظیم نے ہر شے کو ایک منصوبے کے تحت بنایا ہے اور یہ سب چیزیں خود بخود وجود میں نہیں آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری زمین کو نظام شمسی میں اس انداز سے بچھایا ہے کہ سورج کا فاصلہ زمین سے عین اندازے کے مطابق رکھا تاکہ سورج کا یہ فاصلہ ایک مناسب حرارت بہم پہنچاتا رہے۔ ہوا کا غلاف، پانی کی بہتات اور ماحولیات (Ecology) یعنی مٹی، حرارت، معدنیات و نباتات کی موجودگی جانداروں کی بخوبی نشوونما کرتی ہے اور ہر چیز میں توازن موجود ہے۔

موسموں کے تغیر و تبدیل میں توازن

پہلی بار اس آیت کریمہ کو پڑھنے سے اس میں دیئے گئے ایک عظیم سائنسی پیغام کو سمجھنا مشکل ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ زمین کائنات میں کسی حادثے کا نتیجہ نہیں۔ زمین کی ساخت میں بھی خدائی عجائبات کا ایک سلسلہ موجود ہے، مثلاً اس کے

محور (Axis) کی مثال لیجئے جو کہ ایک عجوبہ ہے۔ ہماری زمین اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے اور یہ سورج کے گرد بھی چکر لگاتی ہے اور سورج کے ساتھ نظام شمسی کے دیگر اراکین کی طرح یہ فضا میں بھی حرکت کر رہی ہے۔ زمین کی پہلی دونوں حرکات ہی زمین پر رہنے والوں کے لیے اہمیت رکھتی ہیں چونکہ زمین اپنے محور کے گرد 24 گھنٹے میں ایک چکر مکمل کرتی ہے، اس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہماری زمین کا ایک حصہ (نصف کرہ) سورج کے سامنے ہو تو ہمارے ہاں دن ہوتا ہے، لیکن جب ہماری طرف کا یہ حصہ سورج سے پرے دوسری سمت میں ہو تو ہمارے ہاں رات ہوتی ہے۔ جب زمین سورج کے گرد ایک پورا چکر کاٹ لیتی ہے تو ہمارے ہاں ایک سال کا عرصہ بیت جاتا ہے۔ سورج کے گرد زمین کی اس مداری حرکت سے موسم بدلتے ہیں۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ کیوں موسم گرما کے بعد خزاں، خزاں کے بعد سرما، سرما کے بعد بہار اور بہار کے بعد پھر گرما کا موسم آتا ہے، ہمیں زمین کے متعلق ایک اور بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ زمین اس لٹو کی مانند گردش نہیں کر رہی جس کا محور فرش پر عموداً ہو بلکہ یہ اس لٹو کی طرح گھومتی ہے جس کا محور فرش پر ایک طرف کو تھوڑا سا جھکا ہوا ہو۔ زمین کے محور کا یہ جھکاؤ 23.5 درجے کا ہے (یا زمین کا فرضی محور سورج سے 66.5 درجے پر جھکا ہوا ہے) یاد رہے کہ زمین کے محور سے مراد وہ فرضی خط ہے جو قطب شمالی کو زمین کے مرکز میں سے ہوتا ہوا قطب جنوبی سے ملاتا ہے۔ محور زمین ہمیشہ قطبی ستارے کی طرف جھکا رہتا ہے اور زمین کے محور کے جھکاؤ کے باعث ہی موسم پیدا ہوتے ہیں۔

22 دسمبر کو محور زمین کا شمالی قطب سورج سے پرے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کے جنوبی کرے کا (جو خط استوا کے نیچے ہے) زیادہ حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے۔ دسمبر سے مارچ تک زمین کا جنوبی نصف کرہ اس کے شمالی نصف کرے کی نسبت سورج کی روشنی زیادہ حاصل کرتا ہے۔ اسی وجہ سے جنوبی نصف کرے میں اس دوران موسم گرما اور شمالی نصف کرے میں موسم سرما ہوتا ہے۔ 22 جون سے 22 ستمبر تک شمالی نصف کرے کا جھکاؤ سورج کی طرف ہوتا ہے اس لیے سورج کی روشنی اس پر زیادہ پڑتی ہے، اس دوران شمالی نصف کرے میں موسم گرما اور جنوبی نصف کرے میں موسم سرما ہوتا

ہے۔ 21 مارچ اور 22 ستمبر کو شمالی اور جنوبی دونوں قطبین زمین سے یکساں فاصلے پر ہوتے ہیں اس لیے ان تاریخوں پر زمین کے ہر حصے میں سورج کی روشنی برابر پڑتی ہے، چنانچہ ان ہر دو تاریخوں پر دن اور رات برابر ہوتے ہیں اور موسم معتدل ہوتا ہے۔ 22 ستمبر سے خزاں اور 21 مارچ سے بہار کا موسم شروع ہوتا ہے۔ چونکہ موسم گرما میں قطب شمالی سورج کی طرف جھکا ہوتا ہے اس لیے سورج کی روشنی یہاں زیادہ پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے شمالی نصف کرے میں دن اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں جب کہ اس دوران میں جنوبی نصف کرے میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں۔ اسی طرح 22 دسمبر کو دونوں نصف کروں میں موسم 22 جون کے بالکل الٹ ہوتا ہے۔ اس آیت سے سورۃ یٰسین 36 کی آیت 40 کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ "نہ سورج کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات کی مجال کہ دن سے پہلے آ سکے۔"

اگر زمین کا محور اس کے مدار کے ساتھ ساتھ عموداً ہوتا تو موسموں کا تغیر و تبدل بالکل نہ ہوتا یعنی اگر زمین کا محور اس کے مدار پر ترچھا نہ ہوتا تو سورج کے گرد گردش کے دوران دونوں نصف کرے ہمیشہ کے لیے برابر برابر سورج کے سامنے رہتے اور دونوں نصف کروں میں ایک جیسے موسم رہتے اور ان میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ اگر زمین کے محور کا جھکاؤ 25 درجہ ہوتا تو قطبین کی برف پوش چوٹیاں محض چند صدیوں میں پگھل جاتیں اور ہمارے سمندروں میں برف کے سیلاب آ جاتے۔ اس کے برعکس اگر زمین کا محور 22 درجے پر جھکا ہوتا تو بحر منجمد شمالی (Arctic Ocean) یا قطب شمالی کی برف سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور زندگی صرف خط استوا کے طبقات کے اوپر ہی ممکن ہوتی اور یہی بات قادر مطلق نے انسان کو بتائی ہے کہ زمین کو اس حساب سے بچھایا گیا ہے یعنی اس کی پوزیشن خلا اور پھر محور کے جھکاؤ کے لحاظ سے ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے رکھی گئی ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح ڈیزائن کیا ہے۔ زمین، جیسا کہ آپ نے ابھی مطالعہ فرمایا ہے، 24 گھنٹوں میں اپنے محور کے گرد ایک چکر پورا کرتی ہے۔ زمین کے بچھانے اور ترتیب دینے کا تعلق محور پر اس کی 24 گھنٹوں کی گردش سے بہت زیادہ ہے۔ اگر ہماری زمین ایک گردش 30 گھنٹوں میں پوری

کرتی تو زمین پر شدید قسم کی آندھیاں آتیں اور یہ زندہ چیزوں کے لیے ایک طوفان زدہ صحرا کے مانند ہوتی۔ اس کے برعکس اگر زمین اپنی گردشِ محوری ہر 20 گھنٹوں میں مکمل کرلیتی تو زیادہ تر درخت اور پودے اپنی حیاتیاتی سرگرمی (biological activity) کبھی بھی مکمل نہ کرپاتے اور خشک سالی کا شکار ہو جاتے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کا پہلا حصہ جس میں زمین کے بچھانے اور ترتیب دینے کا تعلق ہے، وہ درحقیقت اس کے محور (Axis) سے متعلق ہے۔ چنانچہ زمین کا اپنے محور پر 23.5° پر جھکاؤ زمین پر رہنے والوں کے لیے خوشگوار اثرات کا حامل ہے اور یہ ایک ایسا عجوبہ (wonder) ہے کہ بڑے سے بڑا ریاضی دان یا ماہر طبیعیات اور (نہ ہی کوئی فلسفی) زمین پر ہونے والے تمام واقعات کا پہلے سے یا پیشگی اندازہ (حساب کتاب) کر سکتا بلکہ ان کے دائرہ اختیار میں ہی نہیں خواہ یہ تمام سائنسدان اور ماہرین ارضیات و جغرافیہ کوئی سپر کمپیوٹر کو استعمال میں لاتے، تب بھی یہ باتیں ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتیں۔ اگر یہ بات محض اتفاق پر چھوڑ دی جاتی تو پھر شاید زمین کو اپنا محور 23.5° درجے پر جھکانے میں لاکھوں آزمائشوں سے گزرنا پڑتا جس سے زمین کا توازن بگڑ جاتا۔ زمین کا توازن تو ایک طرف ساری کائنات کے توازن کی حیران کن مثالیں موجود ہیں اور ریاضی اور طبیعیات کے ماہرین کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ زمین کا محوری جھکاؤ زمین پر موسموں کے تغیر و تبدل میں ایک توازن رکھے ہوئے ہے۔

قرآن حکیم کی سورۃ القصص کی آیت 71 تا 73 میں کائنات میں توازن کی عمدہ مثالیں دی گئی ہیں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اے رسول ﷺ کہہ دیجئے (بھلا یہ تو بتاؤ) اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے روز قیامت تک طویل شب طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون معبود ہے جو تمہیں روشنی مہیا کر دے؟ کیا تم (حقائق حیات کی تفسیر) سنتے نہیں ہو؟ کہہ دیجئے بتلاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رہنے والا دن برپا کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات لانے پر قدرت رکھتا ہو تاکہ تم اس میں سکون و آسائش پاؤ۔ کیا تم (چشم بصیرت سے) دیکھتے نہیں؟ اور اس کی رحمت کے کتنے نمایاں آثار ہیں کہ اس مدبر لیل و نہار نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں آرام پاؤ اور دن میں اپنے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو (تدبیر معیشت کرو) تاکہ تم شکران نعمت کرو۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن حکیم میں توازن (Measure) اور ترتیب (Order) کی کئی حیرت انگیز مثالیں دی ہیں۔ اب پانی کی مثال لیجئے، یہاں کیسا توازن موجود ہے؟ آپ نے مطالعہ فرمایا کہ زمین پر موسموں کا دور (cycle) چلتا رہتا ہے۔ اسی طرح زمین پر پانی کا دور بھی چلتا رہتا ہے، جسے آبی چکر (Hydrological Cycle) یا واٹر سائیکل (Water Cycle) کہتے ہیں۔ پانی کا تعلق بارش سے ہے، قرآن حکیم میں بارش کا ذکر کوئی بیس دفعہ آیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت پر غور فرمایئے:

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے پانی ایک خاص اندازے اور مقدار سے نازل کیا اور اسے زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس پانی کے لیے جانے پر (بخارات یا بھاپ میں تبدیل کرنے پر) بھی قادر ہیں۔

دوسرا ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں سے پانی اتارا ایک اندازے کے ساتھ، پھر اس کو ہم نے زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم اس کو لے جانے پر (بھی) قادر ہیں۔

(سورۃ المومنون 23 آیت 18)

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ

ترجمہ: (اس کی ذات بابرکات) وہی ہے جس نے بلندیوں سے (آسمان سے) پانی اندازے سے نازل کیا۔
(سورۃ الزخرف 43، آیت 11)

مندرجہ بالا دونوں آیات کریمہ میں جو لفظ ہماری زیادہ غور و فکر چاہتا ہے وہ ہے "قدر" جس کے معنی "اندازہ" کے ہیں یعنی پورا پورا حساب کر کے پانی کو زمین پر برسایا جاتا ہے نہ اتنا زیادہ کہ سیلاب آ جائیں اور یہ درختوں، فصلوں کے علاوہ مالی اور جانی نقصان کا باعث بنے اور نہ اتنا کم کہ زمین بنجر ہو جائے، ہر طرف خاک اڑتی پھرے اور لوگ پیاس سے نڈھال ہو جائیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے زمین پر پانی کا ایک دور یا چکر قائم کر رکھا ہے جو آبی توازن کا باعث ہے۔

آبی چکر (water cycle)

زمین پر آبی چکر بارش، عمل تبخیر اور سریان بخارات (پودوں کی سطح سے پانی کے اخراج کو سریان بخارات Transpiration کہتے ہیں) کی مدد سے چلتا رہتا ہے۔ زمین، سمندروں، جھیلوں، ندی نالوں غرضیکہ ہر سطح سے پانی سورج کی توانائی کی وجہ سے ہر وقت عمل تبخیر کے ذریعے بخارات میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ پودوں اور درختوں کی سطح (یعنی پتوں وغیرہ کی سطح) سے بھی بہت سا پانی سریان بخارات کے ذریعے اُڑ کر فضا میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ تمام پانی اوپر جا کر ٹھنڈک کی وجہ سے بادلوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جب بادل مزید پانی کے قطرے نہیں سہار سکتے، بارش ہونے لگتی ہے۔ بارش کی صورت میں گرنے والا کچھ پانی زمین میں جذب ہو کر زیر زمین پانی میں شامل ہو جاتا ہے، کچھ پانی پودے اور درخت (سبزہ وغیرہ) اپنی ضروریات کے لیے جذب کر لیتے ہیں اور باقی پانی ندی نالوں کی صورت میں بہتا ہوا دوبارہ سمندر میں جا گرتا ہے۔ اس تمام عرصے کے دوران تبخیر کا عمل بھی جاری رہتا ہے اور پانی بخارات کی صورت میں دوبارہ فضا میں شامل ہوتا رہتا ہے۔

پانی کے تناسب کا انحصار وہاں پر موجود نباتات کی اقسام، بارش کی مقدار اور

مٹی کی قسم پر ہوتا ہے۔ اگر بارش تیز بوچھاڑ کی صورت میں ہو تو بہت سا پانی جذب ہونے کی بجائے بہہ جاتا ہے، جبکہ آہستہ آہستہ بارش ہونے کی صورت میں زیادہ پانی جذب ہو جاتا ہے۔ جہاں مٹی ریتلی ہو پانی بہت جلد جذب ہو کر نچلی تہوں میں چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس چکنی مٹی والے علاقوں میں پانی بہت دیر تک مٹی میں محفوظ رہتا ہے مگر ریتلے علاقوں میں بارش ہونے کے باوجود پودوں کو زیادہ عرصہ تک پانی نہیں ملتا۔ چنانچہ پانی کی تبخیر اور اس کے زمین پر مصرف کے مابین ایک توازن قائم رہتا ہے جو ازل سے جاری ہے اور جب تک زمین پر پانی موجود ہے اور سورج کی تمازت برقرار ہے تو یہ آبی چکر چلتا رہے گا اور زمین پر پانی بقدر حساب نازل ہوتا رہے گا، جیسا کہ گذشتہ آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے۔

علم جغرافیہ کی رو سے بارش کے طریق کار (Process) کو آبی چکر کہا جاتا ہے۔ جب قرآن حکیم نازل ہوا تو اس چکر کے بارے میں کوئی زیادہ سوجھ بوجھ نہ تھی لیکن آج صدیوں کے مشاہدات و مطالعہ کے بعد اس مظہر کا علم ہوا ہے اگرچہ 1400 سال پہلے اس کا علم تو نہ تھا لیکن بارش کے بارے میں قرآن حکیم نے جو تصویر کشی کی ہے، وہ ہمارے علم سے بالکل ہم آہنگ ہے، مثلاً سورۃ الروم 30 کی آیت 48 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اللہ وہ ہے جو ہوائیں چلاتا ہے پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں پھر اس کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے جس طرح چاہے اور اس کو تہ بہ تہ رکھتا ہے پھر تو مینہ کو دیکھے کہ اس کے بیچ سے نکلتا ہے پھر جب وہ اس کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، پہنچاتا ہے تبھی وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔

دوسرا ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو خوشگوار ہوائیں بھجتا ہے جو سحاب در آغوش ہوتی ہیں پھر وہ ان بادلوں کو جس طرح چاہے پھیلا دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو اس میں سے پانی کی بوندیں ٹپکتی ہوئی دیکھتا ہے۔ پھر وہ باران رحمت اپنے

بندوں میں سے جنہیں چاہے پہنچا دیتا ہے اور ان کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہوا کی قوتِ حرکت اُفقی بھی ہے اور عموداً بھی جس سے وہ بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہے۔ اس سے ایک بات واضح ہوئی کہ ہوا اور بادلوں کا گہرا تعلق ہے یعنی بادلوں کی تخلیق میں ہوا کا عمل دخل ہے۔ چنانچہ فضائی آبی بخارات عمودی ہوائی رووٗں سے اوپر آسمان کی طرف اٹھتے ہیں اور پھر ہوا انہیں بڑے پیمانے پر افقی طور پر (آسمان میں) پھیلا دیتی ہے اور بڑے پیمانے پر ایک ہیجان (turbulence) بھی۔ تھوڑے ہی وقت میں بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور پھر بارش کی صورت میں یا دوسری صورتوں میں (مثلاً اولوں کی صورت میں) زمین پر برس پڑتے ہیں۔ چنانچہ زمین سے پانی آسمان کی طرف گیا پھر بارش کے ذریعے واپس زمین پر آ گیا اور اس طرح یہ دور یا چکر مکمل ہو گیا۔

حالیہ اعداد و شمار کے مطابق زمین یا خشک زمین کی جسامت سمندر کی جسامت سے بہت کم ہے۔ زمین کا کل رقبہ 200 ملین مربع میل ہے اور اس میں سے 141 ملین مربع میل کا رقبہ پانی کے نیچے ہے، یعنی خشک رقبہ 29.2 فی صد اور پانی کا رقبہ 70.8 فی صد ہے۔ روزانہ کے حساب سے 3.5 ملی میٹر پانی سطح زمین سے بخارات کی صورت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور یہ پانی بادلوں کی صورت میں آسمان میں محفوظ ہو جاتا ہے اور یہاں پانی کی مقدار 25 ملی میٹر بارش کے تقریباً مساوی ہو جاتی ہے اور یہ بادلوں کی صورت میں دس دن تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ (بادلوں کی صورت میں) 10 دن کا پانی کا ذخیرہ زمین پر 25 ملی میٹر بارش کے مساوی ہوتا ہے اور سال بھر میں زمین کی سطح پر بارش کی مقدار 914 ملی میٹر تک ہو سکتی ہے اور زمین پر بارش کی تقسیم بھی مساوی نہیں ہے۔ بعض جگہوں، علاقوں پر بہت زیادہ بارش ہوتی ہے بعض علاقوں میں بہت ہی کم۔ مثال کے طور پر سال بھر میں سب سے زیادہ بارش ہندوستانی شہر چراپونجی (Charapoongi) میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے جنوبی (ساحلی) علاقوں میں بہت زیادہ بارش ہوتی ہے۔ بارش کا تعلق بھی کسی علاقے کے جغرافیائی ماحول سے ہے مثلاً بعض ہموار علاقوں میں بڑے بادل چھائے رہتے ہیں، لیکن اگر اس علاقے میں بادلوں کو تھامنے کے لیے اونچے

پہاڑ نہیں تو بارش نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر یہ بادل گرم ہوا سے ملیں گے تو ختم ہو جائیں گے اور بارش نہیں ہو گی۔ اسی طرح پہاڑی علاقوں میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ مزید بر آں بارش کے قطرے کا سائز 5 تا 6 ملی میٹر تک ہوتا ہے لیکن اگر بادل تہ در تہ ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں سورہ روم کی آیت 48 میں بتایا گیا ہے، تب یہ قطرے اونچے (بادل کے) طبقے سے نیچے گرتے ہوئے دوسرے قطروں سے مل کر جسامت میں بڑے ہو جاتے ہیں لیکن راستے میں عموماً ٹوٹ جاتے ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے قطرے ہو جاتے ہیں۔ اگر بارش بڑے علاقہ میں ہو تو پھر یہ زور کی بارش نہیں ہوتی اور اگر چھوٹے علاقہ پر برسے تو بڑے زور کی بارش ہوتی ہے اور اس کی مدت عموماً 30 منٹ تک ہوتی ہے، خاص طور پر اگر ایسی بارش کے ساتھ کڑک (thunderstorm) بھی ہو۔ چنانچہ اس محدود وقفے میں بارش کے قطروں کی جسامت 2 تا 5 ملی میٹر ہوتی ہے۔ یہ باتیں میں نے قارئین کی مزید معلومات کے لیے درج کر دی ہیں۔ بات ہو رہی تھی بارش کے پانی کی کہ آسمان اور زمین کے مابین پانی کا ایک توازن قائم رہتا ہے۔ علامہ اقبالؔ نے کیا خوب فرمایا ہے:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ ساز گار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھائی ہے خوئے انقلاب؟

(بالِ جبریل)

اب ہم زمین پر توازن کی چند مزید مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

نائٹروجن کا چکر (Nitrogen Cycle)

فضا یا ہوائی کرّہ کو ہم نہیں دیکھ سکتے لیکن اس میں چند گیسیں ایسی ہیں جو کاروانِ حیات کے لیے ضروری ہیں یا جن کے لیے زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ ان گیسوں میں نائٹروجن 79 فی صد اور آکسیجن 20.9 فی صد اور کاربن ڈائی آکسائیڈ 0.03 فی صد کے

قریب ہیں اور آبی بخارات کی مقدار بدلتی رہتی ہے۔ فضا میں نائٹروجن کا تناسب بہت زیادہ ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ بظاہر تو اس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ نہ تو براہ راست خوراک بنانے کے کام آتی ہے اور نہ ہی سانس لینے کے لیے، لیکن درحقیقت نائٹروجن بھی جانداروں کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائڈ (جن کا ذکر آگے آئے گا)۔ ہر جاندار میں پروٹین کی موجودگی لازمی ہے، جبکہ نائٹروجن پروٹین کا اہم جزو ہے اس لیے فضا کی نائٹروجن بھی بہت اہم ہے کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں جاندار اپنی پروٹین نہیں بنا سکتے۔ پودوں کی خوراک کا بھی لازمی حصہ ہے جو کہ پودوں کو کھاد کی صورت میں مہیا کی جاتی ہے۔ انسان براہ راست تو فضا سے نائٹروجن حاصل نہیں کر سکتا، البتہ وہ پودوں سے (خوراک کے ذریعے) اور جانوروں سے حاصل کرتا ہے اور سانس لینے میں بھی اس کا عمل دخل اس طرح ہے کہ یہ آکسیجن کو پتلا رکھتی ہے جو سانس لینے کے لیے اشد ضروری ہے۔ نائٹروجن فضا میں نمی (humidity) کا تناسب بھی برقرار رکھتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ فضا میں نمی کا توازن برقرار رکھتی ہے۔ نمی کے تناسب ہی سے عمل تبخیر اور اخراج بخارات (سریان بخارات) کی رفتار کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اگر فضا میں خشکی زیادہ ہو یعنی بخارات کی مقدار بہت کم ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسے علاقے میں عمل تبخیر اور سریان بخارات کی رفتار بھی تیز ہو جائے گی، کیونکہ فضا میں آبی بخارات کو سمو لینے کی گنجائش زیادہ ہے۔ اس کے برعکس اگر فضا مرطوب ہو یعنی نمی کا تناسب بہت زیادہ ہو تو پھر یہ دونوں عمل بھی سست پڑ جاتے ہیں۔ اگر کسی علاقے میں تبخیر اور سریان بخارات کے ذریعے خارج ہونے والے پانی کی مقدار بارش کے ذریعے حاصل ہونے والے پانی سے بڑھ جائے تو ایسے علاقے کو خشک علاقہ کہا جائے گا اور اس کا موسم بھی خشک موسم کہلائے گا۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں نائٹروجن تمام جانداروں اور پودوں کا اہم جزو ہے اور اسی لیے یہ ان کی نشوونما کے لیے بہت ضروری ہے۔ جانور ہوا سے نائٹروجن کو براہ راست حاصل نہیں کر سکتے اس لیے وہ نائٹروجن کو پودوں سے، جو ان کی خوراک ہے، حاصل کرتے ہیں۔ پودے زمین کے نائٹریٹس (nitrates) سے نائٹروجن کو حاصل کرتے

ہیں۔ پودے جو اپنی نشو و نما کے لیے نائٹروجن مرکبات استعمال کرتے ہیں، وہ سورج کی موجودگی میں پروٹین (proteins) میں تبدیل ہو جاتے ہیں اس طرح پودے، جانور اور معدنی ذخائر کے درمیان ایک واسطہ بن جاتے ہیں۔ جب جانور مر جاتے ہیں تو ان کے جسموں پر دو طرح کے بیکٹیریا حملہ کرتے ہیں۔

(الف) شورزاء جرثومے (Nitrifying Bacteria): جو نامیاتی نائٹروجنی مادہ کو پہلے امونیا (NH_3) میں تبدیل کرتے ہیں اور پھر اسے نائٹرائیٹس (nitrites) اور نائٹریٹس (nitrates) میں تبدیل کر دیتے ہیں اور اس طرح یہ مرکبات دوبارہ زمین میں پہنچ کر پودوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔

(ب) ڈی نائٹریفائنگ بیکٹیریا (Denitrifying bacteria): یہ خاص قسم کے جرثومے ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جرثومے نائٹروجنی نامیاتی مادہ سے نائٹروجن کو آزاد کر دیتے ہیں جو دوبارہ ہوا میں واپس چلی جاتی ہے۔ ہوا کی نائٹروجن زمین میں مندرجہ ذیل طریقوں سے لوٹ جاتی ہے۔

(الف) برقی شرارے کے ذریعے: جب آسمان پر بجلی چمکتی اور کڑکتی ہے تو ہوا میں موجود نائٹروجن اور آکسیجن کے کیمیائی اتحاد سے نائٹرک آکسائڈ (NO) پیدا ہوتا ہے جو مزید آکسیجن کے ساتھ مل کر نائٹروجن ڈائی آکسائڈ (NO_2) بنادیتا ہے۔ یہ گیس بارش کے پانی میں حل ہو کر نائٹرک ترشہ یا نائٹرک ایسڈ (HNO_3) بنادیتی ہے۔ جب یہ بارش کا پانی زمین پر گرتا ہے تو مٹی میں موجود الکلیوں (Alkalites) اور کیلیم وغیرہ کے ساتھ مل کر نائٹریٹس (NO_3) بنادیتا ہے جو پودے حاصل کر لیتے ہیں (یہ پودوں کی خوراک ہے)۔

(ب) ہم زیست جرثوموں (Symbiotic bacteria) کے ذریعے: یہ بیکٹیریا پھلی دار پودوں کی جڑوں پر (مثلاً چنے، مٹر اور لوبیا وغیرہ کی جڑوں پر) ہم زیست کے اصول پر نشو و نما پاتے ہیں۔ یہ کرۂ ہوائی (فضا) کی نائٹروجن کو ایسے مرکبات میں تبدیل کر دیتے ہیں جو پودوں کی غذا ہیں۔ اس طرح قدرت میں نائٹروجن کا یہ چکر متواتر چلتا رہتا ہے اور کرہ ہوا میں نائٹروجن کی اوسط مقدار برقرار رہتی ہے یا توازن برقرار رہتا ہے، اگرچہ اس کا بہت سا حصہ مختلف مرکبات کے بنانے میں کام آتا ہے۔ جانوروں کی موت کے بعد ان کے

جسموں کے گلنے سڑنے سے بیکٹیریا کے ذریعے پھر یہ مرکبات نائٹروجن میں تبدیل ہو کر دوبارہ ہوا میں پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح نائٹروجن کا یہ دلچسپ مگر حیران قدرتی کن چکر چلتا رہتا ہے یعنی زمین پر نائٹروجن کا توازن برقرار رہتا ہے۔

کاربن ڈائی آکسائڈ کا چکر (Carbon Dioxide Cycle)

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ زمین پر تمام پودوں کے پتے سبز رنگ کے ہوتے ہیں (ماسوائے ایک پودے کے جس کے پتے سرخ ہوتے ہیں اور یہ پاکستان میں پایا جاتا ہے۔ یہ سبز رنگ جو پتوں میں پایا جاتا ہے اسے کلوروفل (Chlorophyll) کہتے ہیں۔ یہ کلوروفل سورج کی روشنی سے توانائی جذب کر کے کرہ ہوا کی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس اور پانی کو ضیائی تالیف (Photosynthesis) کے ذریعہ کاربوہائیڈریٹ (شکر) اور آکسیجن میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ آکسیجن زمین پر تمام جاندار سانس لینے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور پھر کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرتے ہیں۔ سانس کے ذریعہ جو ہوا خارج ہوتی ہے وہ اسی کاربن ڈائی آکسائڈ کی وجہ سے بدبودار ہوتی ہے۔ یہ کاربن ڈائی آکسائڈ دنیا میں موجود کارخانوں کی چمنیوں سے، ایندھن کے جلنے سے، گاڑیوں کے (exhaust) سے بھی نکلتی ہے۔ یہ کاربن ڈائی آکسائڈ گیس دوبارہ درختوں کے سبز پتوں کے ذریعے، جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، آکسیجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن کا یہ چکر چلتا رہتا ہے اور توازن قائم رہتا ہے۔ چنانچہ پودے نہ صرف خوراک مہیا کرتے ہیں بلکہ ضیائی تالیف کے ذریعے آکسیجن بھی خارج ہوتی ہے، اور یہی آکسیجن تمام جانداروں کے لیے سانس لینے میں کام آتی ہے۔ کاربن ڈائی آکسائڈ دن کے وقت ضیائی تالیف میں استعمال ہو جاتی ہے، لیکن رات کے وقت ضیائی تالیف کی غیر موجودگی میں پودوں کے اردگرد کاربن ڈائی آکسائڈ کا تناسب بڑھ جاتا ہے اسی لیے رات کو زیادہ دیر تک پودوں یا درختوں کے نیچے ٹھہرا جائے تو دم گھٹنے لگتا ہے اور بعض توہم پرست اسے درختوں پر جنوں بھوتوں کی موجودگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب سے یہ کائنات یا ہماری زمین معرض وجود میں آئی ہے تب سے یہ عمل جاری ہے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ فضا میں آکسیجن کا تناسب بھی بدستور قائم رہتا ہے۔

جہاں تک زندگی کے تانے بانے (سلسلہ) کا تعلق ہے، جیسا کہ ہمیں سائنس بتاتی ہے، یہ توازن شدہ باہمی عمل میں مضمر ہے جو پودوں اور بیکٹیریا کے مابین ہے۔ بیکٹیریا حیوانوں سے نائٹروجن کو پودوں کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ پودے آکسیجن پیدا کرتے ہیں جن کی حیوانوں (جانداروں) کو ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے عضویہ اور حیوانات یعنی دونوں کاربن ڈائی آکسائڈ مہیا کرتے ہیں پھر بیکٹیریا کے ذریعے نائٹروجن پیدا ہوتی ہے جو پودوں کو مہیا ہوتی ہے اور اس طرح زندگی کا یہ زنجیری عمل جاری و ساری رہتا ہے اور یہ لازمی ہے کہ ہوا میں آکسیجن کا تناسب ہر حالت میں تقریباً 20 فی صد کے قریب رہے۔ دنیا کا تمام دھواں اور اور اخراج (exhalations) پودوں کے ذریعہ، جیسا کہ آپ نے تفصیل سے پڑھ لیا ہے، آکسیجن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے تو کوئی کمپیوٹر چاہیے جو دنیا میں پودوں کی تعداد اور آکسیجن کے تناسب کا حساب کتاب رکھے کہ یہ 20 فیصد رہے۔ ایسا کمپیوٹر تو خدائی کمپیوٹر ہی ہو سکتا ہے جو بتائے کہ کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے دھویں کے لیے (درختوں کی اہمیت کے پیش نظر کسی بھی ملک کے 25 فی صد رقبہ پر درخت ہونے چاہیں۔ یہ بین الاقوامی معیار ہے جب کہ پاکستان میں 5 فی صد رقبہ پر درخت ہیں) درختوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیے اور انسان کتنی آکسیجن صرف کریں گے؟ تاکہ اگر ہوا میں آکسیجن کا تناسب کم رہے تو ہوا میں آکسیجن کی ضروری مقدار شامل کر دے۔ یہ حساب کتاب تو ایک خدائی معجزے سے کم نہیں ہے اور قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ زمین پر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں ان میں ایک توازن ہے اور اس کی دانش ہم تک چودہ سو سالوں کی خلیج پار کر کے آج پہنچی ہے اور پھر ایسے وقت سے جب کہ ان حقائق کا انسان کو قطعاً علم نہ تھا۔

لاکھوں سال پہلے نباتیہ یا نباتات (Flora) نے زمین کو ایک وسیع غلاف کی صورت میں ڈھانپ رکھا تھا اور اس کا مقصد بھی یہ تھا کہ ہوا یا فضا سے آکسیجن کے توازن کو زائد کر دیا جائے۔ کیوں؟ زمین پر دیو ہیکل جانور ڈائنوسارز جو ان پودوں سے استفادہ کرتے تھے، زمین پر گھومتے پھرتے تھے اور پھر ان کی سانسوں سے جو کاربن ڈائی آکسائڈ خارج ہوتی ہوگی، وہ پودے جذب کرنے کے لیے ناکافی تھے اور اس وجہ سے وہ اتنی

آکسیجن پیدا نہ کر سکے جس سے وہ زندہ رہ سکیں چنانچہ زمین پر آکسیجن کا توازن برقرار نہ رہا ہوگا۔ چنانچہ اس موقع پر ایک وسیع ارضیاتی انقلاب رونما ہوا ہوگا اور ڈائنوسارز اور پودے دونوں زمین سے روپوش ہو گئے (ختم ہو گئے) ہوں گے۔ (یہ بھی ایک نظریہ ہے کہ ڈائنوسارز روئے زمین سے کیوں ختم ہو گئے اور دوسرا نظریہ یہ ہے کہ شاید زمین پر کوئی طویل برفانی دور آیا ہو، کھانے کے لیے سبزہ ختم ہو گیا ہو تو یہ ڈائنوسارز بھی سبزے کی طرح روئے زمین سے غائب ہو گئے ہوں یا پھر کوئی ضخیم شہاب ثاقب ان کے خاتمہ کا موجب ہوا ہو)۔

سورۃ الحجر 15 کی آیت 19 کے معنوں پر دوبارہ غور کریں تو اس میں فرمایا ہے "اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی گئی ہے" کیا چیز اگائی گئی ہے؟ وہ ہے سبزہ، پودے اور درخت چونکہ لفظ "اگائے" کا انہی چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے اور پودے زمین پر ایک ہم آہنگ یا خوشگوار توازن پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور درختوں کو یہ کام سونپا گیا ہے کہ وہ چمنی سے نکلنے والے دھوئیں کی صفائی کریں یعنی آکسیجن پیدا کریں۔ انسان اور وہ بھی جو ایمان رکھتے ہیں (اور غور و فکر کرتے ہیں)، کس قدر بے خبری اور لاپرواہی میں ہیں کہ وہ کبھی بھی علیم و بصیر قادر مطلق کے ان اندازوں اور پیش گوئیوں کا ادراک نہیں کر سکتے اور یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا کے خالق کے رازوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

؎ برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار
شیخ سعدیؒ

قرآن حکیم کی بہت ساری آیات میں تقریباً 30 بار نباتات اور اشجار کا ذکر ہوا ہے اور اسلام میں درخت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ ہر سال نئے درخت لگانے کی اہمیت بھی اسی وجہ سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٥﴾

ترجمہ: اور تو زمین کو خشک دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو

لہلہانے اور اُبھر نے لگتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔ (سورۃ الحج 22، آیت 5)

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: (ارشاد ہوا) (یہ تو بتاؤ بھلا) کس نے آسمان (کی بلندیاں) اور زمین کی وسعتیں تخلیق کیں؟ اور آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی سے خوشنما باغات اگائے (جن کے) درختوں کو اگانا تمہارے لیے ممکن نہ تھا۔ کیا ان تخلیقی عظمتوں والے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کام میں کوئی اور شریک بھی ہے؟ ہرگز نہیں ایسا تو فکر کج انسان سوچتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ سے مڑ گئے ہیں)۔ (سورۃ النمل 27، آیت 60)

خوراک کے علاوہ پودوں اور جڑی بوٹیوں کے اور بھی کئی فائدے ہیں۔ تقریباً تقریباً ہر بیماری کے علاج کے لیے خالق عظیم نے ایک پودا پیدا کر رکھا ہے یا پھر ایک جوثومہ (microbe)۔ جہاں تک پودوں یا جڑی بوٹیوں کا تعلق ہے، طب یونانی صدیوں سے اس کی پریکٹس کر رہی ہے اور علاج معالجے کے لیے ان کو استعمال کر رہی ہے۔ تو پھر کیسے ایک لاعلم شخص جس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت یا شہادت نہیں ہے خدا کے نظام کو محض ایک اتفاق (coincidence) کہہ سکتا ہے؟ زمین کی تخلیق کرنا، صدیوں سے انسان کو اس پر بسانا اور پھر نباتاتی اور بیکٹیریائی علاج (جراثیمی علاج) پیدا کر دینا کیا اتفاق ہے؟ نہیں! اس کو ایک مقصد کے تحت پیدا کیا اور اس کا علم تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے پاس ہے۔ لکڑی کی آگ نے انسان کو حرارت اور توانائی دی۔ اگر تیل اور کوئلہ دریافت نہ ہوتے تو یہ پودے اور درخت زمین پر اپنی نوعیت کے آخری پودے اور درخت ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے کمپیوٹر نے پہلے انسان کو کوئلہ مہیا کیا اور بعد میں تیل جو اس نے لاکھوں سال پہلے تیار کر رکھا تھا اور ایسے توازن سے کہ یہ تمام بنی نوع انسان کے لیے کافی ہے۔

ابھی حال ہی میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پانی کتنی بڑی نعمت ہے اور اس سے پہلے ہم پانی کی قدر و قیمت سے بالکل نابلد تھے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے،

مگر کتاب کی ضخامت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں صرف چند باتیں لکھ دینا چاہتا ہوں تاکہ زمین پر توازن کی مزید مثالیں آپ کے علم میں آ جائیں۔ آج ہم جانتے ہیں کہ پانی میں کیلیسم کاربونیٹ نظام ہضم میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کے علاوہ نمک زمین میں ایسی نسبت سے موجود ہے گویا ایک حیاتیاتی تجربہ گاہ قائم کردی گئی ہے۔ آبی چکر کا آپ مطالعہ فرما چکے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ سمندر کا پانی ہر لمحہ بخارات میں تبدیل ہوتا رہتا اور پھر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے واپس سمندر میں آ جاتا ہے اور یہ عمل لاکھوں سالوں سے جاری ہے۔ اس منتقلی میں زمین سے نئی اشیا سمندر میں شامل ہو جاتی ہیں مگر اس کے باوجود سمندر کی ترتیب (composition) میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ذرا خدائی کمپیوٹر کے اس عظیم الشان معجزے کو دیکھیں کہ زمین پر لاکھوں واقعات رونما ہوئے ہیں پھر بھی زمین کی پیداوار میں ہم آہنگی اور توازن کبھی تبدیل نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے قائم کر رکھا ہے۔

دھاتوں کے لحاظ سے زمین پر کیا توازن قائم ہے؟

فی الوقت 103 عناصر دریافت کر لیے گئے ہیں، لیکن ان میں سے 65 دھاتی عنصر ہیں جو زمین کی بالائی تہ میں پائے جاتے ہیں۔ زمین کی بالائی تہ کو قشر ارض کہتے ہیں، اس کی گہرائی 10 میل (16 کلومیٹر) تک ہے۔ تمام دھاتیں قشر ارض میں پائی جاتی ہیں لیکن 16 کلومیٹر سے آگے گہرائی تک زمین میں جانا موجودہ جدید مشینری کے ذریعے ممکن نہیں ہے اور ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ درمیانی تہ (مینٹل) میں عناصر کا تناسب کیا ہے یا پھر مرکز میں دھاتوں کا تناسب کیا ہے؟ اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ زمین کے مرکز میں لوہے اور نکل کا بھرت ہے جس کا تناسب بھی ابھی تک نامعلوم ہے۔ جن دھاتی عناصر کی مقدار (فی صد) معلوم ہو چکی ہے ان کی مقدار 65 ہے۔ زمین میں ہر عنصر ایک صحیح تناسب سے موجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقصد کے لیے بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے مقرر کر رکھا ہے مثلاً زمین کے قشر ارض میں سب سے زیادہ عنصر جو پایا جاتا ہے، وہ آکسیجن ہے جو (دوسرے عناصر کے ساتھ متصل حالت میں) 46.59 فی صد، دوسرے نمبر پر سیلکان 27.72 فی صد اور باقی عناصر جن میں

دھاتیں بھی شامل ہیں، 25.69 فی صد ہیں۔

سلیکان ایک بنیادی عنصر ہے جو ہماری رہائشی تعمیرات میں استعمال ہونے والی مٹی (کلے)، اینٹیں، روڑی، پتھر وغیرہ کا ضروری حصہ ہے۔ اگر یہی عنصر سلیکان نہ ہوتی تو آج ہم شہروں سے محروم ہو جاتے بلکہ اپنے گھروں سے بھی اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ تین ایسے میٹیریل ہیں جو ازمنہ قدیم سے استعمال ہوتے آرہے ہیں، اور وہ ہیں مٹی (مٹی سے بنی ہوئی اینٹیں)، پتھر اور لکڑی۔ یہ تینوں میٹیریل ہماری تعمیرات میں استعمال ہو رہے ہیں اور صدیوں سے استعمال میں رہنے کے باوجود آج بھی جدید دنیا میں ان کا استعمال بدستور جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اگرچہ انسان اپنی ضروریات کے لیے ان میٹیریل کا نعم البدل تلاش کرتا رہا ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ چنانچہ سلیکان کا تناسب اسی لحاظ سے ہے جس لحاظ و قدر سے ہماری دنیا میں اس کا استعمال ہے۔ لوہے کی مقدار، قشرارض میں سلیکان کے مقابلے میں 4.20 فی صد ہے اور آپ نے بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ سلیکان یا سلیکیٹ کے بعد لوہے کا ہماری زندگی میں بے تحاشا استعمال ہے۔ لوہے کے ان گنت استعمال ہیں۔ اگر لوہا نہ ہوتا تو ہمارے کارخانے جن کی تقریباً 100 فی صد مشینری لوہے کی بنی ہوتی ہے، غائب ہوتی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دھات کے فوائد کے بارے میں خود قرآن حکیم میں سورۃ الحدید 57 کی آیت 25 میں فرمایا ہے:

ترجمہ: ہم نے لوہا نازل کیا جس میں بڑی طاقت و قوت اور بنی نوع انسان کے لیے فائدے ہیں۔[1]

پوٹاشیم کی مقدار قشرارض میں 2.35 فی صد، سوڈیم کی مقدار سے قدرے کم جس کی مقدار 2.40 فی صد ہے، مگر یہ عنصر پودوں کی خوراک کا ایک ضروری حصہ ہے جسے کھاد کی صورت میں بھی ڈالا جاتا ہے۔ یہ عنصر پودے کے تنے کی مضبوطی کا باعث بنتا ہے۔ سلیکیٹ میں بھی موجود ہے جو ایک بلڈنگ میٹیریل ہے۔ یہ 103 عناصر قشرارض میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں جیسے کسی سائنس سوسائٹی نے ان کی ایک فہرست بنا رکھی

---

[1] مصنف کی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" کا صفحہ 224 مطالعہ فرمائیے جہاں اس آیت کی تاویل بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی فیروز سنز لاہور سے دستیاب ہے۔

ہو۔ یہ سب عناصر ایک خاص تناسب سے بکھرے ہوئے ہیں اور انسان کی ضرورت کے لیے آفاقی طریقے سے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے آرڈر (ان چیزوں کے لیے) کسی طاقتور کارخانے سے پورے ہو رہے ہیں۔ اب ان چند دھاتوں کے بارے میں غور فرمایئے جن کے نام ہم نے صرف گذشتہ ڈیڑھ سو سالوں سے سنے ہیں، مثلاً بریلیم (0.0004 فی صد)، یورینیم (0.0004 تا 0.003 فی صد)، کیڈمیم (0.0005 فی صد)، ٹنگسٹن (0.007 فی صد)، ٹینٹالم (0.000024 فی صد) اور گیلیم (0.0001 فی صد)۔ پہلے پہل جب یہ دھاتیں دریافت ہوئیں تو خیال تھا کہ یہ محض تجربہ گاہوں کی تجسس ہوں گی چونکہ یہ نہایت ہی کم مقدار میں موجود ہیں اور یہ محض بعد میں محسوس کیا گیا کہ یہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے لیے ناگزیر بلڈنگ بلاکس ہیں اور خاص طور پر ہائی ٹمپریچر ٹیکنالوجی سے لے کر اٹامک انرجی تک۔ ان میں سے ہر دھات کی ایک خاص خوبی ہے اور زمین میں ان کی مقدار جیسا کہ آپ نے مشاہدہ فرمایا ہے، ان کی خدمت کے مطابق رکھی گئی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کی مقدار اس خدمت کے مطابق رکھی گئی ہے جو انسان نے ان سے حاصل کرنا تھی یعنی ضرورت اور کھپت کے درمیان ایک توازن پیدا کر دیا۔

زمین کے سب سے بڑے عجائبات میں سے ایک عجوبہ وہ تابکار دھاتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بھیجنے سے پہلے پیدا کر رکھی تھیں۔ یہ قشر ارض میں کامل تناسب میں موجود ہیں یعنی ان میں ایک توازن ہے۔ زمین میں جو یورینیم ملتا ہے وہ یورینیم۔ 238 کہلاتا ہے اور اس سے اسی کا ہم زاد (Isotope) یورینیم۔ 235 ہے، جب یہ یورینیم 238 میں موجود ہوتا ہے یا معدن (mineral) میں موجود ہوتا ہے تو بالکل بے ضرر ہے مگر جب اسے یورینیم۔ 238 سے الگ کر لیا جاتا ہے یا خالص کر لیا جاتا ہے تو یہی دھات خطرناک ہو جاتی ہے جس سے ایٹمی توانائی یا نیوکلیر توانائی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر یورینیم۔ 235 ہی موجود نہ ہوتا (اگرچہ اس کی مقدار یورینیم۔ 238 میں 0.7 فی صد ہے) تو ہمارے لیے اٹامک انرجی (ایٹمی توانائی) کا حصول ناممکن ہوتا۔ اگر یہ زمین میں اس خالص حالت میں ہوتا تو اس (زمین) کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہو جانے سے کسی بھٹی کا احساس ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنا دیا ہے کہ یہ اسی صورت میں ایٹمی توانائی دیتا

ہے جب اسے اس کی معاون سے الگ کر لیا جاتا ہے اور قدرتی حالت میں یا قدرتی میٹریکس (Matrix) یعنی یورینیم۔ 238 میں بالکل بے ضرر ہے۔ زمین پر توازن کی یہ ایک عمدہ مثال ہے۔ اسی طرح کاربن۔ 14 حیاتیاتی سرگرمی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بہت سارے حیاتیاتی واقعات رونما نہ ہوتے (نہ ہو سکتے) اگر فضا میں کاربن۔14 نہ ہوتا۔ اس وقت اس کی کل مقدار تناسب ایک حصہ فی 10 لاکھ حصوں میں (1 PPM) ہے۔ اگر اس مقدار سے زیادہ ہوتا تو یہ بہت سارے مہلک یا جانی حادثات کا سبب بنتا چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے عظیم کمپیوٹر نے اسے توازن میں رکھا ہوا ہے۔

اسی طرح معدنی چشموں میں بھی تابکار (radioactive) عناصر کی نہایت ہی معتدل مقدار ہوتی ہے اور یہ لاکھوں انسانوں کی صحت کے لیے کار آمد ہوتی ہے۔ چنانچہ زمین کی تابکاری میں ایک عمدہ توازن موجود ہے۔ معدنی چشموں میں زیادہ مقدار تو عام سوڈیم کی ہوتی ہے لیکن اگر سوڈیم ۔24 (جو کہ تابکار میٹیریل ہے) معدنی چشموں میں موجود ہوتا تو ایسے پانی میں غسل کرنا ایسا ہوتا جیسے کوئی ہیروشیما میں موجود ہو، جب اس پر ایٹم بم گرایا گیا تھا چنانچہ سوڈیم کے دوسرے ہم زاد موجود ہوتے ہیں جو زیادہ مقدار میں ہیں اور توازن قائم رکھتے ہیں۔

سورۃ الحجر 15 کی آیت 19 کی تاویل میں ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے بلکہ ایک جلد کی بجائے کئی جلدوں میں لکھی جا سکتی ہے، مگر یہاں محض اختصار سے کام لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان کمپیوٹر نے دنیا پر بسنے والے انسانوں (جانداروں) کی تعداد اور ان کی خوراک میں بھی ایک توازن قائم کر رکھا ہے جو کہ علم معاشیات کا ایک اہم موضوع ہے مگر یہاں اس کتاب میں اس موضوع پر مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

قارئین! آیئے اس باب کے آخر میں سورۃ الحجر 15 کی آیت 19 کو پھر پڑھیں اور اس کے حیرت انگیز معنوں پر دوبارہ غور و فکر کریں:

ترجمہ: اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیئے اس پر بوجھ (پہاڑ) اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تیسرا باب

انسان کی تخلیق

(کیا انسان کو مٹی سے بنایا گیا؟)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی تخلیق بہترین انداز و ساخت پر کی جیسا کہ سورۃ التین میں ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

ترجمہ: البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہت خوبصورت ڈھانچے میں ڈھالا ہے۔

(سورۃ التین 95، آیت 4)

انسان کو قدرت کی حسین ترین تخلیق قرار دیا جاتا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ کائنات میں رنگارنگی، گہما گہمی، حسن و جمال، ہنگامہ خیزی اور نشیب و فراز انسان ہی کے دم سے ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کی یقیناً اپنی جگہ اہمیت ہے مگر انسان کو عقل و شعور کی بدولت ہی تمام مخلوقات پر واضح برتری حاصل ہے اور یہ انسان کی فکری بلندی اور شعور ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا ترقی کی معراج پر نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بشر (انسان) یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے کیوں بنایا؟ مٹی کیا ہے؟ اس کی کیا خصوصیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے لیے اسی مادے کا انتخاب کیا۔ کیا یہ بات تمثیلی ہے یعنی مثال کے طور پر بتائی گئی ہے یا حقیقت میں مٹی ہی استعمال کی گئی؟ اگر یہ بات تمثیلی ہوتی تو قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کا ذکر نہ ہوتا، مثلاً مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیے:

1- انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ

ترجمہ: جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان بنانے

والا ہوں۔ (سورۃ صٓ 38، آیت 71)

قرآن حکیم کی تقریباً 25 آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو مٹی سے بنایا۔ مزید چند آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (سورۃ الانعام 6، آیت 2)

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔

(سورۃ الاعراف 7، آیت 12)

یہی آیت سورۃ 38 کی آیت 76 بھی ہے۔

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اس (شیطان) نے کہا کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17، آیت 61)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے بنایا۔

(سورۃ الصافات 37 آیت 11)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

ترجمہ: وہی ہے (ذات پاک) جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔

(سورۃ المومن 40، آیت 67)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

(سورۃ الرحمٰن 55، آیت 14)

مندرجہ بالا آیات میں لفظ "طین کے علاوہ، "تراب" اور "فخار" کے عربی میں معنی بھی مٹی کے ہیں۔ ان کو انگریزی میں سرامک میٹیریل (ceramic material) کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو کالے سڑے ہوئے گارے سے جو کھنکھن بولتا ہے، پیدا کیا۔

(سورۃ الحجر 15، آیت 26)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کالے سڑے ہوئے گارے سے، جو کھنکھن بولنے لگتا ہے، ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔

(سورۃ الحجر 15، آیت 28)

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷﴾

ترجمہ: اس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔

(سورۃ السجدہ 32، آیت 7)

2- انسان کی تخلیق پانی سے ہوئی

جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں قرآن حکیم کی متعدد آیات میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی مگر مٹی کے علاوہ جو چیز انسان کی تخلیق کے لیے استعمال ہوئی وہ پانی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات اور ان کا ترجمہ مطالعہ فرمائیے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ

ترجمہ: اور اللہ ہی نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ان میں (بعض) پیٹ کے بل چلتے ہیں اور (بعض) ان میں سے دو پاؤں پر چلتے ہیں اور (بعض) ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جس وضع پر چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ (سورۃ 24 النور، آیت 45)

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور پھر اس کو کسی کا بیٹا، بیٹی اور کسی کا داماد بہو بنایا۔ (سورۃ الفرقان 25، آیت 54)

پھر فرمایا گیا کہ انسان کی پیدائش "نفس واحد" سے ہوئی۔

3- انسان کی پیدائش "نفس واحد" سے ہوئی

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے تم کو ایک "تن واحد"، (نفس واحدہ) سے پیدا کیا۔

(سورۃ الانعام 6، آیت 98)

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

ترجمہ: اس نے تمہیں ایک تن واحد سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کی بی بی کو پیدا کیا۔ (یعنی اسے بھی تن واحد سے پیدا کیا)۔ (سورۃ الزمر 39، آیت 6)

علاوہ ازیں سورۃ نساء 4 آیت 1، سورۃ اعراف 7 آیت 189، سورۃ روم 30 آیت 21 میں بھی اسی مضمون کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پھر ارشاد ہوا: انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ نطفہ کے معنی قطرہ بھی ہیں۔

4- انسان کو نطفہ سے پیدا کیا (رحم سے پیدا کیا)

نطفے کا لفظ تقریباً 16 آیات میں آیا ہے۔ اس کو "اچھلتا پانی"، "نچوڑ" اور "حقیر پانی" سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔ چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ علانیہ جھگڑا کرنے والا ہے۔

(سورۃ النحل 16، آیت 4)

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

ترجمہ: پس ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے۔ (سورۃ الحج 22، آیت 5)

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ

ترجمہ: کیا ہم نے تم کو ایک حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا۔

(سورۃ المرسلات 77، آیت 20)

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

ترجمہ: اس کو مٹی سے بنایا پھر حکم دیا کہ آدم بن جا اور وہ بن گیا۔

(سورۃ ال عمران 3، آیت 59)

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ

ترجمہ: وہ پیدا کیا گیا ہے اُچھلتے پانی سے۔ (سورۃ الطارق 86، آیت 6)

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ

ترجمہ: پھر نچوڑ سے (پیدا کیا) جو ایک حقیر پانی ہے اس کی نسل چلائی۔

(سورۃ السجدہ 32، آیت 8)

5- انسان ماں کے پیٹ (رحم) سے پیدا ہوا

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ

ترجمہ: وہی ہے جو ماں کے پیٹ (یعنی رحم یا بچہ دانی) میں جیسی چاہتا ہے تم لوگوں کی صورتیں بناتا ہے۔ (سورۃ ال عمران 3، آیت 6)

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ

ترجمہ: وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح کے تین اندھیروں میں بناتا ہے۔ (سورۃ الزمر 39، آیت 6)

6- انسان خون کی بوند سے پیدا ہوا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

ترجمہ: اس نے انسان کو خون کی بوند سے پیدا کیا۔

دوسرا ترجمہ: اس نے انسان کو جمے ہوئے خون کی بوند سے پیدا کیا۔

(سورۃ العلق 96، آیت 2)

لفظ "علق" کی جدید میڈیکل سائنس کی روشنی میں وضاحت: ہمارے علماء اور مفسرین نے عربی زبان کے لفظ "علق" کے معنی "خون کی بوند" یا" جمے ہوئے خون کی بوند" کیا ہے۔ انگریزی زبان میں تفسیر کرنے والے علماء نے اسے congealed blood یا blood clot لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جدید تحقیق کی روشنی میں جراحی (surgery) سے جو مشاہدات سامنے آئے ہیں ان کے مطابق انسان کی تخلیق کا عمل باروری (fertilization) سے شروع ہوتا ہے جس میں دو مخصوص جرمی خلیے، کرم منی یا خلیہ منی (spermatozoon) مرد سے اور بیضہ خلیہ (Oocyte) عورت سے جب ملاپ کرتے ہیں تو ایک نیا عضویہ (organism) پیدا ہوتا ہے جو رحم (uterus) کی دیوار سے لٹک جاتا یا چمٹ جاتا ہے۔ یہی جنین (Fetus) ہے جس میں زندگی ہوتی ہے مگر "جمے ہوئے خون" میں زندگی نہیں ہوتی لہٰذا انسان کو جمے ہوئے خون کی بجائے "بارور بیضہ" سے پیدا کیا مناسب و موزوں ترجمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا طریقہء تخلیق "کن فیکون" ہے

اللہ تعالیٰ کا طریقہء تخلیق "کن فیکون" ہے جس کے معنی ہیں "ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کو کائنات کی تخلیق اور ایجاد کے لیے کسی اسباب و وسائل کی ضرورت نہیں پڑتی صرف اس کا حکم اور ارشاد ہی کافی ہے۔ اسی حقیقت کو اس مختصر جملے میں بیان کیا گیا۔

سورۃ البقرۃ 2 آیت 117 کا مطالعہ فرمایئے، ارشاد ہوا:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: آسمان اور زمین کا وہی موجد ہے اور جب وہ کسی کام کو کرنا ٹھان لیتا ہے تو اس کی نسبت فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ (سورۃ البقرہ 2، آیت 117)

اسی طرح سورۃ النحل 16 کی آیت 40 کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

ترجمہ: جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو بس ہمارا کہنا اتنا ہی ہوتا ہے کہ ہم

اس کو کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

سورۃ یٰسین 36 کی آیت 82 میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: اس کی تو شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

بہت ساری ایسی آیات ہیں جن کے معانی ہیں "جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے" اور وہ علم اور قدرت والا ہے۔ وہی اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ سب چیزیں خدا نے پیدا کیں۔

"سورۃ البقرہ کی آیت 117 میں لفظ "بدیع" ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے۔

عربی میں بدیع کے معنی ہیں کوئی چیز بغیر مادے اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔ یہ لفظ بدع سے بنا ہے جس کے معنی ہیں نیا، انوکھا۔ لفظ "ابداع" بھی اسی سے مخرج ہے جس کے معنی ہیں مادہ کے بغیر نیست سے ہست کرنا، نمونے کے بغیر کوئی چیز بنا دینا۔ بدیع سے مراد ایسا موجد اور صناع جو حقیقی معنی میں پیدا کرنے والا ہے، ایجاد کرنے والا ہے۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو کر آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اللہ کا کسی شے کو بلاواسطہ آلہ اور مادے کے اور بلا اعتبار زمان و مکاں کے ایجاد کرنا۔ ایجاد کی ایسی صورت کسی اور کے لیے نہیں چنانچہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی قدیم ہے۔ ایک وقت ایسا تھا جب اسی کا وجود تھا اور باقی کچھ بھی موجود نہ تھا۔ اسی نے اپنے ارادہ سے ان سب کو ایجاد کیا۔ اسے ان کو ایجاد کرنے میں کسی میٹیریل (کسی مال مسالے) یا کسی معاون یا استاد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہی تمام چیزوں کو نئی شکلیں دیتا ہے، وہی وجود بخشنے والا ہے۔ انگریزی میں کہہ سکتے ہیں خدا کی ذات ہی اصل ڈیزائن کرنے والی ہے (God is the Original Designer)۔

مادہ پرست لوگوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ وہ کسی کا محتاج ہے یا اسے کسی کی احتیاج اور ضرورت ہے۔ چنانچہ مذکورہ آیت میں مشرک قوموں کے غلط عقیدوں کو رّد کر دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ مادہ پہلے سے کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا بس اسے اللہ نے ترتیب و ترکیب دے کر کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اب قارئین پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کسی چیز کے بنانے کے لیے کسی میٹیریل کی ضرورت نہیں

محض ان کا ارادہ ہی کافی ہے لیکن انسان کے مادۂ تخلیق کا ذکر بڑی وضاحت سے کر دیا گیا ہے، جیسا کہ گذشتہ آیات میں آپ نے مطالعہ فرمالیا ہے کہ:

1- انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔

2- انسان کی تخلیق پانی سے ہوئی۔

3- انسان کی تخلیق نطفے سے ہوئی (یہاں لفظ ''اُچھلتے ہوئے پانی اور حقیر پانی کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں انسان کی تخلیق جمے ہوئے خون (رحم سے لٹکتے ہوئے بارور بیضہ یا جنین) سے ہوئی'' کا بھی ذکر ہے۔

4- انسان کی تخلیق ماں کے رحم سے ہوئی (یاماں کے پیٹ سے ہوئی کا بھی ذکر ہے)۔

قرآن حکیم میں بشر یا انسان یا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے جیسا کہ سورۃ ال عمران کی آیت 58 میں فرمایا گیا۔ ''اس کو مٹی سے بنایا گیا پھر حکم دیا کہ آدم بن جا اور وہ بن گیا۔'' جس سے ظاہر ہوا کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کا بنیادی تخلیقی میٹیریل مٹی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں دو نظریات ہیں اور وہ ہیں:

1- نظریہ تخلیق خصوصی[1] (Theory of Special Creation)

اس نظریے کے مطابق جو چیز اول بار اور روز اول جس شکل و صورت میں پیدا کی گئی، وہ آج بھی اُسی شکل و صورت میں موجود ہے اور اسی شکل و صورت میں اس کی نسل جاری ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی صورت میں تخلیق کیا گیا جس صورت میں آج اس کی شکل میں اولاد موجود ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل پیدا نہیں ہوا یعنی تمام مخلوق کی اشکال اور صورتیں مستقل ہیں۔ ان سب کا تخلیقی میٹیریل مٹی ہے۔ آیئے دیکھیں، مٹی کیا ہے؟ جس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

مٹی کیا ہے؟

مٹی جسے انگریزی میں Clay یا چکنی مٹی کہتے ہیں، زمین (Earth) کا ایک حصہ

---

[1] نظریہ تخلیق خصوصی کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے مصنف کی کتاب ''قرآن اور جدید سائنس'' کا پانچواں باب قرآن اور فلسفہ ارتقائے حیات (صفحہ 108) مطالعہ فرمائیے جو فیروز سنز لاہور سے دستیاب ہے۔

ہی ہے اور یہ چٹانوں کی توڑ پھوڑ سے بنتی ہے۔ چٹانوں کی توڑ پھوڑ کو موسم زدگی (Weathering) کہتے ہیں۔ موسم زدگی کے محرکات تیز و تند چلتی ہوئی ہوائیں، بہتا ہوا پانی جس میں ریت کے ذرات اور کنکر وغیرہ ہوں، بارش کا پانی، چٹانوں میں موجود پانی جب موسم سرما میں ٹھنڈک سے جمنے لگتا ہے تو اس کے پھیلاؤ (Expansion) سے بھی چٹانیں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔ چٹانوں میں نباتات کی جڑیں بھی دراڑیں پیدا کرتی ہیں۔ چٹانوں میں مختلف کیمیائی عمل ہوتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے موسم زدگی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح کے عمل چٹانوں میں توڑ پھوڑ کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے مٹی بننے کا عمل جاری رہتا ہے۔ گرم مرطوب علاقوں میں یہ عمل اور بھی تیزی سے ہوتا ہے جبکہ بہت ٹھنڈے اور خشک علاقوں میں موسم زدگی کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔

مٹی کی کئی اقسام ہیں لیکن زمین کی بالائی سطح پر اعلیٰ قسم کی مٹی ہوتی ہے جسے ''چکنی مٹی'' کہتے ہیں، جو درحقیقت چکنے ذرات کی وجہ سے ہے۔ یہ چکنے ذرات تہوں کی صورت میں ہوتے ہیں جو صرف خوردبین سے نظر آتے ہیں، ایک دوسرے کے اوپر آسانی سے پھسل جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ نرم ہوتی ہے۔ مٹی کی مختلف اقسام ان کے کیمیائی، معدنیاتی اور طبیعی خواص پر مبنی ہے۔ کیمیائی فارمولے کے لحاظ سے مٹی تعدیلی اور آبیدہ ایلومینو سلیکیٹس (Alumino Silicates) ہیں اور یہ تہوں کی صورت میں موجود ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر پھسل جاتی ہیں جن کی وجہ سے مٹی میں نرمی اور اس میں صابن جیسا پچ ہوتا ہے۔

جب مٹی میں پانی ملایا جاتا ہے تو یہ ایک مربوط اور چپک دار (لیس دار) (coherent and sticky) مادہ بناتی ہے۔ جب مٹی نم دار ہو جاتی ہے تو پھر اس مادے کو ہاتھوں سے (یا مشینوں سے) کوئی بھی شکل و صورت دی جا سکتی ہے۔ مصوری کی زبان میں اس کی صورت گری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اگر صورت گری کے بعد یا اس کی تشکیل کے بعد اسے خشک کر دیا جائے تو یہ ''سخت اور پھوٹک'' بن جاتی ہے اور اپنی شکل و صورت قائم رکھتی ہے۔ اگر اسے سرخ درجہ حرارت تک گرم کیا جائے تو یہ مزید سخت ہو جاتی ہے اور پھر اس پر پانی بھی عمل نہیں کرتا۔ ظاہر ہے ایسا میٹیریل ہی تمام اشکال کے برتن و

ظروف بنانے میں استعمال ہو سکتا ہے۔ یہی مٹی ہے جسے "چکنی مٹی" کہتے ہیں اور کمہار (Potter) برتن و ظروف بنانے کے لیے یہی مٹی صدیوں سے استعمال کرتے آرہے ہیں۔ مٹی کے برتن و ظروف سازی ایک قدیم فن ہے جو انسان کے پاس تھا۔ قدیم ترین کھدائیوں میں بھی مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے یا صحیح و سالم برتن مل جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب مٹی میں مناسب مقدار میں پانی ملا دیا جائے تو یہ نرم، چکنی اور لچک دار ہو جاتی ہے، اسے آٹے کی طرح گوندھ لیا جاتا ہے اور ایک مجسمہ ساز اس کا ایک مکمل انسانی مجسمہ بنا سکتا ہے یا ڈھانچہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ دیگر کسی بھی میٹیریل میں ایسی خصوصیات موجود نہیں ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ نے آدم کو مٹی سے بنایا ہے تو پھر یہی مناسب میٹیریل تھا جس سے انسان کا پتلا یا قالب بنا۔ علاوہ ازیں مٹی میں وہ تمام قدرتی عناصر بھی موجود ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے (اس کا ذکر بعد میں بھی آئے گا)۔ اب ایک ایسی حدیث بیان کی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست مبارک سے پیدا کیا اور آپ کو تمام لوگوں کا باپ اور "ابوالبشر" کہا گیا ہے۔ حدیث کے الفاظ پر غور فرمایئے۔

يَا آدَمُ اَنْتَ اَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ، وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ اَمَرَ الْمَلٰٓئِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ، وَ اَسْكَنَكَ الْجَنَّةَ، اَلَآ تَشْفَعُ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ .

ترجمہ: اے آدم آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے دست مبارک سے پیدا کیا۔ آپ میں اپنی رُوح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آپ کو جنت میں بسایا۔ تو کیا آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش نہیں فرمائیں گے۔

(بخاری کتاب الانبیا 105/4 ۔ مسلم کتاب الایمان 327-1/184)

قرآن حکیم

اب قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت پر توجہ فرمایئے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ

مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ ﴿٧٢﴾

ترجمہ: جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی کے گارے سے ایک انسان بنانے والا ہوں۔ پھر جب ٹھیک بنا چکوں (درست کر چکوں) اسے اور اس میں اپنی ایک رُوح (جان) پھونک دُوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑو۔

(سورۃ ص 38، آیت 71-72)

پھر ارشاد ہوا:

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ

ترجمہ: فرمایا! اے ابلیس کس چیز نے روکا تجھے سجدہ کرنے سے اس کو جسے میں نے (اپنے) دونوں ہاتھوں سے بنایا۔

(سورۃ ص 38، آیت 75)

سورۃ ص کی آیت 71 میں لفظ "طین" کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں نم دار مٹی، گوندھی ہوئی مٹی۔ سورۃ المومن کی آیت 67 میں لفظ "تراب" آیا ہے جس کے معنی ہیں خشک مٹی اور سورۃ الصافات کی آیت 11 میں لیس دار مٹی کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خشک مٹی میں پانی شامل کیا گیا تو وہ لیس دار مٹی یا طین کی شکل اختیار کر گئی۔ اس گندھی ہوئی مٹی سے اللہ تعالیٰ نے "اپنے ہاتھوں سے" حضرت آدمؑ کا پتلا بنایا۔ یہ ایسے ہی ہوا جیسے ایک ظروف ساز اس دنیا میں مٹی کے برتن و ظروف یا دوسری اشکال کی اشیاء بنانے کے لیے گندھی ہوئی مٹی کا استعمال کرتا ہے اور اسے شکل و صورت دینے کے لیے اپنے ہاتھوں کا استعمال کرتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث میں بھی یہ جملہ موجود ہے۔ "اللہ نے آپ کو اپنے دست مبارک سے پیدا کیا۔" اب اس جملے کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی علیم ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا احاطہ کرنا یا اس کی کسی صورت کا تصور کرنا بھی ناممکن ہے اور پھر ایسی ذات کا تصور کرنا جس کے دو ہاتھ ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر یہ جملہ تمثیلی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق پر خصوصی توجہ دی یا آپ کی تخلیق اپنی ذاتی نگرانی میں کی "یا اپنی قدرت سے بنایا" اور یہ بھی غالباً حضرت آدمؑ کی فضیلت کو اُجاگر کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے مگر ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ سورۃ ص کی آیات 72,71

اور 75 اور حدیث رسول مقبول ﷺ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی "تخلیق خصوصی" کی طرف اشارہ اور وکالت کرتی ہیں۔

چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے تیار ہو گیا تو "کن فیکون" کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس میں جان ڈال دی، بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے انسان کے بے جان مٹی کے پتلے میں "روح" پھونک کر اس میں جان ڈال دی یعنی اس پر آثار حیات فائز کر دیئے گئے جیسا کہ حدیث شریف اور سورۃ ص کی آیات 72,71 سے واضح ہو جاتا ہے۔
انسان خاکی ہے مگر اس ضمن میں علامہ اقبالؒ نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے:

ؔ فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

(بال جبریل)

جس کا مطلب ہے کہ آدم کا وجود خاکی ہے مگر اس کی روح خاکی نہیں ہے۔ وہ رُوح جو اسے آدمیت کے کمالات سے نوازتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، وہ اوپر کی شے ہے، وہ قادر مطلق کا پرتو ہے، وہ قدسی نور پارہ ہے، وہ کارخانۂ فطرت میں ترکیب پانے والی شے نہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

ؔ افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

(ضرب کلیم)

مٹی سے غذائیں نکلتی ہیں، غذا سے نطفہ بنتا ہے اور نطفے سے جسم انسانی کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔ اس لیے کہا گیا کہ اچھلتے ہوئے پانی سے، حقیر پانی سے، جمے ہوئے خون سے (لٹکتے ہوئے بارور شدہ بیضہ سے) انسان کی نسل شروع ہوئی اور یہ سلسلۂ تولید اللہ تعالیٰ نے رحم مادر سے شروع کر دیا، جو آج تک جاری ہے۔ یہ نہ صرف انسان سے متعلقہ ہے بلکہ تمام جاندار چرند و پرند میں بھی افزائش نسل کا یہی سلسلہ جاری کر دیا۔ بہرحال یہ واقعات عالم غائب یا عالم بالا کے ہیں، جن کی صحیح حقیقت و ماہیت صرف اللہ

تعالیٰ کی ذات بابرکات ہی جانتی ہے کیونکہ انسان کو بہت کم علم دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کی حقیقت و اصلیت جاننے سے قاصر ہے۔ یہ تو عالم بالا کی باتیں ہیں، یہاں عالم طبیعی کی بے شمار ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے ادراک سے باہر ہیں لہٰذا وہ مافوق الفطرتی عالم کے حقائق کا احاطہ اور ادراک کیسے کر سکتا ہے؟

اب ہم دوسرا نظریہ بیان کریں گے جسے "حیاتیاتی ارتقا کا نظریہ" کہتے ہیں۔ اس کے مطابق انسان کی تخلیق عالم غائب میں نہیں بلکہ زمین پر ہوئی اور وہ لاکھوں اربوں سالوں کے بعد مختلف مراحل طے کرتا ہوا انسان کی صورت میں نمودار ہوا۔ حیاتیاتی ارتقا میں بھی مٹی کا استعمال ہوا ہے۔ وہ کیسے؟ حیاتیاتی ارتقاء کا نظریہ بھی اس کا جواب دیتا ہے۔

2-- حیاتیاتی ارتقاء کا نظریہ (Theory of Biological Evolution)

زمین پر زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ زمین پر انسان کیسے پیدا ہوا؟

اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر انسان کمتر مخلوق کے ارتقاء (evolution) سے پیدا ہوا اور درجہ بدرجہ اس سے بہتر مخلوق ہوتا گیا اور موجودہ شکل و صورت اختیار کی اور اب جو درجہ انسان اختیار کرے گا یا کرتا جائے گا وہ اس کی اپنی جدوجہد سے ہوگا۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث تو مصنف کی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" میں ہو چکی ہے۔ یہاں ہم صرف اس پہلو کو اجاگر کریں گے کہ مخلوق کے ارتقاء میں مٹی نے کیا کردار ادا کیا؟

زمین پر زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا نہ کوئی فلسفی اور نہ کوئی سائنس دان جواب دے سکا۔ کوئی شخص اس راز کو نہیں پا سکا اور یہ سربستہ راز ہے اور شاید قیامت تک راز ہی رہے گا لیکن زمین پر کچھ شہادتیں (evidences) ملی ہیں جن سے زندگی کے آغاز کے بارے میں اندازے لگائے جا سکتے ہیں۔

1- قدیم ترین متحجرات (Oldest Fossils): متحجرات یا رکاز قدیم ترین جانوروں کی باقیات (remains) ہیں جو اربوں سال پرانے ہیں[1] اور پتھروں میں دفن ہوئے ملتے ہیں، لیکن ان جانوروں کے خدوخال اور جسامت وغیرہ اب بھی نمایاں ہیں اور

[1] پتھروں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

بعض کو دنیا کے عجائب گھروں میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کی درس گاہوں میں جہاں علم حیاتیات یا علم ارضیات (Biology and Geology) پڑھایا جاتا ہے، ان میں سے بعض متحجّرات کو طلباء کی رہنمائی کے لیے بھی محفوظ کر لیا گیا ہے اور تحقیقی تجربہ گاہوں میں رکھا گیا ہے۔

متحجّرات کے باقاعدہ مطالعہ نے ایک اہم مضمون کی شکل اختیار کر لی ہے، جسے انگریزی میں علم متحجّرات(Palaeontology) کہتے ہیں۔ اس مضمون میں نہ صرف جانوروں کے متحجّرات کا ذکر ہے بلکہ پودوں کے متحجّرات کا مطالعہ بھی شامل ہے، لہٰذا جانوروں اور پودوں، دونوں کے متحجّرات ملتے ہیں اور زمین کی کھدائی سے بھی ملتے ہیں جن کا تعلق محکمہ آثار قدیمہ سے بھی ہے۔ ماہر ارضیات ایسے متحجّرات پتھروں میں تلاش کرتے ہیں۔ متحجّرات یا رکاز کے تعارف کے بعد یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زندگی کا ظہور پانی اور مٹی کے ملاپ سے ہوا ہوگا جس کا ذکر آپ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں پڑھ چکے ہیں اور یہاں جس پانی کا ذکر ہو رہا ہے وہ سمندروں کا پانی ہے۔

2-- زندگی کا آغاز سمندروں کے پانیوں میں ہوا: یعنی جب زمین (مٹی) اور سمندر کے پانی کا ملاپ ہوا تو زندگی شروع ہوئی ہوگی۔ (مٹی، پانی اور فضا میں موجود کاربن، ہائیڈروجن، نائیٹروجن اور آکسیجن نے ایک کروٹ لی اور ان کے ملاپ اور خاص ترتیب سے زندگی شروع ہوگئی) یہ مٹی سمندروں کے پیندوں (bottoms) میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ قدیم ترین متحجّرات یا رکاز تہ در تہ چٹانوں میں ملتے ہیں جو 0.6 اور 0.5 ارب سال پہلے کے ہیں (یہ تقریباً 60 کروڑ سال پہلے کے عضو یہ ہیں)۔ اس زمانے کو ہم قدیم حیات (Cambrian) کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس زمانے کو متحجّرات کا زمانہ بھی کہتے ہیں چونکہ اسی زمانے کے قدیم حیات کے متحجّرات ملتے ہیں۔ یہ متحجّرات سادہ سمندری مخلوق تھی۔ اس کی پیچیدہ صورت وہ مخلوق ہے جسے ہم ٹرائی لوبائٹ (Trilobite) کہتے ہیں، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس زمانے کے درختوں کے رکاز نہیں ملتے۔ اس کا مطلب ہے کہ اولین زندگی کا آغاز ہی مٹی اور پانی کے ملاپ سے ہوا جب کہ زمین پر اُس زمانے کے جانوروں اور درختوں کے آثار نہیں ملتے۔ ایسا ملاپ سمندروں کی تہوں میں ہوا۔

خشک زمین کلی طور پر زندگی سے محروم تھی حتی کہ 400 ملین سال (40 کروڑ سال) پہلے زمین پر زندگی کا بھی آغاز ہو گیا۔ زمانہ قدیم حیات (Precambrian) سے پہلے کے کوئی متحجرات نہیں ملتے لیکن خوردبینی مشاہدے سے معلوم ہوا ہے کہ خورد متحجرات تھے جو کیمبریں دور (قدیم حیات) کے متحجرات کے آباؤاجداد ہوں گے۔

ٹرائی لوبائٹ نے اپنے آپ کو تقریباً 600 ملین سال (60 کروڑ سال) پہلے قدیم حیات کے سمندروں (Cambrian Oceans) میں ظاہر کیا اور یہ مخلوق جس کی جسامت ایک انسانی ہاتھ کے برابر تھی، 400 ملین سال (40 کروڑ سال) تک سمندروں کے پیندوں (Ocean Floors) میں رہی اور اب یہ امریکی ریاست، پن سلوینیا (Pennsylvania) میں ایک چونے کے پتھر کی صورت میں پائی گئی ہے۔ جنوبی افریقہ میں ایک رکاز جو 3.3 تا 3.0 بلین (ارب) سال پرانا ہے اور شمال جنوبی آسٹریلیا میں ایک رکاز ملا ہے جو 3.5 بلین سال (ارب) پرانا ہے۔ ان دونوں میں ایسی ساخت پائی جاتی ہے جو کسی جرثومے (bacteria) یا کائی (الجی Algae) کے خورد متحجرات ظاہر ہوتے ہیں جو پانی میں رہتے ہیں۔ بظاہر زمین کی تخلیق کے ایک ارب سال بعد زندگی زمینی سمندوں میں پہلے ہی متحرک (active) تھی۔

3-- ملر کا تجربہ: تیسری شہادت زندگی کے مبداء کو معلوم کرنے کا وہ کیمیائی تجربہ ہے جو ایک امریکی کیمیادان سٹینلے ملر (Stanley Miller) اور ہیرولڈ یورے (Harold Urey) نے 1952ء میں کیا۔ انہوں نے اپنے تجربے میں وہ ممکنہ حالات پیدا کرنے کی کوشش کی جن حالات میں زندگی کا آغاز زمین پر ہوا ہوگا۔ انہوں نے شیشے کے ایک ظرف میں جو کہ صراحی نما تھا، مندرجہ ذیل اشیاء استعمال کیں۔

1- پانی جس نے اس وقت کے سمندروں کی نمائندگی کی۔

2- ہائیڈروجن، امونیا اور میتھین گیسوں کا آمیزہ جس نے ہماری قدیم فضا کی نمائندگی کی۔

3- ایک برقی قوس (Arc) یا شرارہ استعمال کیا جس نے بادلوں کی کڑک چمک کی نمائندگی کی۔

اس اپریٹس (apparatus) کو جراثیم سے کلی طور پر پاک کر کے سیل (seal) کر کے چالو کر دیا گیا۔ اس تجربے میں برقی قوس (شرارے) کی موجودگی میں گیسوں کو

مسلسل پانی میں سے گزارا گیا اور ایسا ایک ہفتے تک جاری رکھا گیا۔ ایک ہفتہ بعد ملر اور یورے نے اس تجربے کو بند کر دیا اور بہت سارے نامیاتی مرکبات (organic compounds) جو اس تجربہ نے پیدا کیے، ان میں چار نمایاں مرکبات امینو ایسڈ (امینو ترشے) تھے جو کہ پروٹین (لحمیات)، فیٹی ایسڈ (fatty acids) اور یوریا میں بلڈنگ بلاکس کی حیثیت رکھتے ہیں، پائے گئے۔ امینو ایسڈ، کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن اور آکسیجن کے ایٹموں پر مشتمل تھے۔ بجلی کے شرارے سے حاصل شدہ توانائی نے استعمال کی گئی گیسوں کے ایٹموں کا ملاپ کر دیا اور ان کو ایسے مادہ میں تبدیل کر دیا جو زندہ جانوروں میں پایا جاتا ہے۔ سمندوروں میں زندگی کی ابتدا کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ شاید کبھی آتش فشاں پہاڑوں کا گرم لاوا جس میں سیلکا موجود ہوگی، سمندروں میں گر گیا ہوگا اور اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اور تجربہ کیا جائے جس میں گرم سیلکا (جو لاوا کی نمائندگی کرے) اور بالا بنفشی اشعاع (جو سورج کی روشنی کی نمائندگی کرے) تو پھر بھی ویسے ہی نتائج برآمد ہوں گے جو ملر کے تجربے سے حاصل ہوتے ہیں۔

شہاب ثاقب اور سیاروں کی بناوٹ سے یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ زمین کی قدیم فضا یا فضا اولیٰ وہ نہ تھی جس کے مساوی فضا ملر نے استعمال کی، لیکن شاید اُس وقت بھی زمین کی فضا کاربن ڈائی آکسائڈ، نائٹروجن اور آبی بخارات پر مشتمل تھی لیکن یہ تبدیلی ملر کے تجربے کو رد نہیں کرتی، مگر جب ان گیسوں کا آمیزہ ملر کے اپریٹس میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس اپریٹس کی دیواروں کے ساتھ ایک سیاہ رنگ کا کول تار جیسا مادہ چپک جاتا ہے جس میں بہت سارے نامیاتی سالمے ہوتے ہیں۔

ملر کا تجربہ زندگی پیدا نہ کر سکا!

ملر کے تجربے نے زندگی کی تخلیق نہ کی اور نہ ہی اُن حالات کی ہو بہو نقل کی جو نو عمر زمین (Young Earth) پر تھے لیکن اِس تجربے کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مختلف حالات میں فطری طور پر پیچیدہ نامیاتی سالمے (organic molecules) جنم لیتے ہیں چنانچہ اگر ہم وقت میں پیچھے کی طرف سفر کریں اور ان قدیم

سمندروں کے پانیوں تک پہنچ جائیں تو شاید ہم ان سمندروں کو ان نامیاتی مرکبات کے آمیزے سے بھرا ہوا پائیں گے، جسے عموماً اولین یخنی (Primordial Soup) کہتے ہیں۔
اگلا قدم یہ تھا کہ زندگی کے سفر کی طرف ان سمندروں میں حل شدہ نامیاتی مرکبات بڑے سالمے بنائیں۔ مثال کے طور پر امینو ترشے (amino acids) جو ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ کر کے پروٹین (لحمیات) بنا سکتے ہیں اور جب امینو ترشے ایک دوسرے کے ساتھ سربا سر ملتے ہیں تو پروٹین بنتی ہے اور پانی کا ایک سالمہ خارج ہو جاتا ہے۔
سمندروں میں بڑے سالموں کی پیدائش کا ایک مفروضہ یہ بھی ہے کہ سمندروں میں (مدو جزر کے ذریعے) پانی کی سمندر کی طرف پلٹنے والی لہروں نے ساحل پر کچھ پانی کے جوہڑ چھوڑ دیئے ہوں اور سورج کی تمازت سے ان جوہڑوں سے پانی بخارات کی صورت میں اڑ گیا ہو اور پیچھے امینو ترشوں کا محلول گاڑھا ہو گیا ہو جس سے پروٹین کی زنجیریں (chains) پیدا ہو گئی ہوں اور پھر واپس جاتی ہوئی سمندر کی لہر انہیں سمندر میں لے گئی ہو۔ اگرچہ ان پروٹین سالموں میں ہزاروں کی تعداد میں امینو ایسڈ ہو سکتے ہیں لیکن وہ زندہ نہیں تھے اور پھر ایسے سالموں میں پیدائش کی صلاحیت بھی نہ تھی، یہ محض ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے اور توڑے بھی جا سکتے تھے۔ چونکہ کچھ سالمے دوسرے سالموں کی نسبت زیادہ قیام پذیر ہیں، تاہم کچھ سالمے ایک دوسرے کے ساتھ آسانی سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ یہی اندھا کیمیائی ارتقا مختلف اقسام کے چھوٹے سالموں کے ارتکا کا باعث بنا ہو گا جن سے بڑے قیام پذیر سالمے وجود میں آ گئے ہوں گے۔ آخر کار کہیں انہی سمندروں میں کسی سالمے نے کوئی ایسی شکل و صورت اختیار کر لی ہو گی کہ وہ اپنی ہی کاپی (نقل) پیدا کرنے کا اہل ہو گیا ہو گا اور یہی کیمیائی ارتقاء زندہ چیزوں کا حیاتیاتی ارتقا (Biological Evolution) ہو گیا۔

ایک متبادل نظریہ

ایک متبادل نظریے کے مطابق قدیم جاندار مثلاً زمین پر اپنی ہی نقل پیدا کرنے والے یا اپنی نسل کو بڑھانے والے سالمے دُم دار ستاروں (Comets) یا شہاب

ثاقب (Meteorites) کے ذریعے یہاں زمین پر آئے۔ ریڈیو ہیت دانوں نے ستاروں کے مابین گیسی بادل میں نامیاتی سالموں کی ایک ورائٹی (variety) دیکھی ہے اور اسی طرح کے مرکبات شہاب ثاقب میں بھی پائے گئے ہیں اور یہ سالمے خلا میں بہت جلد بن جاتے ہیں۔ بعض محققین نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اپنی نسل بڑھانے والے زندہ سالمے خلا میں پیدا ہوئے اور پھر بارش کے ذریعے زمین پر آ گئے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر ہر ستارے پر زندگی کا تخم موجود ہے۔ تاہم سائنس کا کوئی نظریہ خواہ کتنا ہی خوش کن کیوں نہ ہو، مگر جب تک اسے ٹیسٹ نہیں کیا جاتا اور پھر ایسا نظریہ جسے ہم تجربہ گاہ کی کسوٹی پر پرکھ نہیں سکتے، سائنس میں بے کار ہے اور اس کا کوئی استعمال نہیں۔ چنانچہ ماہرین جو زندگی کے مبداء کی کھوج لگا رہے ہیں وہ اسی مفروضے پر کام کر رہے ہیں کہ اپنی نسل پیدا کرنے والے سالمے سمندروں میں ہی معرض وجود میں آئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے زمین پر کون آیا؟ اپنی نسل پیدا کرنے والے سالمے یا پھر خلیہ (Cell)؟ چونکہ ہمارا خیال ہے کہ زندگی کا بنیادی یونٹ خلیہ ہے لہٰذا یہ سوال بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ حقیقت میں کیمیائی ارتقاء کے دوران ہی خلیہ پیدا ہو گیا ہو گا۔ اگر امینو ایسڈ کے خشک آمیزہ کو گرم کیا جائے تو یہ امینو ایسڈ لمبے پروٹین کی مانند سالمے بنا دیتے ہیں، جب انہیں پانی میں ڈالا جائے تو یہ اکٹھے ہو کر خوردبینی کرے (spheres) بناتے ہیں جو بالکل خلیوں کی طرح کام کرتے ہیں، پھر ان کے اوپر پتلی جھلی (membrane) والی سطح ہوتی ہے اور یہ اپنے اردگرد کے ماحول سے میٹیریل (مادے) کو جذب کر لیتے ہیں، جسامت میں بڑھتے ہیں اور خلیوں کی طرح تقسیم بھی ہو جاتے ہیں اور یہ بڑے سالمے بھی نہیں رکھتے جو اپنے آپ کی نقل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ قیاس غالب ہے کہ خلیہ پہلے پیدا ہوا اور تولیدی سالمے (reproducing molecules) بعد میں۔ ایک متبادل نظریہ اسی مفروضے پر انحصار کرتا ہے کہ تولیدی سالموں نے پہلے فروغ پایا مگر ایسے سالموں نے اپنے آپ کو خطرے میں ضرور ڈالا ہو گا، اگر وہ برہنہ سالمہ تھا۔ چنانچہ ایسا سالمہ جس نے اپنے اوپر ایک پروٹین کا حفاظتی غلاف (یا جھلی) چڑھالی ہو گی تو اس کے زندہ رہنے کے چانس (مواقع) زیادہ ہوں گے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر خلیے کی حفاظتی جھلی حیاتیاتی ارتقاء

کے بعد کی ہو گی۔

پہلی قدیم زندہ مخلوق یقیناً واحد خلیہ عضویہ (single cell organisms) پر مشتمل ہو گی، جدید بیکٹیریا یا سادہ سمندر کی کائی (Algae) کی مانند۔ جو قدیم ترین متحجرات ہیں ان کو سٹرومیٹولائٹس (Stromatolites) کہتے ہیں اور یہ ساختیں نیلی مائل سبز الجی یا بیکٹیریا نے پیدا کیں یعنی ایسے بیکٹیریا نے جنھوں نے کھردری جگہوں (mat) میں پرورش پائی ہو گی اور سال بہ سال اپنے اوپر معاون کی تہیں جمع کرتے ہوں گے جو بعد میں متحجرات میں تبدیل ہو گئے۔ ان قدیم ترین متحجرات میں سے ایک 3.5 بلین سال پرانا ہے۔ جب ہماری زمین نو عمر تھی اور سمندری کائی یا الجی عام تھی تو یہ ابتدائی فضا آکسیجن کی ایک معمولی مقدار پیدا کرنے کے قابل ہو گئی ہو گی۔ حالیہ مطالعات سے ظاہر ہوا ہے کہ آکسیجن کی مقدار 0.1 فی صد ہی کافی ہو گی جس نے زمین پر مخلوق کو بالا بنفشی (سورج کی) شعاعوں سے حفاظت کے لیے ایک سکرین (ڈھال) مہیا کر دی ہو گی۔ ارتقاء نے ایسی مخلوق کو کیسے تشکیل کیا، (شکل و صورت دی؟) کہ وہ قدیم سمندروں میں رہنے لگی، ان کو کیسے کثیر خلوی جرثوموں میں ڈھالا اور کیسے ان میں جنسی تولید (sexual reproduction) کا عمل شروع کیا؟ اسی طرح ضیائی تالیف اور عمل تنفس کی کہانی بھی دلچسپ ہے۔ یہ عمل کیسے شروع ہوئے؟ ان سب سوالوں کے جوابات ممکن نہیں چونکہ ان پر پراسراریت کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور یہ باتیں انسان کی عقل و فہم سے باہر ہیں البتہ مفروضے ہیں، قیاس آرائیاں ہیں اور محض اندازے ہیں۔ تاہم ایک بات یقینی ہے کہ زندگی کا آغاز پانی اور زمین (مٹی) کے ملاپ سے ہوا جس کی گواہی قرآن حکیم بھی دے رہا ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور پانی سے ہوئی۔ لہٰذا یہ قیاس درست ہے کہ زندگی سادہ کیمیائی تعاملات کے ذریعے شروع ہوئی ہو گی، جنھوں نے لمبے نامیاتی پیچیدہ سالمے پیدا کر دیئے اور کسی وقت کوئی سالمہ ڈی این اے (DNA) کی مانند پیدا ہو گیا ہو گا جس نے خود غرضانہ ارادے سے اپنی بقا کی حفاظت کی ہو گی۔ چنانچہ ڈی این اے کی پیدائش کیمیائی اور حیاتیاتی ارتقاء کی وجہ سے ہوئی اور اس ارتقا کی سمت بقا کی طرف تھی جس نے اس میں انفرادیت اور ذہانت پیدا کی۔ چنانچہ زمین پر زندگی کی اقسام کا

ارتقاء شروع ہو گیا اور ان انواع کی اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے اپنے ماحول سے مطابقت کرنا نہایت ضروری تھا، اور انواع بقائے اصلح (Natural Selection) کے ذریعہ ارتقاء پذیر ہوتی ہیں۔ زندگی کا لازمی حصہ ڈی این اے[1] ہے، لہٰذا اس کے بارے میں بھی ان قارئین کو بتادینا ضروری سمجھتا ہوں، جو سائنس یا حیاتیات کا علم نہیں رکھتے۔

ڈی این اے (DNA) کا کردار

(Deoxyribonucleic Acid)

زمین پر تمام زندگی کی بنیاد کاربن کیمیا ہے یعنی ایسے سالموں پر جو کاربن کی زنجیروں (chains) پر مشتمل ہیں۔ زمینی زندگی کو کنٹرول کرنے کے لیے جو معلومات (data) ضروری ہیں یا بالفاظ دیگر عضویہ کی کارکردگی کو برقرار رکھنے کے لیے "لمبے کاربنی زنجیری سالمے" ہیں، جنہیں ڈی این اے کہا جاتا ہے۔ یہ ڈی آکسی ربونیو کلیک ایسڈ (Deoxyribonucleic Acid) کا مخفف ہے جو کہ خلیے (Cell) میں اس کے مرکزہ کے اندر دھاگے نما لمبے سالمے کروموسوم (chromosome) کی شکل میں ہوتے ہیں اور یہی ڈی این اے تخلیقی سرگرمیوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایک جاندار چیز میں، جسم انسانی میں، حیوان میں یا کسی بھی عضویہ (organism) میں ایک خلیہ بھی ہو سکتا ہے اور اربوں خلیے بھی ہو سکتے ہیں، مگر ہر خلیے کا ایک مخصوص کام ہے لیکن ہر جاندار میں خلیے کی ساخت اور خوبیاں (خواص) ایک جیسی ہوتی ہیں۔

خلیے کے جسم کو مایۂ خلیہ یا مایۂ حیات (Cytoplasm) کہتے ہیں جس کے اندر مرکزہ (nucleus) ہوتا ہے۔ مرکزے کا یہ کام ہے کہ وہ مایۂ حیات (سائی ٹو پلازم) کو ہدایات جاری کرتا ہے بلکہ بہت سارے کام کرنے میں، مثلاً ایسی نامیاتی اشیاء بنانے میں جو ایک جاندار (عضویہ) کی نشو و نما، بقا اور افزائش نسل کے لیے ضروری ہیں۔ ڈی این اے کی ساخت ایک لمبی اور خم دار (twisted) سیڑھی کی مانند ہوتی ہے۔ سیڑھی کے دونوں ریل (مثلاً بانس وغیرہ) یکے بعد دیگر فاسفیٹ اور شکر کے بنے ہوتے ہیں اور اس سیڑھی

[1] ڈی این اے (DNA) کے بارے میں "کائنات میں آثار حیات" پر ایک باب مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" میں مطالعہ فرمائیے جو جنگ پبلشرز لاہور نے شائع کی ہے۔

کے ڈنڈے ایسے سالموں کے جوڑوں (pairs) پر مشتمل ہوتے ہیں، جنہیں اساس (bases) کہتے ہیں۔ یہ کروموسومز نیوکلیک ایسڈ پر مشتمل ہوتے ہیں جو خود نیوکلیوٹائیڈز (nucleotides) کی زنجیروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ تمام جانداروں میں موجود ہوتے ہیں جن میں یہ جنیٹک کوڈ (Genetic Code) کے جمع کرنے اور منتقل کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ڈی این اے چار مختلف اجزا، جن کو نیوکلیوٹائیڈز کہتے ہیں، سے مل کر بنتا ہے۔ یہ نیوکلیوٹائیڈز ہر کروموسوم میں ایک خاص ترتیب سے پروئے ہوتے ہیں۔ یہی ترتیب مختلف جانوروں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔ مختلف جانوروں میں یہی سالمہ موروثی نظام کا مرکزی کردار ہے نہ صرف یہ کہ ڈی این اے نسل درنسل والدین کی خصوصیات بچوں میں منتقل کرنے کا موجب بنتا ہے، بلکہ خلیے کے اندر یا جسم کے اندر جو عوامل (ساختی یا فعلی) رونما ہوتے ہیں اسی سالمے کے مرہون منت ہوتے ہیں۔

حیاتیاتی نظام کی تمام ساختی یا فعلی خصوصیات کسی نہ کسی خامرہ (enzyme) یا لحم (protein) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ خامرہ یا لحم ڈی این اے ہی بناتا ہے اور اس خامرہ یا لحم بنانے کا پورا بلیوپرنٹ (blueprint) ڈی این اے میں موجود ہوتا ہے اور یہ بلیوپرنٹ نیوکلیوٹائیڈ کی ایک خاص ترتیب سے ہوتے ہیں۔ یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ کوئی بھی خلیہ اپنے مخصوص قیمتی پیٹرن کا خطرہ مول نہیں لیتا کہ وہ براہ راست پروٹین بنائے بلکہ ڈی این اے خلیہ کے مرکز میں حفاظت سے رہتا ہے اور اپنے پیٹرن کی ایک نقل تیار کرتا ہے وہ بھی لمبے کاربنی زنجیری سالمے پر مشتمل ہوتی ہے اور اسے آر این اے (RNA) کہتے ہیں یعنی ربونیوکلیک ایسڈ (Ribonucleic Acid)۔ اب یہ آر این اے کا کام ہے کہ وہ مرکزہ سے باہر معلومات لے جائے اور پھر سادہ سالموں، جنہیں امینو ایسڈ کہتے ہیں، سے پروٹین کو تیار کرے۔ یاد رہے کہ امینو ایسڈ (amino acids)، جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں، پروٹین کے بلڈنگ بلاکس ہیں۔ چنانچہ ''آر این اے'' ایک طرح کا پیغام رساں کا کام سرانجام دیتا ہے اور ایسے ہی ہے جیسے کوئی مرکزی دفتر (خلیے کا مرکزہ) سے ضروری منصوبوں کی کاپی کو تعمیر کی جگہ پر لے جائے۔ آر آین اے کے بارے میں انگریزی میں یوں کہہ سکتے ہیں:

"RNA acts as a messenger carring copies of the necessary plans from the central office to the construction site."

چنانچہ ڈی این اے ایک pattern سیٹ کرتا ہے کہ ہر خلیے نے کس قسم کی پروٹین بنانی ہے، جس کی جاندار کو ضرورت ہے۔ اس میں وراثتی کوڈ بھی ہوتا ہے جو خلیے کی تقسیم کے ذریعے نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے اسی لیے اس کو خلیے کا کنٹرول روم کہتے ہیں۔ پھر اس کی یادداشت اور معلومات کو سٹور کرنے کا یونٹ بھی ہوتا ہے۔ (یہ نیوکلیک ایسڈز (ڈی این اے) زندہ جانوروں میں ایک نہایت ہی خفیف مقدار میں ہوتے ہیں (مثلاً انسان میں ڈی این اے کی مقدار ایک چائے کے چمچ کے برابر ہوتی ہے)۔ یہ ساری معلومات مثلاً کسی بچے کا رنگ کیسا ہوگا، بالوں کا رنگ کیسا ہوگا، آنکھوں کا رنگ کیسا ہوگا، دانت کیسے ہوں گے، جسمانی ساخت کیسی ہوگی؟ وغیرہ وغیرہ، یہ سب معلومات ڈی این اے میں محفوظ ہوتی ہیں۔ یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی میں کس عمر میں کوئی حادثہ رونما ہوگا، یہ بھی ڈی این اے میں بے ترتیبی (irregularity) ظاہر کرتا ہے یا جین میں کوئی تبدیلی ہوگی۔

جین (Gene) کیا ہے؟

ڈی این اے کا وہ حصہ جس میں ایک مکمل خامرہ یا لحم بنانے کی مکمل اطلاع یا انفارمیشن موجود ہو "جین" کہلاتا ہے۔ صحیح خامرہ یا لحم بننے کی صورت میں جسمانی، ساختی یا نسلی نظام صحیح اور کارآمد رہتا ہے اور جاندار بیماری سے پاک رہتا ہے اور اگر جین میں کوئی تبدیلی آجائے جس کو حیاتیاتی اصطلاح میں نوعی تبدیلی (mutation) کہتے ہیں تو وہ خاص خامرہ یا لحم جو بننا چاہیے تو وہ نہیں بن پائے گا، نتیجتاً وہ ساختی یا فعلی خصوصیات جو ظاہر ہونی چاہئیں تھی، اب انجام نہیں پا سکیں گی۔ مثال کے طور پر انسانی رنگت ایک خاص لحم میلامین (Melamin) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ کیمیکل بہت سارے کیمیائی عوامل میں سے ایک خاص خامرے کا مرہون منت ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں بنتا ہے۔ ان میں سے ہر خامرہ ایک خاص جین سے بنتا ہے۔ اگر یہ جین صحیح ہے تو صحیح خامرہ بنے گا تو آخر کار میلامین (Melamin) بنے گی جو کہ جلد کی حفاظت کے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر کسی

وجہ سے اس جین میں نوعی تبدیلی (mutation) ہو جائے تو مطلوبہ لحم نہیں بنے گا، جس کے نتیجہ میں جلد میلامین سے بالکل عاری ہوگی۔ بھوری چمڑی والے چندھی آنکھوں والے بچے Albinos اسی طرح بنتے ہیں اور یہ لوگ دھوپ اور روشنی کو بالکل برداشت نہیں کر سکتے۔

حیاتیاتی ارتقاء کی کہانی کو مختصر کرتے ہوئے اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پروسیس کے ذریعے زمین پر زندگی سمندروں تک محدود رہی۔ زندہ چیزوں کی آبادی آج سے 400 ملین سال (40 کروڑ سالوں) سے زمین پر بسیرا کیے ہوئے ہے اور زمین کی تاریخ یا عمر 4.6 بلین سال (4.6 ارب سال) ہے۔

اگر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تخلیق خصوصی کے نظریہ سے ہوئی ہے تو آپ آج سے تقریباً 15 تا 20 ہزار سال پہلے کے عرصے میں اس زمین پر تشریف لائے ہوں گے (اگرچہ ہمارے بعض مفسرین قرآن کا خیال ہے کہ آپ آج سے 5 ہزار یا 7 ہزار سال پہلے زمین پر تشریف لائے) جو کہ کسی بھی لحاظ سے درست نہیں لیکن اگر حیاتیاتی ارتقاء کے نظریے کے مطابق ہوئی ہے تو پھر لاکھوں سال پہلے پیدا ہوئے ہوں گے لیکن اگر انسان کی زندگی کا آغاز خلیہ واحدہ سے ہوا تو یہ آج سے 3.5 ارب سال پہلے کی بات بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اب قارئین پر منحصر ہے کہ وہ کس نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن اور سائنس دونوں کے حوالے سے دلائل پیش کر دیئے ہیں لیکن ایک بات تو واضح ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی اور پانی کے ملاپ سے ہوئی۔ تخلیق خصوصی میں بھی پانی کا استعمال مٹی کو گوندھنے کے لیے ہوا اور حیاتیاتی ارتقاء میں بھی پانی سمندروں کی صورت میں موجود تھا۔ دونوں صورتوں میں انسان نے خوراک زمین سے حاصل کی جس سے وہ تمام اجزاء حاصل کیے جو جانداروں میں خون بنانے کے لیے ضروری تھے اور خون سے نطفہ بنا اور نطفے سے انسان کی پیدائش ہوئی (بلکہ سب جانداروں میں بھی یہی مادہ پیدا ہوا) اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس نطفے سے تولید کا عمل ماں کے رحم سے جاری کر دیا۔

اب قارئین کی خدمت میں قرآن کی ایک اور آیت پیش کرتا ہوں جس میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کو زمین سے پودے کی طرح اگایا اور یہ بات حیاتیاتی ارتقاء کی وکالت

کرتی ہے۔

ارشاد ہوا:

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝

ترجمہ: اور اللہ نے تم (انسانوں) کو زمین سے ایک پودے کی طرح اگایا پھر تم کو اسی (زمین) میں واپس کر دے گا اور پھر تم کو (کسی اور ڈھنگ سے زمین سے) باہر نکالے گا۔

دوسرا ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی طرح اگایا (پیدا کیا) پھر وہ تمہیں اس میں لوٹائے گا اور تمہیں دوبارہ (اس سے) نکالے گا۔

(سورۃ نوح 71، آیت 18,17)

یعنی اللہ کی قدرت کو انسان اپنی پیدائش پر غور کر کے سمجھے کہ پہلے اس نے ہمارے بدن کے تمام ضروری اجزا (خوراک کی صورت میں) زمین میں پرورش کیے اور ان سے جیتا جاگتا انسان بنا کر کھڑا کر دیا اور یہ بھی ایسے ہی ہوا جیسے درخت زمین سے اگتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم چل پھر سکتے ہیں اور درخت ایک جگہ کھڑے رہتے ہیں۔ پھر جب ہم مر جائیں گے اور دوبارہ اسی مٹی میں مل جائیں گے، اس کے بعد قیامت کو وہ پھر ہمیں اٹھا کر کھڑا کر دے گا اور ہم زمین سے باہر نکل آئیں گے یعنی دوبارہ اسی مٹی سے زندہ کر دیے جائیں گے۔

گذشتہ بحث سے تو یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا یعنی انسان کا تخلیقی مادہ مٹی ہے اور پھر مٹی میں ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں (خواہ یہ اجزا سمندروں کے پانیوں میں موجود تھے، زمین پر موجود تھے یا زمین کی فضا میں موجود تھے جو بارش کی صورت میں زمین میں جذب ہو گئے) جن سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ اب ایک اور سوال قارئین کے ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان تو زمین پر مٹی سے پیدا ہوا، باقی زندہ مخلوق کس مادے سے پیدا ہوئی؟ اس سوال کا جواب بھی قرآن حکیم نے

بڑی فصاحت سے سورۃ الانعام 6 کی آیت 38 میں دے دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ

ترجمہ: اور جتنے بھی حیوانات زمین میں ہیں اور جانور جو اپنے پروں پر اڑتے پھرتے ہیں، یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح مخلوقات ہیں۔

دوسرا ترجمہ: اور زمین میں کوئی چلنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی پرندہ اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتا ہے مگر ہر ایک تمہاری طرح اُمت ہے۔ (سورۃ الانعام 6، آیت 38)

اس آیت کریمہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ باقی جانوروں (پرندوں اور حیوانوں) کا مادۂ تخلیق بھی مٹی ہے۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات اور جدید سائنسی نظریات باہم متفق ہیں کہ انسان کی پیدائش اور دیگر زندہ مخلوقات کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی اور پانی نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا۔ اگر پانی نہ ہوتا تو زمین پر زندگی کی ابتدا نہ ہوسکتی تھی۔ آئندہ زندگی میں بھی خوراک، جو زمین سے ہی حاصل ہوتی ہے اور پانی کے بغیر کسی بھی مخلوق کا زمین پر زندہ رہنا ناممکن ہو جاتا۔ باقی علم تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو ہے۔ وہ عظیم ہستی ہے جو چاہے کر سکتی ہے۔ مٹی اور پانی کے بغیر بھی انسان کی تخلیق کر سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتا دیا کہ اس کی تخلیق مٹی اور پانی سے ہوئی، پھر نطفہ سے یعنی ماں کے پیٹ سے۔

یونانی فلسفی ایمپیڈوکلیز (Empedocles 430 تا 400 ق م) جو ایک سیاست دان، مذہبی مفکر، شاعر اور طبیب بھی تھا، کا عقیدہ تھا کہ دنیا کی تمام اشیاء چار عناصر مٹی، ہوا، پانی اور آگ کے مختلف تناسب کی بدولت معرض وجود میں آتی ہیں، مثلاً تانبے کے متعلق اس کا خیال تھا کہ یہ مٹی، پانی اور آگ کے امتزاج سے وجود میں آیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ طب نے بھی آب، آتش، خاک، (مٹی) اور باد (ہوا) کو عناصر ترکیبی قرار دیا تھا جو کہ اب غلط ہو چکا ہے یعنی عناصر اربعہ کا نظریہ باطل ہو چکا ہے اور اس وقت 103 عناصر دریافت ہو چکے ہیں۔ اس سے بھی یہ اور قرآنی آیات سے بھی یہ بات بالکل واضح

ہو جاتی ہے کہ انسان کے لیے اس کا خمیر اور سرشت مٹی ہونا ثابت ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس باب میں خلیہ، ڈی این اے (DNA) اور جین کی اصطلاحات کی تشریح کر دی گئی ہے تاکہ اس پس منظر میں اگلے باب کے مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے جو کتاب حیات یا انسانی زندگی کے راز سے متعلق ہے۔

یہ آفتاب کیا، یہ سپہر بریں کیا ہے!
سمجھا نہیں تسلسل شام و سحر کو میں
کھلتا نہیں مرے سفر زندگی کا راز
لاؤں کہاں سے بندہ صاحب نظر کو میں
حیران ہے بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
رومیؔ یہ سوچتا ہے کہ جاوں کدھر کو میں
اقبالؔ (بال جبریل)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک غور طلب بات

ایک بیج میں کتنا بڑا درخت ہوتا ہے اور درخت میں کتنے بیج ہوتے ہیں۔ گویا ایک بیج میں ان گنت بیج ہیں اور اسی طرح ایک درخت میں لاتعداد درخت ہیں۔ کیا یہ غور کرنے والی بات نہیں؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چوتھا باب

انسانی زندگی کے راز

کیا سائنس دانوں نے زندگی کا راز پا لیا ہے؟

انسان کے اندر زندگی کا راز کیا ہے؟ گذشتہ باب میں آپ نے خلیہ (Cell) کے بارے میں پڑھا ہے کہ وہ زندگی کا بنیادی یونٹ ہے۔ اگرچہ سائنسدانوں نے خلیے کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لی تھیں مگر وہ جزوی اور نامکمل تھیں، مثلاً خلیہ کے اندر کیا ہے؟ ڈی این اے (DNA) کیا ہے؟ جین (Gene) کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ اور خاص طور پر ڈی این اے کی تشکیل کرنے والے 3 ارب سالموں کی شناخت ایک مسئلہ بنا ہوا تھا۔ اگرچہ سائنسدان کئی عشروں سے تحقیق کر رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ جس دن انہوں نے نامیاتی مادے کے رازوں کو پا لیا، اس دن ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ انسانی جسم میں پروٹین اور اس کے افعال کو سمجھنا سائنسدانوں کے لیے دقت طلب کام تھا۔ پروٹین کی ماہیت ایک ایسا سربستہ راز تھی جس کو پانے کے لیے دنیا بھر میں سوا سو سال سے ہزاروں سائنسدان تحقیق کر رہے تھے، بالآخر وہ انسانی جین کے کوڈ (راز) کی ڈی کوڈنگ (راز کشائی) کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کا اعلان پیر کے دن 26 جون 2000ء کو کیا گیا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دیگر ایجادات و انکشافات کی طرح اس انکشاف کا سہرا ابھی یورپی اقوام کے سر ہے اور اس میں مسلمانوں کی خدمات (contribution) صفر ہیں۔ شاید علامہ اقبال نے اسی موقع اور زمانے کے لیے یہ شعر کہا تھا!

؎ تیرے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہہ دے
مسلمان سے حدیث سوز و سازِ زندگی کہہ دے
(بانگ درا)

جینز پر نئی تحقیق (New Research on Genes)

پیر 26 جون 2000ء تاریخ عالم کا ایک یادگار دن بن گیا جب انسان کتابِ زندگی

کے اوراق پر ثبت خفیہ تحریر کا مفہوم جاننے میں کامیاب ہو گیا۔ دو بڑی طاقتوں کے سربراہوں امریکی صدر بل کلنٹن اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر نے انتہائی مسرت وطمانیت اور فاتحانہ لہجے میں یہ خوشخبری دنیا کو سنائی کہ

"انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے حسین تخلیق یعنی زندگی کے سربستہ اسرار کھولنے میں کامران ہو گیا ہے۔"

دنیا بھر کے 18 ملکوں کے متعدد سائنسدان گزشتہ دس برسوں سے اس کوشش اور جدوجہد میں مصروف تھے کہ کس طرح وہ انسانی ڈی این اے (DNA) میں موجود تین ارب سالموں کی "منظم ترتیب" کے ذریعے جینیاتی کوڈ کا معمہ حل کر سکتے ہیں؟ اس کوشش کو ہیومن جینوم پروجیکٹ (Human Genome Project) کا نام دیا گیا۔ اس منصوبے پر لاکھوں ڈالر خرچ کیے گئے۔ ان سائنس دانوں کو یقین تھا کہ اگر وہ انسان کے جینیاتی کوڈ کا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ بآسانی یہ معلوم کر سکیں گے کہ کسی فرد کو اپنی زندگی میں کس قسم کے امراض لاحق ہو سکتے ہیں؟ اس کا موجودہ جسمانی نظام کس حالت میں ہے؟ اس مقصد کے لیے انہیں تین ارب انفرادی کیمیائی حصوں کی منظم ترتیب کا بالکل صحیح تعین کرنا تھا۔

26 جون 2000ء جدید میڈیکل ریسرچ کی تاریخ کا ایک یادگار دن تھا جب گزشتہ دس برسوں سے زیادہ عرصہ کوشش اور جدوجہد میں مصروف ان سائنس دانوں نے یہ اعلان کیا کہ انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ انسان کا ایک سادہ "جینیاتی نقشہ" تیار کر لیا ہے۔ جدید میڈیکل ریسرچ اور سائنس کا یہ ایسا انقلاب آفریں کارنامہ ہے جس کے اثرات انسانی معاشرے پر نہایت دُور رس اور دیرپا ہوں گے۔ ایک سائنس دان نے کہا:

"اب ہم انسانی تاریخ کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں پہلی بار ہمارے پاس ان احکامات اور ہدایات کا ایک ایسا مجموعہ موجود ہے جن کے تحت انسانی جسم وجود میں آتا ہے۔"

انسانی جسم میں مختلف قسم کے لاکھوں تانے بانے ہیں، ہر حصے کی ساخت اور

اس کے خواص اسے سونپی گئی ذمہ داریوں کے عین مطابق ہیں۔ چنانچہ اس کرہ ارض پر موجود ہر جان دار کے لیے قدرت کی عطا کردہ مخصوص ہدایات یعنی خلیوں Cells کے مرکزی حصے نیوکلیس (مرکز) میں بند ڈی این اے کی شکل میں محفوظ ہوتی ہیں۔ ڈین این اے کائنات کا انتہائی پیچیدہ سالمہ ہے جو بذات خود تین ارب چھوٹے سالموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایسا ہر چھوٹا سالمہ ڈی این اے کی بنیاد کہلاتا ہے۔ حیات کا پوشیدہ راز اور خفیہ کوڈ بھی یہی ہے۔ جس طرح کمپیوٹر میں تمام ہدایات اور معلومات محفوظ ہوتی ہیں، بالکل اسی طرح ڈی این اے میں حیات کا پیچیدہ کوڈ بھرپور طریقے سے کار فرما ہوتا ہے، جسے طبی اصطلاح میں "جینیاتی کوڈ" کہا جاتا ہے۔ بیماری، صحت، مزاج، خواص، عادات و طوار، رجحانات، میلانات، رنگ و نسل غرض کہ انسان کی تمام موروثی اور انفرادی خصوصیات اسی جنٹیک کوڈ کی مرہون منت ہیں جسے ڈی این اے کی صورت دی گئی ہے۔ ڈی این اے (DNA) کا براہ راست تعلق انسان کی موروثی اور تولیدی صلاحیتوں اور خصوصیات سے ہوتا ہے۔ آیئے یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جینوم (Genome) سے آخر کیا مراد ہے؟ ڈی این اے کی وہ کلی اور مجموعی مقدار جو کسی بھی ذی حیات کے خلیوں میں موجود ہے اسے جینوم (Genome) کہا جاتا ہے۔ تین بلین میں سے دو بلین سالموں کی صحیح اور درست گنتی اور شناخت اس سے قبل کی جا چکی تھی جو انسانوں میں ڈی این اے کی تشکیل کرتے ہیں۔ انسانی جسم کے ہر خلیے میں جلد سے پٹھوں اور جگر تک (خون کے سرخ خلیوں کے سوا) ڈی این اے کی ایک کاپی ہمیشہ موجود ہوتی ہے۔ اس تجربے کی مکمل کامیابی کی صورت میں یہ بھی ممکن ہو سکے گا کہ کسی بچے کی شکل و صورت، ذہنی اور جسمانی ساخت، شخصیت، مزاج اور دیگر خصوصیات کا رحم مادر ہی میں پیشگی تعین کیا جا سکے۔ اس طرح انسانی جسم اور زندگی کا بنیادی تشکیلی خاکہ اور نقشہ سمجھ لینے کے بعد ہم نوع انسانی کے اشرف المخلوقات ہونے کا راز بھی دریافت کر لیں گے۔ یہ خیال بھی بے حد دلکش ہے کہ ڈاکٹر ہمارے جینز (genes) کا ایک قطرہ شیشے کے ٹکڑے پر رکھتے ہی یہ معلوم کر لیا کریں گے کہ ہمارے مثانے کا بڑھا ہوا غدود جس میں کینسر کی علامات موجود ہیں، در حقیقت جان لیوا ہے یا نہیں؟ بلڈ کینسر کی صورت میں کون سی دوا ہمارے لیے

کارگر ثابت ہوگی؟ اسی طرح ہمارے بچوں کی جینز (genes) کا تجزیہ نہ صرف مکمل ہو سکے گا بلکہ ہم یہ بھی جان پائیں گے کہ آگے چل کر اگر انہیں دل کی بیماری لاحق ہوگی تو ان کے بچنے کے کتنے امکانات ہوں گے۔

ہیومن جینوم پروجیکٹ تھری (Human Genome Project III) کو امریکہ، برطانیہ، چین، فرانس اور جاپان نے مل کر تیار کیا تھا۔ اس کامیابی کی بدولت میڈیکل سائنس، علاج اور ادویات کی دنیا میں ایک بہت بڑی تبدیلی رونما ہوگی کیونکہ اب ہر شخص کے انفرادی اور مخصوص جینیاتی کوڈ کے مطابق اس کے لیے الگ دوا تیار کی جائے گی اور کسی بھی مرض کے ظاہر ہونے سے بہت پہلے ہی اس کی نشاندہی اور تشخیص کی جائے گی۔ انسانی جینوم (Genome) کی ترتیب کے مطابق کسی بھی مہلک بیماری کا علاج کیا جا سکے گا کیونکہ انسان کے جینز (genes) تک پہنچنے کا نقشہ اور راستہ اب دریافت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ انسان کے جنٹیک کوڈ کو مقررہ وقت سے پہلے ہی مکمل کر کے ایک ایک جینز کی شناخت کر لی جائے گی کہ ان میں سے کون سا جینز جسم کے کس حصے کو کنٹرول کرتا ہے؟ انسان کے جنٹیک کوڈ کا نقشہ بنا کر اس سلسلے کا پہلا بڑا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس تاریخی واقعے کے سلسلے میں وہائٹ ہاؤس میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے کہا:

> ”بلاشبہ نوع انسانی کی پوری تاریخ میں بنایا جانے والا یہ ایک اہم ترین اور حیرت انگیز نقشہ ہے۔“

انہوں نے اس کارنامے کو سراہتے ہوئے مزید کہا:

> ”آج ہم اس زبان کا علم حاصل کر رہے ہیں جس میں خداوند تعالیٰ نے یہ زندگی تخلیق کی ہے۔ یہ بیشتر انسانی امراض کی تشخیص اور علاج کے حوالے سے ایک بڑا انقلاب ہے۔“

انسان کے جنٹیک کوڈ کو اسمبل (assemble) کرنے کے بعد اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ پارکنسن، ذیابیطس اور کینسر جیسے مہلک امراض کی جینیاتی جڑوں کا خاتمہ کر کے ان بیماریوں کا شافی علاج دریافت کیا جا سکے گا۔ نئی ادویات کی مدد سے آزمائشی طور پر لیوکیمیا

اور چھاتی کے سرطان میں مبتلا مریضوں کا علاج پہلے ہی شروع کیا جا چکا ہے۔ ان ادویات کی مدد سے متاثرہ خلیوں کو ختم کیا جا سکے گا۔ متاثرہ خلیوں کو ختم کر کے صحت مند خلیوں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر ایسی بیماریوں کا علاج بھی کیا جائے گا۔

نیشنل ہیومن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ ڈاکٹر فرانسس کولنز نے بجا طور پر کہا ہے کہ

"آج ہم نے کتاب زندگی کے تمام اسرار و رموز جان لیے ہیں۔"

ان تمام ملکوں کے سائنسدانوں نے دس برسوں کی مسلسل جدوجہد، محنت اور تلاش کے بعد انسانی زندگی کا "بلیو پرنٹ" تیار کر کے جدید میڈیکل سائنس کو ایسی کلید فراہم کر دی ہے جو بالخصوص موروثی اور مہلک بیماریوں کے بھید کھول کر رکھ دے گی۔ ان انکشافات نے ایسی بیماریوں کے علاج کا راستہ بھی کھول دیا ہے جو اب تک ناقابل علاج سمجھی جاتی تھیں مثلاً امراض قلب ہیموفیلیا اور کینسر وغیرہ۔ برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے اس موقع پر کہا:

"یہ میڈیکل سائنس کا ایک ایسا انقلاب ہے جس کے اثرات اینٹی بائیٹک ادویات کی دریافت سے بھی زیادہ گہرے اور دور رس ثابت ہوں گے۔ یہ اکیسویں صدی کی پہلی ٹیکنالوجیکل کامیابی ہے۔"

اس عظیم تجربے کی کامیابی کے مثبت پہلوؤں کے شانہ بشانہ اس کے چند منفی مگر دلچسپ پہلو بھی سامنے آ رہے ہیں مثلاً یہ تشویش کہ اب لوگوں کو اپنی زندگی کا بیمہ کرانے سے پہلے جینیاتی ٹیسٹ کی رپورٹ پیش کرنا ہوگی۔ ظاہر ہے انشورنس کمپنیاں ایسے افراد کی زندگی کا بیمہ ہرگز نہیں کریں گی جن کے کسی مرض میں مبتلا ہونے یا قبل از وقت مر جانے کا اندیشہ ہو۔ یہ تشویش بھی ظاہر کی جا رہی ہے کہ آجر حضرات اس قسم کی معلومات کو امتیازی نقطۂ نگاہ سے اپنے ملازمین کی تقرری اور برطرفی کے سلسلے میں استعمال کر سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ تشویش جو اس سلسلے میں پائی گئی یہ ہے کہ جینوم (Genome) کا علم حاصل کر لینے کے بعد حکومت سپیشل قسم کے ایسے انسانوں کی تخلیق کر سکتی ہے، جو انتہائی غیر معمولی ذہانت کے حامل ہوں۔ اس پروجیکٹ کو تنقیدی

نقطہ نظر سے دیکھنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس منصوبے کی کامیابی کی صورت میں کسی بھی انسان کی زندگی پردہ اخفاء میں نہیں رہ سکے گی اور یوں انسان اپنی نجی زندگی کی خلوتوں سے محروم ہو جائے گا۔ ایسے ہی نکتہ چینوں کا خیال ہے کہ اگر میڈیکل سائنس نے انسانی جسم اور زندگی کے سربستہ اوراق کھول دیئے تو دنیا کو ایک غیر معمولی اخلاقی بحران کا سامنا کرنا پڑے گا۔ غالباً یہی سبب تھا جس کی بنا پر امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنی تاریخی تقریر میں دنیا بھر کی اقوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"آیئے ہم سب مل کر اس عظیم پروجیکٹ پر کیے گئے اشتراک کی طرح اس کے قانونی، معاشرتی اور اخلاقی اثرات سے نمٹنے کے لیے بھی اسی جذبہ اشتراک سے کام کریں۔"

اضافی معلومات

جینز پر نئی تحقیق کی رپورٹ کے مطابق صرف ایک جین کی خرابی سے پیدا ہونے والے چار ہزار امراض کا علاج ممکن ہو جائے گا۔ دل کے امراض جیسی "ملٹی جینز" کی بیماریوں کے علاج میں دیر لگے گی۔ جین پر تحقیق کے باعث 30 امریکی ریاستوں کا قانون بدل دیا گیا ہے۔ جین میں فرق کے باعث جو ادویہ برطانیہ میں موثر ہیں وہ دوسرے ممالک میں غیر موثر ہیں۔ فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کے جینز پر بھی تحقیق ہو رہی ہے۔ انسانی عادات بدلی جا سکیں گی "وائلنس جینز" بھی بن سکتی ہیں۔ سرطان، ذیابیطس، ہیموفیلیا، پارکنسن، گنٹھیا اور دل کی بیماریوں کا علاج ممکن ہو جائے گا۔ جین سے متعلق 500 نئی ادویات بنیں گی۔ 5 ہزار امراض کا علاج ممکن ہو گا۔ جین میں 0.1 فی صد تبدیلی سے بالوں کا رنگ اور جسمانی ساخت بدل جاتی ہے۔ صرف ایک جین بدلنے سے موروثی مرض کو ختم کیا جا سکے گا۔ جرم کی طرف مائل کرنے والا جین نکال کر جرائم کم کیے جا سکیں گے اور جینٹک فنگر پرنٹنگ (Genetic Finger Printing) سے مجرموں کو پکڑا جا سکے گا۔ بڑھاپا لانے والے جین کا پتہ چلانے سے عمر میں 25 فی صد اضافہ کیا جا سکے گا۔ ذہانت پیدا کرنے والے جینز کا اضافہ ہو گا۔

جین پر تحقیق کرنے والے ادارے معلومات کے عوض 30 کروڑ سے ڈیڑھ ارب روپے تک وصول کر رہے ہیں۔ جین کی انفارمیشن ٹیکنالوجی پر اگلے 5 سال میں 110 ارب ڈالر خرچ ہوں گے یعنی 2005ء تک مگر جین پر تحقیق 2003ء تک مکمل ہو جائے گی اور 3 ارب ڈالر خرچ ہوں گے۔ امریکہ نے نئی معلومات کو 500 صفحات کی 200 کتابوں میں محفوظ کر کے عجائب گھر میں رکھ دیا ہے۔

اس وقت سب سے بڑا خدشہ یہ ہے کہ جینز پر کنٹرول کے مستقبل کا مسئلہ سب سے اہم مسئلہ ہوگا۔ ابھی تک تو 18 ممالک کے ہزاروں سائنس دان مل کر کام کر رہے ہیں لیکن مستقبل میں ان کے راستے جدا جدا ہونے کا خدشہ بھی موجود ہے۔ اس لیے جین پر تحقیق سے متعلق امریکہ اور مغربی ممالک میں اس کے درست اور غلط استعمال پر ابھی سے بحثیں چھڑ گئی ہیں اور قدامت پرستوں کے بڑے حلقے نے تو کھل کر مخالفت کر دی ہے۔ عام سروے میں بھی 46 فی صد نے مخالفت اور 40 فی صد نے حمایت کی ہے۔ 46 فی صد کا خیال ہے کہ سائنس دان اس کا غلط استعمال کریں گے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جین سے متعلق معلومات ایسے ہاتھوں میں بھی جا سکتی ہیں جو اس کا غلط استعمال کر سکتے ہیں، چنانچہ یہ نقصان کا باعث ہوں گی۔ تاہم 2003ء تک جینوم کی ماہیت کو 99.9 فی صد تک پا لیا جائے گا، یعنی ایک ہزار میں سے ایک غلطی کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

جینز پر نئی تحقیق اور قرآن حکیم

قارئین کرام! میں نے جین پر تحقیق کا خلاصہ نہایت مربوط طریقے سے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اور یہ تمام معلومات میں نے 26 جون 2000ء کو شائع ہونے والے مقامی اخبارات اور غیر ملکی رسائل اور متعلقہ رپورٹوں سے حاصل کی ہیں۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے عنوان کے لحاظ سے اس تحقیق اور دریافت کا تعلق قرآن حکیم سے کیا ہو سکتا ہے؟ میری حقیر دانست کے مطابق تعلق ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیے:

1 ارشاد ہوا: ''انسان کا کبھی کوئی نام و نشان تک نہ تھا''

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا۝

ترجمہ: یقیناً انسان پر کبھی ایسا وقت زمانے میں گزرا ہے کہ وہ کوئی چیز نہ تھا قابل ذکر (جو زبان پر آئی ہو) ہم نے تحقیق آدمی کو ایک دورنگی (ملی جلی) بوند سے بنایا کہ جانچیں ہم اسے، پھر کر دیا اُسے سننے والا دیکھنے والا۔

دوسرا ترجمہ: بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ اس طور پر کہ ہم اس کو مکلّف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (سمجھتا) بنایا۔ (یعنی ہم نے ایسی ہیات و صفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں مکلّف (بالغ و عاقل شخص) کی قابلیت پیدا ہو۔) (سورۃ الدھر 76، آیت 2،1)

ہمارے مفسرین اس آیت کی جو تفسیر کرتے ہیں اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک انسان پر ایک وقت گزر چکا ہے جب اس کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا۔ وہ حالت بھی اس کی موجودہ شرافت و کرامت کو دیکھتے ہوئے اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔ انسان کو دورنگے پانی سے پیدا کیا۔ امشاج کے معنی مخلوط کے ہیں۔ نطفہ جن غذاؤں سے بنتا ہے بلکہ جن غذاؤں کا خلاصہ ہے، وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں اس لیے عورت کے پانی سے قطع نظر کر کے بھی اس کو امشاج کہہ سکتے ہیں۔ نطفہ سے جما ہوا خون[1] پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا گیا۔ اسی طرح کے اُلٹ پھیر کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اُن قوتوں سے کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا اور سب اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں۔

قرآن حکیم میں علم الجنین (Embryology) کا بھی ذکر ہے اور رحم مادر میں انسان کی تخلیق کے مراحل بڑی تفصیل سے بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

---

[1] جما ہوا خون کی بجائے "بارور شدہ بیضہ" کہہ لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝

ترجمہ: پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا، پھر ہم نے نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی، پھر ہم نے اس بندھی بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ خدا بڑا ہی بابرکت سب بنانے والوں میں بہتر ہے۔

(سورۃ المومنون 23 آیت 14,13)

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ قرآن حکیم میں کئی آیات میں انسان کی نشوونما (human growth) کا ذکر ہے اور علم الجنین کا تعلق رحم مادر میں نطفے سے لے کر 9 ماہ تک بچے کی تکمیل تک کے مراحل کی تشریح و توضیح سے ہے۔

اس علم کے مطابق انسان کی نمود دو گمٹی ملاپ یا جفتہ سازی (fertilization) سے ہوتی ہے۔ ایک عمل (process) جس میں دو نہایت ہی مخصوص خلیے (cells) کرم منی (Spermatozoon) مرد سے (مادۂ منویہ) اور بیضہ خلیہ (Oocyte) عورت سے مل کر ایک نیا عضویہ (organ) بناتے ہیں اور ممکنہ جفتہ سازی کے لیے مرد اور عورت کے جرمی خلیے (germ cells) کئی تبدیلیوں سے گزرتے ہیں جن میں کروموسومز اور سائی ٹوپلازم شامل ہوتے ہیں۔ اس سے آگے کیا ہوتا ہے، موجودہ کتاب کی ضخامت ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ اس مضمون کو، جس پر میڈیکل کی ضخیم کتابیں بازار میں ملتی ہیں، تفصیل سے بیان کیا جائے اور نہایت اختصار سے بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔

مقصد کہنے کا صرف یہ ہے کہ مرد کا سپرم (Sperm) واحدۃ الخلیہ (Single Cell) ہوتا ہے اور عورت کے بیضہ خلیہ (وہ بھی واحدۃ الخلیہ ہوتا ہے) سے مل کر کثیر خلوی مادہ بن جاتا ہے جس میں عورت اور مرد کے ڈی این اے (DNA) یعنی کروموسومز وغیرہ موجود ہوتے ہیں، جن کے بارے میں آپ گذشتہ باب میں بھی تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ قرآن حکیم فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ جس طرح انسان کی رحم

مادر میں تخلیق ہوتی ہے یا وہ جن تخلیقی مراحل سے گزرتا ہے، قرآن حکیم میں مختصر مگر نہایت جامع الفاظ میں بتا دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ المومنون کی آیت 13 اور 14 میں بتا دیا گیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ ماہر حیاتیات نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان باتوں کے متعلق بتا دیا تھا جس پر آج سائنس دان تحقیق کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کو بتا دیا تھا کہ انسان کی تخلیق کیسے ہوتی ہے؟ مگر افسوس ہے کہ مسلمان گذشتہ سات سو سال سے خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور انہوں نے انسانی خلیے اور ڈی این اے پر کوئی تحقیق نہیں کی اور اس میدان میں اپنی تحقیق و جستجو کی بدولت مغربی اقوام نے اپنا اور اپنے ملکوں کا نام روشن کر دیا۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھیے کہ سائنس دان ابھی تک انسانی خلیہ "تخلیق" نہیں کر سکے اور شاید آیندہ بھی نہ کر سکیں۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بنائے ہوئے خلیہ میں تبدیلی کر سکتے ہیں مثلاً اس میں سے کوئی جین نکال کر دوسرا جین داخل کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ خلیہ تو بہت بڑی بات ہے موجودہ صدی کے سائنس دان مادے کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جوہر (Atom) تخلیق نہیں کر سکتے اور شاید آیندہ صدیوں میں بھی نہ کر سکیں۔

انسان کی تخلیق نفس واحدہ (تن واحد) سے ہوئی۔ اس کے بارے میں تیسرے باب میں صفحہ 95 پر سورۃ الانعام کی آیت 99 اور سورۃ الزمر کی آیت 6 بیان کی گئی ہے۔ نفس واحدہ کا ذکر چار آیات میں آیا ہے۔ ایک اور آیت پر غور فرمایئے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ

ترجمہ: اے لوگو! خدا سے ڈرو جس نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بی بی کو پیدا کیا اور ان دو سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔

(سورۃ النساء 4 آیت 1)

اس آیت کریمہ میں جو الفاظ ہماری توجہ چاہتے ہیں وہ ہیں "نفس واحدہ۔" لغت میں نفس کے معنی جان، شخص، ذات، مادہ اور رُوح دیے گئے ہیں۔ لفظ واحد کے معنی "ایک" کے ہیں۔ ہمارے علماء کرام نے جو تفسیر کی ہے اس کے مطابق اس آیت میں

انسان کی پیدائش کا ذکر ہے کہ تمام انسان ایک ہی نفس سے بنائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر حضرت حوا علیہا السلام کو ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا (اس کا مطلب ہے کہ عورت مرد سے کسی قدر کمزور ہے)۔ پھر اللہ نے انہی دو مرد و عورت سے بے شمار جوڑے دنیا میں پھیلا دیئے۔

میں مندرجہ بالا علما کی تفسیر سے جزوی طور پر اتفاق کرتا ہوں کیونکہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کر دیا گیا ہے جو اس آیت میں موجود نہیں ہے کم از کم لفظ ''آدم'' شامل ہوتا تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہو سکتا تھا۔

اسی طرح یہ فقرہ ''کہ حضرت حوا کو ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا'' کا جملہ بھی ایک اضافہ ہے جو کہ اس آیت میں موجود نہیں ہے اور میرے مطالعہ کے مطابق یہ یہودیوں کی روایت ہے کہ اماں حوا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی۔ سارے قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جہاں اس بات کا ذکر کیا گیا ہو۔ تاہم اس ضمن میں ایک اور آیت کا مطالعہ فرمایئے جس میں صرف ''اولاد'' کا ذکر ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذرّیت (اولاد) نکالی۔

(سورۃ الاعراف 7، آیت 172)

سورۃ النساء کی آیت کا ترجمہ پیش کرتا ہوں جس میں اختصار کے ساتھ تفسیر بھی موجود ہے۔ یہ ترجمہ و تفسیر اس آیت کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں، جو درج ذیل ہے۔

(عالم انسانیت سے خطاب ہوا کہ) اے انسانو! اپنے پرودگار کی راہِ تقویٰ اختیار کرو جس نے نفس واحد (ایک روح، جان یا ذات) سے تمہاری تخلیق کی پھر اس سے اس کا زوج بنایا پھر زوجین سے ایک کثیر مقدار مردوں اور عورتوں کی پیدا کی اور اسے زمین کی وسعتوں پر پھیلا دیا۔

(سورۃ النساء 4، آیت 1)

البتہ اگر اماں حوا حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی سے متعلق کوئی حدیث ہے تو پھر ضعیف ہے۔ عالم دین و مفسر قرآن جنہوں نے یہ تفسیر کی لاہور کے اسلامیہ کالج میں استاد تھے جو ہمیں اسلامیات کا درس دیتے تھے مگر اب وہ مرحوم ہو

چکے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے)۔ افسوس ہے اب میں ان سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال بھی نہیں کر سکتا۔

میری حقیر دانست کے مطابق، جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب "قرآن اور جدید سائنس[1]" میں بھی کیا ہے، نفس واحدہ سے مراد "واحدۃ الخلیہ" (Single Cell) بھی ہو سکتا ہے۔ خواہ انسان کی تخلیق (یا آدم علیہ السلام کی تخلیق) نظریہ تخلیق خصوصی سے ہوئی ہے یا "نظریہ حیاتیاتی ارتقا" سے، ہر صورت میں واحد "خلیہ" سے ہی شروع ہوئی ہوگی۔ جیسا کہ آپ اسی باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں کہ مرد کے مادہ منویہ میں لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں اور ہر جرثومہ واحدۃ الخلیہ ہوتا ہے (عورت میں حمل قرار پانے کے لیے صرف ایک جرثومے کی ضرورت ہوتی ہے) اور وہ مادہ کے واحد بیضہ خلیہ سے ملاپ کر کے انسان کی تخلیق کا باعث بنتا ہے اور اگر اربوں سال پہلے انسان کی تخلیق بذریعہ حیاتیاتی ارتقا ہوئی ہے تو اس کی ابتدا بھی سمندروں کے پانیوں میں یا پانی اور مٹی کے ملاپ سے ایک خلیہ (Cell) بن جانے سے ہی ہوئی ہوگی۔ اگرچہ انسان کی تکمیل کے لیے یہ خلیہ کئی مراحل سے گزرا ہوگا مثلاً کثیر خلوی بنا ہوگا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ سورۃ المومنون کی آیات 13 اور 14 سے بھی واضح ہے۔ (مگر یہ مراحل اس وقت سے شروع ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے سلسلہ تولید رحم مادر سے شروع کر دیا)۔ مفسرین اپنی تفسیر میں یک جان، یک ذات یا یک روح کی بجائے "یک مادہ" کے الفاظ بھی استعمال کر سکتے ہیں، کیونکہ زندگی کی ساری اکائی ہی "خلیہ" ہے جو مادے کا بنا ہوا ہے۔ خلیے جانداروں میں اور پودوں میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ ہمارے مفسرین کے ذہن میں نفس واحدہ یا تن واحدہ کا جو تصور ہے وہ غالباً ایک مکمل انسان کا تصور ہے اور اسی طرح مکمل عورت کا تصور ہے جن کے ملاپ سے انسان پیدا ہوا اور اس سے پھر کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہوا، مگر میری حقیر رائے میں نفس واحد سے مراد "واحد خلیہ" ہے جس سے اربوں سال پہلے زندگی کا کارواں رواں دواں ہوا۔ باقی علم تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے پاس ہی ہے جو خالق کائنات ہے اور اسے اپنی قدرت کاملہ سے قائم رکھے ہوئے ہے۔

---

[1] قرآن اور جدید سائنس فیروز سنز لاہور سے دستیاب ہے۔

ے ا خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر

اگر حیات آپ نہ ہو، شارح اسرار حیات

اقبالؔ (ضرب کلیم)

ہم عقل اور سائنس کے ذریعہ سے حیات کی گتھی کو کبھی حل نہیں کر سکیں گے

بقول غالبؔ

ے ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ

عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

(یہاں خیال سے مراد خود وجود باری تعالیٰ ہے)۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پانچواں باب

حیوانی اور انسانی کلوننگ

کلوننگ کیا ہے؟

کلوننگ (Cloning)[1] کے لفظی معنی ہیں ایک ہی طرح کی چیزیں بنانا یا پیدا کرنا۔ کلوننگ اسی طرح کا عمل ہے جس طرح کسی کتاب کے صفحہ کی فوٹو کاپی مشین کے ذریعے بہت سی ایک جیسی کاپیاں بنائی جا سکتی ہیں یا کسی آڈیو یا وڈیو ٹیپ کی ریکارڈنگ کی مدد سے بہت سی کاپیاں بنائی جا سکتی ہوں۔ ان کاپیوں میں وہی الفاظ، وہی اتار چڑھاؤ، وہی خامیاں اور وہی خوبیاں پائی جائیں جو کہ اصل ٹیپ میں ہوں گی۔ عام زندگی میں ہم جڑواں بچے دیکھتے ہیں جو بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں ایک جیسے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہو بہو کاپی ہوتے ہیں۔ فطرت میں کلوننگ کی یہ ایک عمدہ مثال ہے۔ اسی طرح جو کاپیاں حیاتیاتی عمل (Biological Process) سے تیار کی جائیں وہ نہ صرف ایک ہی طرح کے سالمے (molecules) ہو سکتے ہیں بلکہ پورے جانور بھی بنائے جا سکتے ہیں (جن کا ذکر بعد میں آئے گا)۔ اس لحاظ سے اول الذکر کو سالمیاتی کلوننگ (Molecular Cloning) اور موخر الذکر کو حیوانی کلوننگ کہا جاتا ہے۔ انسانی کلوننگ (Human Cloning) بھی حیوانی کلوننگ کی ایک مثال ہی ہے لیکن ابھی تک انسانی کلوننگ کو روک دیا گیا ہے اور حیوانی کلوننگ پر تجربات جاری ہیں۔

کلوننگ کے سارے عمل میں ڈی این اے (DNA) ایک مرکزی کردار کا حامل ہے۔ سالمیاتی کلوننگ چونکہ دراصل DNA کی کلوننگ ہے اور چونکہ جینیاتی مادہ (Genetic Material) ڈی این اے کا بنا ہوتا ہے اس لیے مالیکیولر کلوننگ کو جین کلوننگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ تحقیق جس میدان میں ہو رہی ہے، اسے جنیٹک انجینئرنگ (Genetic Engineering) کا نام دیا گیا ہے۔

---

1. Clone: To make identical copies without sexual reproduction. In genetic engineering, it is common to clone a gene, an antibody or a cell.

جنیٹک انجینئرنگ کیا ہے؟

جنیٹک انجینئرنگ سائنس کا ایک ایسا میدان (field) ہے جو ڈرامائی انداز سے انسانی زندگی کو تبدیل یا ٹرانسفام (transform) کر سکتا ہے۔ اس علم کے ذریعے حیوانات اور پودے تو پہلے سے ہی بہتر حیوانات اور فصلیں پیدا کر رہے ہیں۔ ادویات بھی تیار ہو رہی ہیں، بصورت دیگر اگر اس علم سے تیار نہ ہوتیں تو بازار میں ان کی سپلائی کم ہو جاتی۔ اس علم میں انسانی زندگی کو بہتر بنانے میں بہت زیادہ اہلیت ہے۔ ان فوائد کے حصول کے باوجود معاشرے کے لیے کچھ ممکنہ خطرات بھی منڈلا رہے ہیں۔ اگر جینز (موروثوں) کے ذریعے طبیعی خصوصیات مثلاً تشدد، ہم جنس پرستی یا پھر کوئی نئی اہلیت معلوم کر لیتے ہیں اور ان کے بارے میں یعنی جینز اور خواص کے درمیان کوئی کڑیاں تلاش کر لیتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہم آنے والی نسلوں کے لیے جینز کا انتخاب بڑی احتیاط سے کر سکتے ہیں؟ ہمیں اس مسئلے پر مدلل بحث کرنی چاہیے اور فیصلہ کرنا چاہیے کہ جنیٹک ریسرچ کی تجربہ کاری کو جاری رکھا جائے یا نہ رکھا جائے اور اگر اس کا جواب مثبت ہے تو پھر کن سمتوں کی طرف؟ یعنی سائنسدانوں کو اس کی سمت (direction) متعین کر لینی چاہیے۔

آپ نے چوتھے باب میں "جینز پر نئی تحقیق" کے بارے میں بھی تفصیل سے پڑھ لیا ہے کہ جین تھراپی (Gene Therapy) سے مختلف بیماریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب مزید مثالیں دیں گے تاکہ عام قاری بھی، جو علم حیاتیات سے واقفیت نہیں رکھتا کلوننگ کے عمل کو سمجھ سکے۔

اگر بھیڑ (sheep) کے ڈی این اے (DNA) میں انسانی جین داخل کر دیں تو وہ ایسا دودھ دے گی جس میں پروٹین (protein) ہوگی اور ایسا دودھ پینے سے انسان کے پھیپھڑے درست طریقہ سے کام کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں پروٹین نہیں ہوتی، ان کے پھیپھڑے درست کام نہیں کرتے اور ان کو پھیپھڑوں کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے جسے نفاخ (Emphysema) کہتے ہیں جو کہ مہلک ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ایسی بھیڑ جس کے ڈی این اے میں انسانی جینز شامل ہوں، کا دودھ پینا ایسا ہی ہوگا جیسے آپ کو پروٹین کا ٹیکہ

لگا دیا گیا ہو۔

اس وقت دنیا کے فارموں میں ہزاروں کی تعداد میں حیوانات اور پودے ہوں گے جو جینز کے ذریعے پرورش کیے جارہے ہیں یا ان کی افزائش ہو رہی ہے اور یہ جینز ان کے آباؤاجداد کو حاصل نہ تھے۔ جین تھراپی کے ذریعے آسٹریلیا کی بھیڑیں اپنے بدن پر زیادہ اون پیدا کرتی ہیں۔ میرینو (Merino) نامی بھیڑیں بھی ہیں جن کے اوپر بہت اون ہوتی ہے، تاہم جنیٹک انجینئرنگ سے دوسری بھیڑوں کی اقسام بھی زیادہ اون پیدا کر سکتی ہیں۔ اسی طرح سکاٹ لینڈ کی بھیڑیں اپنے دودھ میں ایک ایسا کیمیکل پیدا کرتی ہیں جس سے انسانی خون میں بستگی (blood cloting) ہو جاتی ہے اور ہالینڈ کے مویشوں میں زیادہ پروٹین ہوتی ہے جو چھوت (Infection) کو ختم کرتی ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ ہمیں میٹھے ذائقے والے سلاد (lettuce) اور ٹماٹر ملیں گے اور یہ سب کچھ جنیٹک انجینئرنگ کی بدولت ہوگا۔ گذشتہ بیس سالوں میں بھیڑیں، مویشی، مرغیاں، مچھلیاں اور دوسرے حیوانات اور پودے جنیٹک انجینئرنگ کا اہم موضوع رہے ہیں۔ ابھی یہ ابتدا ہے، بمشکل کوئی ہفتہ گزرتا ہے کہ کوئی اہم دریافت ہو جاتی ہے۔ "جین پر نئی تحقیق" کے سلسلے میں آپ نے پڑھ لیا ہے کہ سائنس دانوں نے انسان کے اندر جینیاتی کوڈ کا کھوج لگا لیا ہے اور کلوننگ (حیوانی) کا کام مزید آسان ہو گیا ہے اور اب وہ انسان پر جین تھراپی (جین کے ذریعے علاج و معالجہ) کے تجربات کر رہے ہیں تاکہ غیر طبیعی موروثی چیز کو درست کر کے انسان کی زندگی کو خوف زدہ کرنے والی بیماریوں سے نجات دلائی جائے۔ انسانی ذہن میں ایسے سوالات بھی جنم لے رہے ہیں کہ سائنس دانوں کو کہاں تک اپنی تحقیق کا دائرہ وسیع کرنا چاہیے یا کہاں تک جانا چاہئے؟ مثلاً کن کن بیماریوں کا ان کو علاج کرنا چاہیے؟ اگر وہ سرطان (cancer) یا دل کی بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہوگا کہ انسانی رویے (human behaviour) کو بھی بدلا جا سکے، جن کے ساتھ اس معاشرے کا کوئی حصہ برتاؤ کرنے یا راہ و رسم پیدا کرنے میں دقت محسوس کرتا ہے؟ اگر یہ ممکن ہے تو کیا ایسا کرنے کی سائنسدانوں کو اجازت مل جانی چاہئے؟ سب سے بڑا خطرہ جو محسوس کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ سائنس دان کہیں انسانی کلوننگ نہ شروع کر دیں (اس کا ذکر بعد میں آئے گا)۔

زمین پر زندگی کی تمام اقسام، اپنی شکل و صورت یا جسمانی نمائش اور بنیادی جبلتیں (Instincts) اُن جینز کی مرہونِ منت ہیں جو وہ اپنے والدین سے حاصل کرتے ہیں۔ سادہ ترین منفرد خلیہ (Single Cell) سے یا بیکٹیریا سے لے کر پیچیدہ حیوانات تک یہ جینز ہی تو ہیں جو ہمیں ٹک (Tick) کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کوئی بھی حرکت جو ہم کرتے ہیں یا کوئی لفظ ادا کرتے ہیں یا ہر خیال جو ہمارے ذہنوں میں آتا ہے، وہ ممکن ہے کہ جینز کی محنت کی بدولت ہو اور یہ جینز کہاں ہیں؟ یہ ہمارے خلیوں میں موجود ہیں (جیسا کہ آپ گذشتہ باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں) اور یہ بڑی محنت و مشقت میں ہیں اور ہمارے جسموں کو بتاتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔

جینز کو تبدیل کرنے کا خیال بھی کوئی نیا نہیں ہے۔ گذشتہ چھ ہزار سال سے انسان اس سے آگاہ تھا کہ بہتر فصلوں کی پیداوار اور پالتو حیوانات کی بہتر نسل کیسے پیدا کی جا سکتی ہے؟ اور وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ بعض خواص ایک نسل سے دوسری نسل میں تبدیل ہو جاتے ہیں، مثلاً وہ جانتے تھے کہ اچھا اور صحت مند بیج استعمال کریں گے تو فصل بھی صحت مند ہوگی اور اسی طرح وہ کمزور مادہ حیوانوں کو اعلیٰ کوالٹی کے نر حیوان سے ملاپ کروا کر بہتر نسل پیدا کر لیتے تھے اور اب بھی کسان، زمیندار اور گڈریے انہی اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ فطرت کی مدد کرتے رہے ہیں...... اور پھر وہی انواع لاکھوں سال (species) زندہ رہیں، جنہوں نے اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کر لی اور ایسی انواع جو ماحول سے مطابقت پیدا نہ کر سکیں، وہ ختم ہوگئیں۔ اسی طرح وہ انواع جو ماحولیاتی حالات کی تبدیلیوں سے اپنے آپ کو تبدیل نہ کر سکیں وہ بھی ختم ہوگئیں اور ان کی جگہ ایسی انواع نے جگہ لے لی، جنہوں نے ماحول سے مطابقت کی۔ ماہر موجودات (Naturalist) چارلس ڈارون (1809ء تا 1882ء) نے اسی پروسس کو انتخاب قدرت یا بقائے اصلح (Natural Selection) کہا تھا۔ اب اس سلسلے میں ہماری کوششیں یعنی "انتخاب قدرت" کو بہتر کرنے کے لیے زیادہ بناوٹی ہوگئی ہیں۔ جب سے آسٹریا کے ایک پادری، (راہب) گریگر جوہن مینڈل (Gregor Johann Mendel 1822ء تا 1884ء) نے جینیاتی وراثت (Genetic Inheritance) پر اپنے نظریات 1866ء میں شائع کیے۔ اس

نے تجویز کیا کہ ہر طبیعی خوبی کو جینز کا ایک جوڑا کنٹرول کرتا ہے جس میں ایک جین ماں کی طرف سے اور ایک جین باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور ان میں سے ایک جین دوسرے جین پر حاوی بھی ہو سکتا ہے یا پھر دونوں کی قوت برابر ہو سکتی ہے۔ یہ فیصلہ کرنے میں کہ کیا رونما ہوتا ہے یا کیا رونما ہونے والا ہے، (گرگیر یا گریگور) مینڈل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تقریباً 28000 پودے کاشت کیے اور ان پر اپنے نظریات کی تصدیق کے لیے ٹیسٹ کیے۔ حالیہ سالوں میں کچھ شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ اس بات پر کہ اس نے اس سلسلے میں کتنی تحقیق (research) کی، تاہم اس کے نظریات اب بھی جدید جینیکس کی بنیاد ہیں)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سادہ پروٹین کی ساخت کو صرف ایک ہی جین کنٹرول کرتا ہو، مثال کے طور پر ہمارے پٹھوں کے ریشے وغیرہ کنٹرول کرتا ہو، تاہم بہت سارے خواص بہت سارے مختلف جینز کے مابین پیچیدہ باہمی کشش (Interaction) کی وجہ سے ہیں مثلاً اس میں بہت سارے مختلف قسم کے جینز شامل ہو سکتے ہیں، محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا ہم چھوٹے قد کے ہیں یا طویل قد کے ہیں۔ تب بھی علم توالد و تناسل (Genetics) محض ممکنات کا ایک سلسلہ قائم کرتا ہے۔ دوسرے عامل مثلاً خوراک بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بیسویں صدی کے آخر اور اکیسویں صدی کے آغاز میں سائنس دان توان کسانوں سے، جو اپنے وقت کے ماہر تھے، بھی آگے نکل گئے ہیں جو وہ پودوں یا حیوانات کے ساتھ کوئی عمل کرتے ہوں گے اور سائنس دانوں نے سیکھ لیا ہے کہ وہ اجزا کو کیسے تبدیل کریں گے جس سے ہمارے جینز بنتے ہیں، مگر یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اب تک تمام تجربات خورد عضویہ (micro- organism) یا جاندار، پودوں اور حیوانات پر ہوئے ہیں اور بہت کم انسانوں پر۔

اب تک حیوان کے خلیوں میں موجود ہزاروں جینز (مورثوں) میں سے صرف ایک جین تبدیل کیا جا سکا ہے، مثلاً آسٹریلین بھیڑوں کے اوپر زیادہ اون پیدا کرنے کے لیے سائنس دانوں نے صرف ایک جین تبدیل کیا ہے جس نے پروٹین کی ساخت کو متاثر کیا ہے اور جسے کیراٹین (Keratin) کہتے ہیں۔ یہ پروٹین ہمارے ناخنوں اور بھیڑوں کی اون میں موجود ہے۔

1974ء میں جینز کے ماہرین کے ایک گروپ نے خود ہی عارضی طور پر جینیٹک انجینئرنگ کے تجربات پر بین (ban) لگا دیا تھا۔ چونکہ یہ سائنس اپنے ابتدائی سالوں میں تھی اور اس کے ممکنہ خطرات بھی مضر تھے، مثلاً جینیٹک انجینئرنگ سے تبدیل شدہ وائرس اور بیکٹیریا کا پیدا ہونا عوامی صحت کے لیے خطرہ بن سکتا تھا یا پھر ماحولی حادثہ (Ecological Catastrophe) کا موجب بنتے ماحول میں تبدیل شدہ عضویہ چھوڑ کر وغیرہ وغیرہ۔ مگر جوں جوں اس علم تناسل و توالد میں اضافہ ہوا ہے اس کے بعد اِس کے تجربات پر پابندیاں نرم پڑ گئی ہیں۔ لہٰذا علم میں اضافہ سے ممکنہ خطرات کو بہتر طریقہ سے سمجھ لیا گیا ہے اور وہ یہ کہ نقادوں نے جینیٹک انجینئرنگ کے ضمن میں جن خطرات کے بارے میں خبر دار کیا تھا، وہ رونما نہیں ہوئے۔ مثلاً ان کا کہنا تھا کہ ہو سکتا ہے غلط تجربے سے کوئی پاگل عفریت (crazed monster) پیدا ہو جائے یا کوئی آدھا انسان، آدھا حیوان پیدا ہو جائے۔ بہرحال ایسے عجیب الخلقت جاندار تجربہ گاہوں سے باہر نہیں نکلتے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کوئی دیو قامت بچھڑا اپنے بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے تکلیف یا مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ مرضِ نقرس (درد) میں مبتلا جانور بھی پیدا نہیں ہوئے۔ اصل مقصد تو فوائد حاصل کرنا ہے، مشینی حیوان پیدا کرنا نہیں تاکہ زیادہ دودھ دیں یا ان کا گوشت لذیذ ہو یا ان کی تجارت سے زیادہ منافع کمایا جائے اور ان مقاصد کے لیے ان حیوانوں کی زندگیاں بدل کر انہیں دکھ درد میں مبتلا کرنا بھی اخلاقی لحاظ سے مضحکہ خیز (Grotesque) ہے۔ چونکہ اگر ان تجربات سے عجوبے حیوان (Freak Animals) پیدا ہوں گے تو ان کے لیے یہ زیادہ مصیبت کا باعث ہوں گے۔ لہٰذا اگر خدانخواستہ کوئی ایسا عجیب الخلقت یا بدصورت عفریت (monster) پیدا ہو جائے تو وہ معاشرہ ایک نئی مصیبت سے دوچار ہو جائے گا لیکن ابھی تک ایسا ہوا نہیں۔

ہم یہاں تک کیسے پہنچے؟ یہ دریافت جس نے 1953ء میں جدید جینیٹک کو ممکن بنا دیا، وہ یہ ہے کہ برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی میں کام کرتے ہوئے دو سائنس دانوں جیمز واٹسن (James Watson) اور فرانسس کرک (Francis Crick) نے ڈی این اے کی ساخت تجویز کی، جس میں جینیاتی کوڈ (Genetic Code) ہوتا ہے اور جسے اردو میں

جینیاتی راز کہہ سکتے ہیں۔ اتنا تو لوگ جانتے تھے کہ ہم اپنی طبعی و ذہنی بناوٹ کے لیے جینز کی صورت میں بلیو پرنٹ (blue print) اپنے والدین سے حاصل کرتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں جینز 23 جوڑوں کی صورت میں کروموسومز پر بیٹھے ہوتے ہیں (کروموسومز کے بارے میں آپ گذشتہ باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں) اور یہ کروموسومز ہمارے خلیوں کے مرکزہ میں موجود ہوتے ہیں اور جو چیز وہ (لوگ) نہیں جانتے تھے، وہ یہ تھی کہ خلیوں میں معلومات کیسے سٹور ہو جاتی ہیں اور جسم ان معلومات کو کیسے استعمال کرتا ہے؟ مثال کے طور پر حیوانی یا انسانی جسم کیسے جان سکتا ہے کہ استعمال شدہ جلد کے خلیوں کو کیسے تبدیل کیا جائے؟ اور یہ کہاں سے مواد حاصل کرتی ہے اور جلد کا ہر خلیہ کیسے جانتا ہے کہ کہاں پرورش پانی ہے اور کیا کرنا ہے؟ اس کا جواب (کیمیکل) پیغام رساں کے پیچیدہ پروٹین کے نظام میں موجود تھا۔ یہ کیمیکل پیغام رساں (chemical messangers) جسم کے گرد کیسے حرکت میں آکر جسم کو بتاتے ہیں کہ کیا کرنا ہے اور پھر چیف پیغام رساں بھی ہیں جو مکمل عضویہ (organs) کو مثلاً دل کو بتاتے ہیں کہ کیا کرنا ہے؟ پھر ان کے بعد سینئر پیغام رساں ہیں جو خلیوں کے اندر کام کرتے ہیں اور روز مرہ کے کاموں کو کنٹرول کرتے ہیں مثلاً غذا سے توانائی کیسے حاصل کرنی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ایک خلیہ اور اس کی کارکردگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت اور حکمت و دانش کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے۔ ہر خلیے کو خاص کام سونپ دیا گیا ہے جو اسے کرنا ہے۔ انسان کی جلد کی مرمت کیسے کرنی ہے؟ کون سی پروٹین بنانی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ خلیے انسانی جسم کے اندر ہر وقت اپنے فرائض ادا کرتے رہتے ہیں لیکن انسان جو انہی خلیوں سے بنا ہوا ہے اپنے رب سے منہ موڑے ہوئے ہے اور اپنے فرائض سے غافل ہے، اللہ تعالیٰ کی بندگی سے غافل ہے۔ اس موقع پر مجھے سورۃ حمٓ السجدہ 41 کی آیت 53 ذہن میں آرہی ہے۔ ارشاد ہوا:

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

ترجمہ: ہم انہیں عنقریب اپنی نشانیاں (قدرت کے نمونے) دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں دکھادیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ (یہ قرآن) درست ہے (ٹھیک ہے)۔
(سورۃ حم السجدہ 41، آیت 53)

کیا خلیے (Cell) کی بناوٹ اور کارکردگی ہماری جانوں میں قدرت کا نمونہ یا نشانیاں نہیں ہیں؟ یقیناً یہ ہیں۔ ایسا پیچیدہ نظام جو ہمارے اندر موجود ہے، خالق کائنات ہی پیدا کر سکتا ہے۔ کسی جن یا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

اب موضوع کی طرف دوبارہ توجہ فرمائیے۔ بات ہو رہی تھی ان پیغام رسانوں کی جو کہ پروٹین کیمیائی پیغام رساں ہیں یعنی یہ پیغام رسانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہ پیغام رساں کہاں سے آتے ہیں؟ جسم نے ان کو بنانا ہوتا ہے۔ یہ پروٹین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، جنہیں پیپٹائڈز (Peptides) کہتے ہیں۔ پیپٹائڈز کے بلڈنگ بلاکس امینو ایسڈ ہیں اور ان کی مختلف بیس اقسام ہیں، تو یہ امینو ایسڈ کہاں سے آتے ہیں؟ 1943ء میں واٹسن اور کرک نے دکھایا تھا کہ یہ ڈی آکسی ربو نیو کلیک ایسڈ (DNA) سے آتے ہیں، جو کروموسومز بناتے ہیں۔ اس کا جواب ہے اور یہ کروسومز ہر پودے اور حیوان کے خلیے میں موجود ہوتے ہیں (آپ ڈی این اے اور کروموسومز کے بارے میں گذشتہ باب میں بھی پڑھ چکے ہیں)۔ ڈی این اے ہزاروں جینز کا بنا ہوتا ہے جو پروٹین بناتے ہیں اور یہ زندگی کے بایو کیمیکل بلڈنگ بلاکس ہیں۔ (زندگی سے زندگی کیسے آتی ہے؟ جب مادہ (عورت) کا بیضہ اور مرد کا سپرم آپس میں ملتے ہیں تو بیضہ میں موجود 23 کروموسومز مرد کے سپرم سے 23 کروموسومز لے کر جوڑے بن جاتے ہیں جو 46 کروموسومز پر مشتمل ہوتے ہیں اور اسی میں ہمارے جسم کا ماسٹر پلان ہوتا ہے۔ ہماری جنس (لڑکا یا لڑکی) کا تعلق کروموسومز کے 23 جوڑوں پر انحصار کرتا ہے، جن کو سیکس کروموسومز کہتے ہیں۔ عورت کی طرف سے جو آتے ہیں ان کو ایکس ایکس (XX) کروموسومز کہتے ہیں اور جو مرد سے آتے ہیں ان کو ایکس اور وائی (Y and X) کروموسومز کہتے ہیں۔ اگر X کے ساتھ X کا ملاپ ہو جائے تو لڑکی ہوتی ہے اور اگر X کے

ساتھ Y کا ملاپ ہو جائے تو لڑکا ہوتا ہے یعنی کروموسومز کے جوڑے کا ایک ایک رُکن شامل ہوگا)۔

جیسا کہ آپ تیسرے باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں کہ ڈی این اے کا وہ حصہ جس میں ایک مکمل خامرہ یا لحم بنانے کی مکمل اطلاع یا انفارمیشن ہوتی ہے، ''جین'' کہلاتا ہے۔ چنانچہ جب سائنسدانوں نے جینز کو ڈی کوڈ (Decode) کر لیا یعنی ان کی ساخت (structure) کو سمجھ لیا تو پھر انہوں نے ان کو تبدیل کرنے کا بھی سوچ لیا۔ انہوں نے سادہ جرثوموں (microbes) سے شروع کیا جو ان کا فیورٹ جرثومہ تھا جسے وہ Escherichia Coli کہتے ہیں اور مخفف کر کے ای۔ کولی (E-Coli) کہتے ہیں۔ اس جرثومے میں انسان میں پائے جانے والے DNA کی ایک معمولی مقدار (fraction) ہوتی ہے اور یہ ڈی این اے ایک مرکزہ میں اکٹھا ہونے کی بجائے (دوسرے جرثوموں کی طرح) اس کے سارے جسم میں پھیلے ہوتے ہیں، مگر انسان میں یہ ڈی این اے ایک مرکزہ (nucleus) میں ہوتے ہیں۔ ''ای۔ کولی'' میں ڈی این اے کے چھلے ہوتے ہیں جنہیں پلازمڈز (Plasmids) کہتے ہیں اور یہ جنیٹک انجینئرنگ کے لیے ایک عمدہ ہتھیار ہوتے ہیں۔ اس پس منظر کے بعد اب ہم جین کلوننگ کو بیان کریں گے۔

جین کلوننگ (Gene Cloning) کیا ہے؟

1973ء میں امریکی سائنسدانوں ڈاکٹر سٹینلے کوہن (Dr. Stanley Cohen) اور ڈاکٹر ہربرٹ بوائر (Dr. Herbert Boyer) نے اعلان کیا کہ انہوں نے دو مختلف ای۔ کولی جرثوموں کے جینز سے ایک ایسا ڈی این اے (DNA) بنایا ہے جو نارمل کام کرتا ہے۔ انہوں نے ایک ای۔ کولی[1] سے ایک پلازمڈ (ڈی این اے کا چھلا) کاٹا اور اس میں دوسرے ای۔ کولی سے کچھ ڈی این اے ڈال دیا۔ پھر انہوں نے اس مخلوط پلازمڈ کو پہلے والے ای۔ کولی کے خلیے میں واپس ڈال دیا تو اس نے نارمل کام کیا یعنی تولیدی کام شروع کر دیا۔ امینو ایسڈز کے لیے ڈی کوڈ (Decode) بھی کیا۔ درحقیقت انہوں نے کامیابی سے

---

[1] ای۔ کولی ایک جرثومہ (Bacteria) ہے۔

جینز کا ''کلون'' بنا لیا تھا یعنی انہوں نے ایک نیا ای۔ کولی تخلیق کر لیا تھا اور یہ انہوں نے مخلوط پلازمڈ سے پیدا کیا جیسا کہ ان کا اصل خلیہ ہو۔ چنانچہ اس تجربہ سے جینٹک انجینئرنگ کا دور شروع ہو گیا اور کام بہت تیز ہو گیا۔ دوسرے سائنسدانوں نے بھی کوہن اور بوائر کے فیصلہ کن یا قطعی (Crucial) تجربات کی نقل کی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ انہوں نے مختلف جرثوموں کے ڈی این اے، ای۔ کولی میں داخل کرنا شروع کر دیئے۔ پھر بہت جلد انہوں نے ایک حیوان کے ڈی این اے مختلف حیوانات کے خلیوں میں ڈالنا شروع کر دیے۔ یہ بہت زیادہ مشکل کام تھا۔ چونکہ حیوانات کے خلیوں میں بیکٹیریا کی طرح ڈی این اے کے پلازمڈز نہ تھے (ڈی این اے کے چھلوں (loops) یا حلقوں (rings) کو پلازمڈز کہتے ہیں۔) لہٰذا سائنس دانوں کو یہاں پھر سوچنا پڑا۔

بہت طاقتور چوہا

1982ء میں ڈاکٹر رچرڈ پالمیٹر اور ڈاکٹر ریلف برینسٹر (Dr. Richard Palmiter and Ralf Brinster) کی امریکہ میں واشنگٹن اور پنسلوینیا (Pennsylvania) کی ٹیموں نے اعلان کیا کہ انہوں نے ایک چوہے کے ڈی این اے میں ایک ایسا جین داخل کر دیا ہے جو چوہے کی بڑھوتری کا ہے۔ خارجی جین نے کام کیا اور اس چوہے کا قد اس کے اصلی قد سے دوگنا ہو گیا، جس کا انہوں نے نام بہت زور آور چوہا بہت طاقتور چوہا رکھ دیا یعنی مائیٹی ماؤس (Mighty Mouse)۔

اس طرح سائنسدانوں نے مختلف انواع کے 'ڈی این اے' دوسرے حیوانات میں ڈال کر ہم جین (Transgenic) انواع پیدا کیں، مگر قدرت میں یہ عمل نہیں ہوتا مثلاً حیوانات اپنی ہی انواع کے اندر ملاپ (mate) کرتے ہیں۔ انسانی خلیے کا ڈی این اے (DNA) کبھی بھی گائے یا بکری کے خلیہ کے ڈی این اے کے قریب نہیں جائے گا۔ اگر وہ جائے گا بھی تو ملاپ نہیں کرے گا لیکن جینٹک انجینئرنگ کے ذریعے جینز کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف ملاپ کریں بلکہ اپنا کردار بھی نارمل طریقہ سے ادا کریں۔ فطرت اگر جینٹک انجینئرنگ کے قریب جاتی ہے وہ بھی صرف وائرل چھوت کے امراض (Viral Infection) کے دوران۔ ایسے وائرسس (viruses) مثلاً جو نزلہ، زکام یا ہپاٹائی ٹس

(Hepatitis) کی بیماری پھیلاتے ہیں، وہ حیوانی خلیوں میں اپنے 'ڈی این اے' داخل کر دیتے ہیں جس سے دنوں، مہینوں یا سالوں کے بعد وہ اپنا عمل شروع کر دیتے ہیں اور اپنے میزبان (Host) پر بیماری کا حملہ کر دیتے ہیں۔ ایسے وائرس کا ایک مفید استعمال بھی ہوا ہے کہ ان کے ذریعے پودوں کے خلیوں میں ایسے وائرس یا ایسے جینز داخل کر دیتے ہیں جن سے اعلیٰ قسم کے پودے، پھل اور سبزیاں حاصل کرتے ہیں اور ایسے پھل اور سبزیاں یورپی ملکوں میں مارکیٹ میں آ گئے ہیں۔ پودوں کے خلیوں میں "پلازمڈ ڈی این اے" نہیں ہوتے اور پھر پودوں کے اوپر چھال جو سیلولوز (Cellulose) کی بنی ہوتی ہے اور اس میں داخل ہونا مشکل کام ہے مگر پلانٹ بیکٹیریا اور وائرس ان (پودوں اور درختوں میں) میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سائنس دان ان میں ایسے جینز داخل کر کے پودوں اور درختوں کو چھوت سے بچاتے ہیں اور درختوں کے علاوہ ان کے پھل اور سبزیوں کو کورے اور برف سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اس طریقہ سے ٹماٹروں کو تبدیل کر دیا گیا ہے اور اب وہ اتھیلین گیس پیدا نہیں کرتے جو قدرتی طور پر ان کو پکاتی ہے۔ جب مصنوعی طریقہ سے ان کو اس گیس پر آشکارا کیا جاتا ہے تو پھر یہ ایسے وقت میں پکائے جا سکتے ہیں جو وقت تھوک فروش کے لیے موزوں ہوتا ہے۔

دوسرے پھل اور سبزیوں کو بھی جینٹک انجینئرنگ کے لیے اس قابل بنا دیا جاتا ہے کہ وہ دیر تک پکی ہوئی کی حالت میں رہیں اور ان میں ایسا جین داخل کر دیا جاتا ہے جو انہیں بہت دیر تک گلنے سڑنے سے بچاتا ہے۔ اس وقت دو کمپنیوں آئی سی آئی (ICI) اور کیلجین (Calgene) نے ایسے ٹماٹر پیدا کرنے شرع کر دیئے ہیں۔

جین تھراپی کے مزید استعمالات

آپ نے گذشتہ باب میں جین تھراپی کے ذریعے بیماریوں کے علاج کے بارے میں پڑھا ہے مگر یہاں چند مزید استعمالات کا ذکر ہو گا۔ جینٹک انجینئرنگ کا پہلا عملی استعمال یہ تھا کہ بیکٹیریا کے ذریعے ایسی پروٹین بنائی جائے جو انسانوں کے لیے مفید ہو اور اس کا پہلا استعمال انسولین (Insulin) کی پیداوار تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں شوگر کے مریضوں کے لیے زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لیے یہ دوا نہایت ضروری ہے اور ساری دنیا میں

استعمال ہو رہی ہے۔ انسولین ایک ہارمون ہے جو خون میں شوگر کی مقدار کنٹرول کرتا ہے۔ دوسرے حیوانات کے خون میں بھی شوگر ہوتی ہے۔ جو لوگ ذیابیطس میں مبتلا ہوتے ہیں ان میں اتنی مقدار میں انسولین نہیں بنتی کہ وہ شوگر کی مقدار خون میں ایک خاص سطح تک رکھ سکے اور بعض حالات میں ایسے مریضوں کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اب لوگ ایسی انسولین استعمال کر سکتے ہیں جو بیکٹیریا سے تیار ہوتی ہے۔ انسانی انسولین کے لیے ای۔ کولی بیکٹیریا کے ڈی این اے میں ایسا جین داخل کر دیا جاتا ہے جو بڑی مقدار میں انسولین پیدا کر دیتا ہے۔ اس انسولین کو اس بیکٹیریا سے خارج کر لیا جاتا ہے اور بڑی احتیاط سے اسے استعمال کروانے سے پہلے، صاف کر لیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ انسانی انسولین ہے، یہ حیوانی انسولین سے بہتر کام کرتی ہے اور پھر اس کے ضمنی اثرات (side effects) بھی بہت کم ہوتے ہیں۔ انسولین کے علاوہ دوسری اہم پروٹین بنانے کے لیے بھی جینٹک انجینئرنگ کا استعمال ہو رہا ہے، مثلاً ایسی پروٹین جو بلڈ کلاٹ (blood clot) کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

جرائم پیشہ افراد کے لیے ان کے جرم کی شہادت کے لیے جینٹک فنگر پرنٹنگ (Genetic Finger Printing) کا طریقہ استعمال ہوتا ہے۔ مجرم کا خون لیا جاتا ہے اور اس کے خلیوں سے ڈی این اے نکال لیا جاتا ہے، اسے مختلف اور علیحدہ علیحدہ لڑیوں یا دھاگوں (strands) میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ایک خامرہ (enzyme) کے ذریعے اس 'ڈی این اے' کو مختلف لمبائیوں میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ آپ تصور کریں کہ ڈی این اے مخصوص منکوں (beads) کی ایک مالا یا ہار ہے اور خامرہ مخصوص منکوں کے درمیان مخصوص طریقہ سے کٹائی کرتا ہے۔ چونکہ ہر شخص میں 'ڈی این اے' کا پیٹرن مختلف ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی دو آدمیوں کے 'ڈی این اے' کے پیٹرن آپس میں نہیں ملتے۔ اگر مجرم کے 'ڈی این اے' کا پیٹرن خون کے اس نمونے کے 'ڈی این اے' سے میچ کر جاتا ہے جو خون یا جسمانی مائع جات مجرم جائے واردات یا جرم کی جگہ چھوڑتا ہے تو وہ شخص جرم کا سزاوار ہوگا۔ جینٹک فنگر پرنٹنگ کئی ممالک میں استعمال ہو رہی ہے اور اس میں غلطی کے امکانات بہت کم ہیں۔ اسی طرح سائنسدانوں یا اُن اداروں کو جہاں جینز پر تحقیق ہوتی ہو،

جینز کو فروخت کرنے کے پیٹنٹ بھی مل گئے ہیں۔ جینیک انجینئرنگ کے استعمالات میں مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے مثلاً کینسر (cancer) خاص طور پر چھاتی کا کینسر اور ہارٹ اٹیک وغیرہ میں۔ اسی طرح یک رخی تصویر یا جینیک پروفائل (Profiles) کے لیے بھی اس کا استعمال ہو رہا ہے۔

حاملہ عورتوں پر کئی ٹیسٹ کی پیشکش ہو رہی ہے، یہ دیکھنے کے لیے کہ بچہ نارمل ہے اور اس کی نشوونما ہو رہی ہے اور یہ کہ اس کے تمام اعضاء درست ہیں۔ یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ ہمارا جنسی رویہ بھی جینز کی وجہ سے ہے کہ مرد کو عورت سے یا عورت کو مرد سے، عورت کو عورت یا مرد کو مرد سے کیوں رغبت ہے۔ چنانچہ ہماری جنسی ترجیحات بھی جنیز کی وجہ سے ہی ہیں اور ''ہم جنس پرستی'' کی وجہ بھی کوئی ''جین'' ہے۔ جس پر تحقیق ہو رہی ہے۔ جینیک انجینئرنگ کے ذریعے ماضی بعید کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں مثلاً حیوانوں یا انسانوں کے بارے میں، مسئلہ ان کے ڈی این اے حاصل کرنے کا ہے۔

بھیڑ کی کلوننگ

22 فروری 1997ء کو روزلن انسٹی ٹیوٹ ایڈنبرا، سکاٹ لینڈ کے باون سالہ ڈاکٹر ایئن ولمٹ نے ایک بھیڑ ڈولی نامی کلون بنا کر دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس کلون کی شکل و صورت ہو بہو اُس بھیڑ سے ملتی جلتی تھی جس کا جینیاتی مادہ کلون بنانے کے لیے استعمال ہوا تھا۔ اس کلون کے لیے تین بھیڑیں استعمال کی گئی تھیں۔ اس بھیڑ کا نام ایک مشہور زمانہ اداکارہ ڈولی پارٹن کے نام پر ڈولی رکھا گیا تھا۔

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے کہ اس کلوننگ کے لیے تین بھیڑیں استعمال کی گئی تھیں۔ ایک بھیڑ کے بیضہ سے واحد خلیہ (Single Cell) لے کر اس کا مرکزہ نکال لیا گیا جس میں ڈی این اے ہوتا ہے (باقی خلیے کی ضرورت نہ تھی)۔ پھر دوسری بھیڑ کا ایک خلیہ نکال کر اس کے مرکزہ میں پہلی بھیڑ کا مرکزہ داخل کر دیا گیا اور یہ خلیہ جس میں اس بھیڑ کا تخلیقی پیٹرن تھا اور جس کا کلون بنانا تھا تیسری بھیڑ کے رحم (womb) یا بچہ دانی (uterus) میں رکھ دیا گیا اور قدرتی عمل شروع ہو گیا اور مناسب وقت پر اس بھیڑ نے ڈولی کو جنم

دیا۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ یہاں پر نر بھیڑ یا مینڈھے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ مینڈھا بنانے کے لیے بھی مادہ بھیڑ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ کلوننگ اتنی آسان نہیں جتنا کہ اسے مختصر طور پر اس قاعدے یا طریقہ کار کو بیان کر دیا گیا ہے۔ ڈولی کی کلوننگ کے دوران تقریباً سات سو مادہ بیضوں (انڈوں) سے تجربہ شروع کیا گیا تھا اور آخر میں صرف ایک کامیابی تک ڈولی کی شکل میں نمودار ہوا یعنی کامیابی کی شرح 0.14 فی صد یا بہت ہی کم رہی۔

انسانی کلوننگ

کیا انسان کی کلوننگ ممکن ہے؟

انسان کی کلوننگ ڈولی کی کلوننگ سے بھی بہت مشکل ترین مسئلہ ہے اور ابھی تک کوئی ایسی (یعنی آج 16 جنوری 2002ء تک جب یہ کتاب اشاعت کے مراحل طے کر رہی ہے) خبر نہیں آئی کہ سائنسدانوں نے انسان کا کلون بنا لیا ہو یعنی کسی انسان کی ہو بہو کاپی تیار کر لی ہو، لیکن کسی سائنسدان نے خفیہ طور پر بنا لیا ہو تو ہمیں کوئی خبر نہیں۔ انسان کی کلوننگ کے لیے مرد اور عورت دونوں کے خلیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مرد کے کسی بھی حصے سے کوئی واحد خلیہ (Single Cell) لے لیا جاتا ہے، مثلاً اس کی جلد وغیرہ سے بھی لیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے مرد کے سپرم (کرم منی) کے خلیے کی قطعاً ضرورت نہیں پڑتی۔ چنانچہ مرد کے خلیے کا مرکزہ نکال لیا جاتا ہے جس میں ڈی این اے ہوتے ہیں۔ خلیہ کا باقی حصہ بے کار ہو جاتا ہے اور اسے استعمال میں نہیں لایا جاتا۔ اب عورت کے بیضہ خلیہ کو لے کر اس کا مرکزہ بھی کلی طور پر نکال دیا جاتا ہے اور اسے بھی پھینک دیا جاتا ہے اور اس خلیے میں مرد کے خلیے کا مرکزہ ڈال کر خواہ اُسی عورت کی بچہ دانی میں جس سے بیضہ خلیہ لیا گیا ہے یا پھر کسی تیسری عورت کی بچہ دانی میں رکھ دیا جاتا ہے اور 9 ماہ بعد کلون شدہ بچہ پیدا ہوگا جس کی شکل ہو بہو اس مرد سے ملتی ہو گی، جس کے جسم سے واحد خلیہ لیا گیا تھا۔ اس طریق کار میں (بھیڑوں کی طرح) محض تین عورتوں کی نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں عورتوں کے بیضہ خلیہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر

ایک عورت کے بیضہ خلیہ سے کلون کامیاب نہیں ہوتا تو دوسری عورت کا خلیہ استعمال کرنا پڑے گا، اگر تیسری کا بھی کامیاب نہیں ہوتا تو اس عمل کو چوتھی عورت پر دہرانا پڑے گا۔ وہذا القیاس یہ سلسلہ سینکڑوں، ہزاروں بلکہ عین ممکن ہے کہ لاکھوں عورتوں تک پھیل جائے اور پھر کامیابی ہو۔ اس لحاظ سے بھی سائنس دان فکر مند ہیں کہ ایک کلون کے لیے وہ اتنی عورتیں کہاں سے لائیں گے جو یہ تجربہ کروانے پر رضامند ہوں گی۔ اس کلوننگ میں یعنی انسانی کلوننگ کے متوقع فوائد اور نقصانات بھی ہیں جن کا ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

کلوننگ پر عوامی ردِ عمل

ڈولی بھیڑ کی کلوننگ کی وجہ سے سائنس کی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا، اس لیے نہیں کہ اب سائنس دان اپنی مرضی کے جانور پیدا کرنے شروع کر دیں گے جو کہ انسانی فلاح و بہبود اور اس کی زندگی کی آسائشوں میں اضافہ کا موجب بنیں گے بلکہ اس لیے کہ کہیں سائنس دان انسانی کلون بنانا شروع نہ کر دیں۔ اس خطرے کو بھانپتے ہوئے امریکہ کے اس وقت کے صدر بل کلنٹن نے ڈولی کلون کے اعلان کے فوراً بعد امریکی سائنس دانوں کو تنبیہ کی کہ حکومتی پیسہ انسانی کلوننگ کے لیے استعمال میں نہ لایا جائے۔ صدر کلنٹن نے نجی تحقیقی مراکز کو جو کلوننگ کے موضوع پر تحقیق میں مصروف تھے، بھی یہ ہدایت دی کہ وہ انسانی کلوننگ سے اس وقت تک پرہیز کریں جب تک اس کے تمام سماجی اور مذہبی پہلوؤں پر غور و خوض مکمل نہیں ہو جاتا۔ یہ معاملہ ایک قومی کمیشن جس کا نام (National Bivethics Advisory Commission) رکھا گیا ہے، کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ ردعمل نہ صرف امریکہ میں سرکاری طور پر ہوا بلکہ امریکہ، یورپ اور ایشیا کے بہت سارے ممالک میں عوام کی طرف سے بھی کیا گیا اور بہت سارے خدشات کا اظہار بھی کیا گیا۔ اس ردعمل نے دنیا کے مختلف تعلیمی، سیاسی، سماجی اور مذہبی ایوانوں میں بحث و تمحیص کے ایک لامتناہی سلسلہ کو جنم دیا جو زیادہ تر اس مفروضے پر مرکوز رہا کہ اگر سائنس دانوں نے انسانی کلون بنانے شروع کر دیئے تو دنیا کا مستقبل کیا ہوگا؟ اچھا یا برا...... ؟ حیران کن بات یہ تھی کہ دنیا کے وہ ممالک جو سائنس اور ٹیکنالوجی میں سرکردہ حیثیت

رکھتے ہیں، وہاں پر عوام الناس کے ساتھ ساتھ حکومتوں کے سربراہوں اور مذہبی رہنماؤں نے انسانی کلوننگ کے خوفناک پہلوؤں کے پیش نظر تحقیق کے اس پہلو کو زیادہ پذیرائی نہیں بخشی بلکہ ایسے قوانین کی حمایت کی جو انسانی کلوننگ کی تحقیق کی حوصلہ شکنی کریں۔ یہ ردعمل امریکہ کے علاوہ سب سے زیادہ شدت کے ساتھ جرمنی، فرانس، ارجنٹائن اور پولینڈ وغیرہ کے ممالک میں ہوا۔

اس بحث کے پیشِ نظر یہ سوچا گیا کہ ممکنہ انسانی کلوننگ کے مضمرات کا جائزہ لیا جائے اور اس کے فوائد اور نقصانات کا احاطہ کیا جائے۔ 1980ء کے اواخر میں امریکہ میں انسانی جینیاتی پروگرام کی ابتدا ہوئی تو بعض حلقوں کی طرف سے اس کی خاص مخالفت کی گئی اس کے باوجود یہ پروگرام جاری ہے اور اپنے آخری مراحل طے کر رہا ہے۔ اب اس کی مخالفت آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر انسانی کلوننگ کے فوائد و نقصانات کا جائزہ لیا جائے تو اس مسئلہ کے دوسرے پہلو سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

کلوننگ کے فوائد

اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ کلوننگ بالعموم انسانی فلاح و بہبود کے لیے ایک نہایت ہی مفید ہتھیار ہے اور اس ٹیکنالوجی میں ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والی ممکنات موجود ہیں۔ انسانی لحمیات (human proteins) تو جسمانی ساخت اور فعلی نظام میں بنیادی حیثیت کی حامل ہوتی ہیں جو اس ٹیکنالوجی کی بدولت کسی بھی حیوان میں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے مطالعہ فرمایا ہے بے شمار بیماریوں کا علاج جو چند سال پہلے تک ممکن نہ تھا، اب ممکن ہوتا نظر آ رہا ہے بلکہ بعض حالتوں میں ممکن ہو چکا ہے۔ 2010ء تک سائنس دان بہت سی بیماریوں کے علاج کے طریقے دریافت کر چکے ہوں گے۔ اس پر مزید ایک عشرے تک کام کرنے کے بعد ذیابیطس، خون کے دباؤ، دل کی بیماریوں اور شیزوفرینیا کے علاج کے سلسلے میں انتہائی موثر ادویات دستیاب ہوں گی۔ سرطان کے علاج میں انقلابی تبدیلی آ جائے گی۔ دوائیں مریض کو اس کے اپنے جینیاتی کوڈ کی مناسبت سے دی جائیں گی۔ آیندہ تیس برس میں برطانوی باشندوں کی اوسط عمر نوے برس تک جا پہنچے گی۔ انسان جینیاتی انجینئرنگ کی مدد سے اپنی عمر طویل کرنے پر قادر ہو جائے گا۔

کلوننگ کے ذریعے ایسا انسان جو کسی مخصوص کردار یا خصوصیات کا حامل ہوگا، کی ہو بہو کاپیاں بنائی جا سکیں گی۔ نہایت طاقتور اور خوبصورت انسان، کلون کیے جا سکیں گے اور ان خصوصیات کو لازوال بنایا جا سکے گا۔ والدین اپنے بچوں کو ہمیشہ کے لیے لازوال بنا سکیں گے، کلوننگ کے ذریعے ایسے بچے عالم موجود میں لائے جا سکتے ہیں جن کا آئی کیو لیول تین سو ہو، گویا کلوننگ ایک طرح سے انسان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ ایک آئیڈیل انسان کا تصور ممکن ہو سکے گا! ماسوائے انسانی کلوننگ کے جانوروں اور پودوں کی کلوننگ بذات خود ایک نہایت ہی مفید ٹیکنالوجی ہے۔ جہاں تک حیوانی کلوننگ کا تعلق ہے آپ نے طاقتور چوہے اور مادہ بھیڑ کے کلون کا مطالعہ فرما لیا ہے۔ اسی طرح پودوں کی کلوننگ بھی ممکن ہے اور اعلیٰ قسم کی فصلیں، پودے اور درخت تو پیدا ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

حیوانی کلوننگ انسانی اعضا کی پیوند کاری میں استعمال ہو سکتی ہے۔ یہ حیوانی کلون اس طرح بنائے جائیں گے کہ ان اعضا کے اردگرد انسانی لحمیات کی تہ موجود ہو۔ ان لحمیات کی موجودگی میں یہ اعضاء انسانی جسم کو بغیر کسی پیچیدگی کے قابل قبول ہوں گے۔ والدین جو اولاد سے مرحوم ہو چکے ہیں، وہ کلوننگ کے ذریعے بچے پیدا کر سکتے ہیں حتی کہ ایسے بچے جو کسی حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں، ان کی کلوننگ کے ذریعے ہو بہو کاپیاں بنائی جا سکتی ہیں اور یہ ایک طرح سے بچوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے مترادف ہوگا۔

مصنوعی بندر کی تخلیق

امریکہ کے حیاتیاتی سائنسدانوں نے جینیاتی انجینئرنگ کے ذریعہ تجربہ گاہ میں مصنوعی بندر[1] تیار کر لیا ہے۔ اوریگن ریسرچ سنٹر میں ڈاکٹر جیرالڈ شاٹن کی سربراہی میں جینیاتی سائنسدانوں کی ایک ٹیم کی جانب سے تیار کردہ پہلے مصنوعی بندر کو انسانوں کے مہلک امراض کی ویکسین تیار کرنے کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ بندر اپنی جینیاتی ترکیب کے لحاظ سے انسان کے قریب ترین جانور ہے۔ مصنوعی بندر کو اینڈی کا نام دیا گیا ہے اور وہ بظاہر عام بندر کے بچے کی مانند ہے۔ تجربہ گاہ میں مصنوعی

[1] سائنس دانوں نے مصنوعی بندر تخلیق کر لیا۔ ایک خبر (مقامی اخبار) روزنامہ "نیا اخبار" 13 جنوری 2001ء

بندر کی تخلیق کے بعد دنیا بھر میں زبردست تنقید شروع ہو گئی ہے کیونکہ جینیاتی سائنس دانوں نے جس طریقہ کار کو استعمال کرتے ہوئے اس بندر کو تخلیق کیا ہے، اسی طریقہ سے تجربہ گاہ میں مصنوعی انسان کی تخلیق بھی ممکن ہو گئی ہے۔ دوسری جانب ڈاکٹر جیرالڈ نے بتایا کہ مصنوعی بندر کی تخلیق کا مقصد انسان کی تخلیق ہرگز نہیں ہے۔ مصنوعی بندر کی تخلیق کا واحد مقصد ذیابیطس اور ایڈز جیسے مہلک امراض کا علاج دریافت کرنا ہے۔ اس تکنیک سے اور بھی مختلف خطرناک بیماریوں کے علاج پر تحقیق میں مدد ملے گی۔ اس لحاظ سے پروفیسر جیرالڈ نے اسے انسانی تاریخ کا ایک غیر معمولی لمحہ قرار دیا ہے۔ مگر برطانیہ کی ایک تنظیم کے مطابق یہ تجربہ افسوس ناک ہے۔ دنیا بھر میں حیوانات رئیسہ پر تجربات ختم کرنے کے مطالبات کے باوجود اس قسم کی تحقیق درست نہیں۔ ایک اور ادارے نے کہا کہ جانوروں کو اذیت میں مبتلا کرنا غلط ہے۔

کلوننگ کے ممکنہ خطرات و نقصانات

1- کلوننگ کے ذریعے بننے والے انسان یا جانور میں وہ تمام خصوصیات (اچھی یا بری) ہوں گی جو ابتدائی انسان یا جانور میں ہوں گی، لہٰذا ہم انجانے میں بیمار انسانوں کو بھی کلون کر سکتے ہیں اور اس طرح صحت مند نسل بنانے کی بجائے بیماریوں کو آبادی میں پھیلنے پھولنے کا موقع فراہم کریں گے جو کسی بھی لحاظ سے انسانیت کے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔

2- انسانوں کی کلوننگ کے عمل سے ایک اور قباحت آبادی میں اضافے کی ہو گی۔

3- شادی کے نظام کو خاصا دھچکا لگے گا اور اس میں وہ تعلق اور پیار و محبت جو ایک خاندان کے ناطے میاں بیوی، بچوں اور ماں باپ یا بہن بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے، کلوننگ کے نظام کی وجہ سے ناپید ہو جائے گا۔ خاندانی نظام جو ایک جزو لاینفک ہوتا ہے، بالکل تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انسانی کلوننگ سے فیملی سسٹم اور معاشرے کے بکھر جانے کا شدید خطرہ موجود ہے اور شادی کا نظام ختم ہونے کی صورت میں جنسی بے راہ روی کو فروغ حاصل ہو گا جو کسی بھی لحاظ سے کسی بھی معاشرے میں قابل قبول نہیں۔

4- انسانی کلوننگ سے ایک ہی طرح کے مخصوص قسم کے انسان پیدا کیے جا سکیں گے جو کہ قدرتی نظام میں موجود توازن کو بگاڑ سکتے ہیں۔ لوگوں کے لیے ان کی شناخت (identification) ابھی ایک مشکل مسئلہ بن جائے گی، جیسا کہ قدرتی طور پر پیدا ہونے والے جڑواں بچوں میں ان کی پہچان مشکل ہوتی ہے۔

5- انسانی کلوننگ سے جرائم بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ ایک ہی طرح کے انسان ایک ہی وقت میں قانونی اور جسمانی پیچیدگیاں پیدا کر سکتے ہیں۔

6- انسانی کلوننگ کی ٹیکنالوجی انسانی فلاح و بہود میں استعمال ہونے کی بجائے انسان کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔

انسانی کلوننگ کی اجازت دینا انسانی معاشرے کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اور وہ تمام تحفظات، جن کا مندرجہ بالا چھ نکات میں ذکر کیا گیا ہے، اس راہ پر چلنے سے منع کرتے ہیں۔ کلوننگ بذات خود ایک مفید ٹیکنالوجی کے طور پر مروج رہی ہے اور آج کل بھی ہے، جس کے ذریعے جانور اور پودوں کو انسانی فلاح و بہود کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے مگر اس ٹیکنالوجی کا بعینہٖ اطلاق انسانوں پر کرنا خطرات سے خالی نہیں ہے۔ تاہم مستقبل میں جینٹک انجینئرنگ کی بدولت کئی حیاتیاتی اختراعات و ایجادات سامنے آئیں گی۔ آنے والے وقت میں اس بات کا تعین ہو سکے گا کہ انسان کی کلوننگ ہو گی یا نہیں ہو گی اور انسان کی کلوننگ کا یہ عمل کیسے شروع ہو گا اور دنیا پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اس بارے میں قبل از وقت کوئی حتمی پیشنگوئی نہیں کی جا سکتی، البتہ ممکنہ خطرات، نقصانات اور خدشات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

کلوننگ کے بارے میں قوانین

برطانیہ میں ہیومن فرٹیلائزیشن اینڈ ایمبریالوجی (Human Fertilization and Embryology) ایکٹ کے تحت (Reproductive Cloning) کو غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔ ایسے کسی بھی منصوبے پر کام کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سائنس دانوں کے پاس لائسنس موجود ہو مزید برآں ایسے کسی بھی منصوبے کے لیے سائنس دانوں کو لائسنس جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اسی سلسلے میں ایک منصوبے کے تحت قانون کو

مزید واضح اور صریح بنانے پر غور کیا جارہا ہے۔ کلوننگ کے سلسلے میں امریکی قانون غیر واضح ہے مگر حال ہی میں ایوانِ نمائندگان نے ایک قانون منظور کیا ہے جس کی رو سے کلوننگ پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ اٹلی کے قانون میں بھی اس بارے میں کچھ ابہام نظر آتا ہے، مگر وہاں بھی طبی ضابطوں کی خلاف ورزی کا قانون موجود ہے اور اگر کوئی ڈاکٹر یا سائنس دان ان ضابطوں کو پامال کرتا ہوا پایا جائے تو اس کا لائسنس معطل کیا جا سکتا ہے۔

اب قارئین کی دلچسپی کے لیے کلوننگ سے متعلق اخبارات میں شائع شدہ چند خبریں دی جاتی ہیں۔ مقامی اخبارات نے یہ خبریں غیر ملکی اخبارات میں چھپنے والی خبروں سے حاصل کی ہیں۔

کلوننگ سے متعلق خبریں

کلوننگ سے انسان پیدا کرنا ممکن نہیں: امریکی ماہرین

لیبارٹری میں دل، جگر اور دیگر انسانی اعضاء کی تیاری کا خیال بھی باطل ثابت ہو گیا۔

کلوننگ سے پیدا ہونے والے ابتدائی خلیئے کا جنیٹک عدم استحکام جسم میں خطرناک بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔

واشنگٹن (اے پی) کلوننگ کی وہ تکنیک جس سے ڈولی بھیڑ پیدا کی گئی تھی انسانوں کی کلوننگ میں استعمال نہیں کی جا سکتی کیونکہ تازہ ترین تجربات سے انکشاف ہوا ہے کہ ابتدائی خلیے (ایمبریونک سٹیم سیل) سے کلوننگ جسم میں خطرناک بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ وائٹ ہیڈ انسٹیٹیوٹ فار بائیو میڈیکل ریسرچ اور میساچوسٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں کلوننگ پر ریسرچ کرنے والے امریکی ماہر روڈلف جینش کا کہنا ہے کہ حالیہ ریسرچ نے ان خدشات کی تصدیق کر دی ہے کہ انسانی کلوننگ بہت خطرناک ہو گی۔ انہوں نے بتایا کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا کیے گئے چوہوں، سوروں، بھیڑوں اور مویشیوں میں بعد ازاں مہلک قسم کے بگاڑ سامنے آئے اور کلوننگ سے پیدا ہونے والے

بہت سے جانور انتہا درجے کے مٹاپے کا شکار ہو گئے۔ ریسرچ سے یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ کلوننگ کی مروجہ تکنیک کے ذریعے اس بات کا شدید خطرہ رہتا ہے کہ ٹشوز اور اعضاء مطلوبہ جگہ اور وقت پر پروان نہ چڑھیں۔ کلوننگ کے اس پہلو کے سامنے آنے کی وجہ سے لیبارٹری میں انسانی اعضاء تیار کرنے کا خیال بھی باطل ثابت ہو گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ دل، جگر وغیرہ کے مُردہ خلیوں کی جگہ لیبارٹری میں کلوننگ کے ذریعے تیار کیے گئے خلیے انجیکٹ کر کے لاعلاج بیماریوں کا علاج بھی فی الحال ممکن نہیں کیونکہ ابتدائی خلیوں کا جینیک عدم استحکام اس سارے عمل کو انتہائی خطرناک بنا دے گا۔ ان ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والے انسانوں کا جینیک بگاڑ ان کی شخصیت، ذہانت اور دوسری انسانی خصوصیات کو بھی متاثر کرے گا۔ (روزنامہ "جنگ"، 7 جولائی 2001ء)

سائنسدان خدا نہیں ہو سکتے......!!

تائیوان میں انسانی کلوننگ پر سخت پابندی کا فیصلہ

تائے پی (اے ایف پی): تائیوان کی حکومت نے انسانی کلوننگ پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلے میں مجوزہ بل پارلیمنٹ کو بھیج دیا گیا ہے۔ تائیوان کے محکمہ صحت کے ایک افسر نے بتایا کہ اس بل کے تحت انسانی کلوننگ پر سخت ترین پابندی عائد ہو گی۔ انہوں نے کہا: "کسی سائنسدان کو قدرت سے کھیلنے کی اجازت نہیں، انہوں نے یہ کیوں سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ وہ خدا ہیں، وہ خدا نہیں ہو سکتے۔" (روزنامہ "جنگ"، 10 اگست 2001ء)

برطانیہ میں انسانی کلوننگ پر پابندی

لندن (اے ایف پی) حکومت برطانیہ نے انسانی کلوننگ میں پابندی کے قانون کی منظوری دے دی ہے، جس کی خلاف ورزی پر 10 برس قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ گزشتہ روز شاہی محل نے اس کے مسودے پر دستخط کر کے اسے قانونی شکل دے دی، تاہم ڈولی بھیڑ کی طرح تھراپیوٹک کلوننگ تکنیک کی اجازت ہے۔ (5 دسمبر 2001ء)

کلوننگ کے ذریعے پہلا انسان

نکوسیا (پی پی آئی): مختلف ملکوں اور مذہبی رہنماؤں کی مخالفت کے باوجود انسانی

کلوننگ کے متنازع تجربات جاری رکھنے والے سائنسدانوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ انسانی کلوننگ کے تجربات میں کامیاب ہو چکے ہیں اور اس سال کے آخر تک دنیا کا پہلا کلون انسان منظر عام پر آجائے گا۔

(روزنامہ "جنگ"، 11 نومبر 2001ء)

مصنوعی خون بنانے والا فارمولا ایجاد کر لیا گیا

لندن (فارن ڈیسک): امریکی سائنسدانوں نے انسانی خلیوں میں وہ نظام مصنوعی طور پر تیار کر لیا ہے جو خون کے ساتھ جسم میں آکسیجن لے کر جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اب مصنوعی طور پر خون تیار کرنے کے امکانات بہت حد تک بڑھ گئے ہیں۔

بی بی سی کے مطابق سائنسدانوں نے کہا ہے کہ نئی تحقیق سے ایسا متبادل خون تیار کیا جائے گا جو ہر مریض کے لیے موزوں ہو گا۔

(روزنامہ "نیا اخبار"، 25 نومبر 2002ء)

بھیڑ ڈولی جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو گئی

لندن (رائٹر): کلوننگ کے حامیوں کا دعویٰ غلط ثابت ہو گیا۔ دنیا کی پہلی کلوننگ شدہ بھیڑ ڈولی جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو گئی ہے جس سے کلوننگ کے حامیوں کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا ہے کہ کلوننگ سے پیدا ہونے والا کبھی بیماری میں مبتلا نہ ہو گا۔ پروفیسر ایئن ولمٹ نے بتایا کہ ڈولی کی پچھلی ٹانگ میں درد ہے۔ ڈولی کی عمر ابھی 5 برس ہے۔

(روزنامہ "نوائے وقت"، 5 جنوری 2002ء)

سائنس کے کرشمے: عورتیں مردوں کے بغیر بچے پیدا کر سکیں گی

مادہ چوہوں پر تجربات سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ نر سپرم کے علاوہ کئی سیلوں سے حاملہ ہو سکتی ہیں

تجربے کا اطلاق خواتین پر بھی ممکن ہے جس کو حتمی شکل دینے کے لیے 2 سال کا وقت درکار ہے، ڈاکٹر اورلی لیھم کیلان۔

لاہور (خصوصی رپورٹ): ایک آسٹریلوی خاتون سائنسدان نے اپنی ریسرچ کی بناء پر دعویٰ کیا ہے کہ عورتیں مردوں کے بغیر بھی بچے پیدا کر سکتی ہیں۔ دو سال کے تحقیق کام کے بعد ڈاکٹر اورلی لیھم کیلان نے رپورٹروں کو بتایا کہ مادہ چوہوں پر اس کے تجربات

نے ثابت کیا ہے کہ وہ سپرم کے علاوہ کئی سیلوں سے حاملہ ہو سکتی ہیں اور اس تجربے کا اطلاق خواتین پر بھی ممکن ہو سکتا ہے، تاہم خاتون سائنسدان نے بتایا کہ ان تجربات کو حتمی شکل دینے کے لیے مزید ایک سال کا وقت درکار ہوگا۔ اس طریقہ حمل میں کسی قسم کی پیچیدگی کا کوئی ڈر نہیں۔ خاتون سائنسدان نے بتایا کہ وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش ہے۔

(روزنامہ "یلغار"، 13 جولائی 2001ء)

انسانی کلوننگ کے بارے میں نئی معلومات صفحہ 295 پر بھی دیکھئے۔

انسانی کلوننگ اور قرآن حکیم

حیوانی اور انسانی کلوننگ کا مطالعہ کرنے کے بعد ممکن ہے قارئین کے ذہن میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوئے ہوں:

1- کیا انسانی کلوننگ کا قرآن حکیم میں ذکر ہے؟

2- کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کلوننگ کے ذریعے ہوئی؟

3- کیا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی کلوننگ کا ذریعہ تھی؟

پہلے چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں:

آج تک یعنی 17 دسمبر 2002ء تک جب کہ یہ کتاب اشاعت کے مراحل طے کر رہی ہے، اردو کی کسی بھی لغت میں "کلوننگ" کا لفظ موجود نہیں ہے، اگر ہے تو اس کے معنی کچھ اور ہی دیئے گئے ہیں یا کلوننگ کو قلمیہ یا کلوننگ ہی لکھ دیا گیا ہے۔ بعض انگریزی زبان کی لغات میں کلوننگ (Cloning) کا لفظ ملا ہے مگر اس کے معنی بھی مختلف ہیں مثلاً

"A group of organism derived from a single individual by various type of a sexual reproduction"

اسی طرح قاموس القرآن یا دیگر لغات عربی میں یہ لفظ مفقود ہے، لہٰذا منظر عام پر یہ لفظ 1997ء میں جدید معنوں کے ساتھ آیا یا جنیٹک انجینئرنگ کی کتابوں میں مل جاتا ہے اور ان میں کلون (Clone) کی تصریح مندرجہ ذیل دی گئی ہے۔

"To make identical copies without sexual reproduction. In genetic engineering it is commion to clone a gene, an antibody or a cell"

خلیہ (Cell) کے بارے میں اگرچہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں، تاہم آپ کی یاد

دہانی کے لیے ایک بار پھر آپ کو بتا دیتے ہیں کہ کسی بھی زندہ شے کا چھوٹے سے چھوٹا زندہ حصہ "خلیہ" کہلاتا ہے۔ حیوانات میں لاکھوں کی تعداد میں خلیے ہوتے ہیں مثلاً ایک انسانی جسم میں تقریباً $60x10^{12}$ (ساٹھ ٹریلین) خلیے ہوتے ہیں جن کے ذمے مختلف کام ہوتے ہیں۔ خلیے کی نمود ہو سکتی ہے اور اسے طویل عرصے تک تجربہ گاہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ ڈی این اے (DNA) ایک ایسی شے ہے جو تمام زندہ اشیاء میں موجود ہوتی ہے اور جینز کی ساخت بناتی ہے۔ حیوانات اور پودوں میں ڈی این اے کروموسومز میں موجود ہوتے ہیں۔

قارئین کرام! قرآن حکیم حیاتیات (Biology) کی کتاب نہیں ہے یہ کتاب تو انسان کی رُشد و ہدایت کے لیے وحی کی صورت میں حضور نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی۔ قرآن حکیم میں جنینیات (Embryology) سے متعلق آیات ہیں اور ان آیات میں رب کریم نے ہمیں بتا دیا ہے کہ انسان کی تخلیق کن کن مراحل سے ہوتی ہے اور اس کی تخلیق کا مادہ بھی بتا دیا جو آپ تفصیل سے تیسرے باب میں پڑھ چکے ہیں، لیکن کلوننگ کے بارے میں براہ راست کوئی آیت کریمہ نہیں ہے اور نہ ہی اس جدید تخلیقی طریقہ پر کوئی اشارہ یا تمثیل پائی جاتی ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ آنے والے وقتوں میں کوئی اشارہ یا تمثیل مل جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر یہ بھی فرما دیا ہے کہ اس میں ہر شے کے متعلق سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات کریمہ پر توجہ فرمایئے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری (جس میں) ہر چیز کا کھلا بیان اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری (ہے) حکم ماننے والوں کے لیے۔

دوسرا ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ پر قرآن (کتاب) اُتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانے والا ہے۔

تیسرا ترجمہ: یہ قرآن مجید ہم نے (اے محمد ﷺ!) تم پر نازل کیا ہے جس میں تمام

(امور حیات و کائنات) اور اسلام قبول کرنے والوں کے لیے (جنت) کی بشارت ہے۔

(سورۃ النحل 16 آیت 89)

ارشاد ہے کہ ہم نے اے رسول ﷺ! تیری طرف ایک عظیم الشان کتاب اُتاری ہے جس کا نام قرآن مجید ہے اور جس میں قیامت کے دن تک کے لیے ہر چیز جو دنیا اور آخرت میں انسان کے کام آنے والی ہے، کھول کر بیان کر دی ہے (کر دی گئی ہے)۔ اس سے ہر انسان ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ اس میں اس کے فائدے کی ہر چیز ملے گی اور ہر مضر چیز کا نقصان ظاہر ہو جائے گا۔

ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: اور جنہوں نے ہمارے واسطے محنت کی، ہم انہیں اپنی راہیں سجھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

دوسرا ترجمہ: جو لوگ ہمارے قرآن کی آیات میں دل کے شوق اور لگن سے غور کریں گے ہم ان کو نئی نئی راہیں دکھا دیں گے یا دکھاتے جائیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا ساتھی ہے۔

(سورۃ العنکبوت 29، آیت 69)

اسی بات کو غالباً مدنظر رکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

؎ صد جہاں باقی است در قرآن ہنوز!
اندر آیاتش یکے خود را بسوز!

مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ابھی سینکڑوں جہان (حروف و معانی) زندہ اور باقی ہیں۔ اس کی آیات کی گہرائیوں کو کھنگالنے کے لیے اپنے آپ کو مشققت میں ڈال کر تو دیکھو۔

علامہ اقبالؒ نے اس آیت کی تشریح و تفسیر بڑی خوبصورتی سے اپنے شعر سے کر دی ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو ہمارے واسطے محنت و مشققت اٹھائے گا،

ہم اس پر اپنی راہیں واضح کر دیں گے۔ جو دیانتداری اور خلوص کے ساتھ نیک کام کرے گا اللہ اس کے ساتھ ہے اور اس کا معین و مددگار ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: تنزیلات الٰہی تو ذکر (موعظت) ہیں اور قرآن واضح حقائق (کائنات) کا گنجینہ لازوال ہے تاکہ ہر زندہ انسان کو نتائج اعمال بد سے متنبہ کر دے تاکہ کفار پر حجت الٰہی ثابت ہو جائے۔ (سورۃ یٰسین 36، آیت 70,69)

ارشاد ہوا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے اور تم حقائق قرآنی کا ادراک کچھ وقت بعد کر لو گے۔ (سورۃ ص 38، آیت 88,87)

(اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے) جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا قرآن میں دی ہوئی چیزوں کی کیفیت تم کو معلوم ہوتی چلی جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے ہر شے کو زوج زوج پیدا کیا تاکہ تم (عظمت و حکمتِ تخلیق پر) غور کرو۔

دوسرا ترجمہ: اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے تاکہ تم سوچو سمجھو (یعنی آنکھیں کھولو)۔ (سورۃ الذاریات 51، آیت 49)

قارئین کرام! آپ نے قرآن حکیم کی سورۃ النحل کی آیت 89، سورۃ العنکبوت کی آیت 69، سورۃ یٰسین کی آیت 70,69 اور سورۃ ص کی آیت 88,87 اور سورۃ الذاریات کی آیت 49 کا مطالعہ فرمایا ہے۔ ان آیات کریمہ کا تعلق حیوانی یا انسانی کلوننگ سے براہ راست تو نہیں اور ان کے سیاق و سباق کچھ اور بھی ہوں، تب بھی ان آیات میں

بہت گہرائی کی باتیں اور پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

متذکرہ آیات کے مفہوم پر ایک بار پھر توجہ فرمائیے۔ سورۃ النحل کی آیت 89 میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز (کل شیٔ) کا کھلا بیان ہے تو پھر کسی آیت میں خلیے کا ذکر کسی اشارے کے طور پر یا تمثیلاً ہونا چاہیے اور پھر سورۃ العنکبوت کی آیت 69 میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیت (قرآن مجید) پر غور و فکر اور تحقیق کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نئی نئی راہیں دکھاتے جائیں گے مگر محنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سورۃ یٰسین کی آیت 69 میں بھی فرمادیا گیا ہے کہ قرآن مجید واضح حقائق (کائنات) کا گنجینہ لازوال ہے تو پھر واضح حقائق میں جدید سائنسی حقائق بھی ہو سکتے ہیں، ایسے حقائق جو اہل فہم و بصیرت (یا سائنسدانوں) کے سینے میں چھپے ہوئے تھے یا ابھی بھی پوشیدہ ہیں۔ سورۃ ص کی آیت 87 اور 88 میں درحقیقت مزید وضاحت فرمادی گئی ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا قرآن حکیم میں دی ہوئی خبریں اور عجائبات (جدید سائنسی انکشافات) جو راسخون فی العلم (اپنے علم میں پختہ یا جنہیں رسوخ علمی حاصل ہے) کے سینوں میں دفن ہیں وہ ہماری آنکھوں کے سامنے روز روشن کی طرح جلوہ گر ہوں گے۔

سورۃ تکویر 82 کی آیت 27 کا ترجمہ ہے:

"قرآن تو ایک نصیحت (موعظت) ہے تمام جہانوں کے لیے۔"

یعنی قرآن تمام زمانوں کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ چنانچہ آنے والے زمانوں میں سائنس دانوں کی نئی نئی تحقیقات سامنے آتی جائیں گی اور پھر ایسے قرآنی حقائق جو اس وقت ہماری نظروں سے (بلکہ ہمارے وہم و خیال میں بھی) اوجھل ہیں، پوشیدہ ہیں، وہ کسی بھی زمانے میں نمودار ہو جائیں گے اور قیامت تک ظہور پذیر ہوتے رہیں گے۔

سورۃ آل عمران 3 کی آیت 6 اور 7 میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن حکیم میں دو طرح کی آیات ہیں:

1- آیاتِ محکمات: آیات محکمات اصل اور قرآن کی بنیاد ہیں اور ان کے معنی بالکل صاف اور واضح ہیں۔ ان کی تشریح و توضیح کو تفسیر کہتے ہیں۔

2- آیاتِ متشابہات: آیات متشابہات وہ آیات ہیں جن کے ایک سے زیادہ

معنی ہوں۔ ان کی تشریح و توضیح کو تاویل کہتے ہیں، چنانچہ ان آیات کی ایک سے زیادہ تاویلات بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیات 6اور 7 میں فرمادیا گیا ہے کہ ان آیات متشابہات کا مطلب تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہی جانتی ہے یا پھر وہ لوگ بھی جان جائیں گے جنہیں قرآن کی زبان میں راسخون فی العلم کہا گیا ہے، یعنی ایسے اہل علم و بصیرت جو اپنے علم پر حاوی ہیں اور قدرت و دسترس رکھتے ہوں۔ یہ آیات متشابہات ہی ہیں جن میں طرح طرح کی خبریں اور پیش گوئیاں موجود ہیں اور مختلف زمانوں میں تجلیات قرآن کے عجائبات ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ اب میں ایک بار پھر آپ کی توجہ سورۃ حم السجدہ 41 کی آیت 53 کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ آپ کی یاد دہانی کے لیے اس کا ترجمہ دوبارہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

''ہم انہیں عنقریب اپنی نشانیاں (قدرت کے نمونے) دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ یہ قرآن درست ہے (ٹھیک ہے)۔''

اس آیت کی تاویل اسی کتاب کے صفحہ 138 پر دی گئی ہے۔ کائنات میں نشانیوں کے علاوہ ہماری جانوں میں بھی قدرت کے نمونے ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ وہ خلیے ہیں، جن سے انسانی جسم معرضِ وجود میں آتا ہے اور یہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں جیسا کہ آپ اسی باب کے صفحہ 153 پر مطالعہ فرما چکے ہیں۔ یہی خلیے کروسومز، ڈی این اے، جینز اور پروٹین کی بنیاد فراہم کرتے ہیں اور چوتھے اور پانچویں ابواب میں آپ ان کی تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ یہی خلیے ہیں جو حیوانی یا انسانی کلوننگ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں بلکہ مخصوص خلیوں کے بغیر جدید حیاتیات (یعنی جینز پر تحقیق، حیوانی اور انسانی کلوننگ) ہی ناممکن ہے۔ خلیہ انسان کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ اب سورۃ الذاریات 51 کی آیت 49 پر غور فرمایئے جس کا ترجمہ ہے کہ ''اور ہر چیز کے جوڑے بنائے ہم نے تاکہ تم سمجھو (اور اپنی آنکھیں کھولو)'' یہ آیت بھی جدید حیاتیاتی تخلیق یا جینز پر تحقیق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اب اُن آیات کی طرف توجہ فرمایئے جن میں ''نفس واحدہ'' کا ذکر ہوا ہے۔

نفس واحدہ (SINGLE CELL)

جیسا کہ آپ نفس واحدہ کے بارے میں چوتھے باب کے صفحہ 127 تا 129 پر مطالعہ فرما چکے ہیں قرآن حکیم میں نفس واحدہ کا ذکر بھی ہوا ہے، مثلاً سورۃ النساء کی آیت 1، سورۃ الانعام کی آیات 99,98 اور سورۃ الزمر 39 کی آیت 6 میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ ایک اور آیت کا مطالعہ بھی فرما لیجئے جو سورۃ الاعراف 7 کی آیت 189 ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس کی جنس کا زوج بنایا تاکہ اس کی رفاقت میں سکون حاصل کرے۔

دوسرا ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بی بی کو پیدا کیا تاکہ مرد عورت کی طرف مائل ہو۔

میری حقیر دانست کے مطابق ''نفس واحدہ'' سے مراد ''واحدۃ الخلیہ'' (Single Cell) بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی تاویل کتاب کے صفحہ 127 تا 129 پر آپ کی خدمت میں پہلے بھی پیش کی جا چکی ہے۔ اگر نفس واحدہ کا مطلب ''واحدۃ الخلیہ'' قبول کر لیا جائے تو پھر آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہو سکتا ہے، مثلاً

تیسرا ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں واحدۃ الخلیہ سے پیدا کیا (کئی ارتقائی منازل کو طے کیا یا کئی مراحل سے گزرا) اور اسی سے اس کی بی بی کو پیدا کیا تاکہ مرد اس کی طرف مائل ہو (یا اس کی رفاقت میں سکون حاصل کرے)۔

حیوانی یا انسانی کلوننگ کی جدید ٹیکنالوجی ''خلیے'' کے بغیر ہی ناممکن ہے اور ''خلیہ'' اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، انسان کی نہیں۔ قرآن حکیم کے بعض مفسرین اور مذہبی کتابوں کے مصنفین جن میں زیادہ تر ہمارے علما کرام شامل ہیں، نفس واحدہ کو واحدۃ الخلیہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور ان میں سے ایک مصنف رقمطراز ہے کہ امیبا (Amoeba) یا یک خلوی (Unicellular) جاندار ''نفس واحدہ'' پر ہرگز صادق نہیں آ

سکتا اور مفسرین کے قول کے مطابق یہ یہاں صرف حضرت آدم علیہ السلام پر صادق آ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ پرانے مفسرین مثلاً علامہ ابن کثیر کی مثال دیتے ہیں کہ ان کی تحریر کے مطابق نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور "زوجھا" سے مراد حضرت حوا علیہا السلام ہیں۔ تاہم میری تاویل کے مطابق نفس واحدہ (تن واحد) سے مراد خلیہ واحد ہی ہے۔ چنانچہ اس نقطے پر مصنف ماضی کے مفسرین قرآن سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ نفس واحدہ کی اور کوئی تاویل نہیں کر سکتے تھے۔ چونکہ وہ حیاتیات (Biology) یا جدید سائنسی علوم سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام انسانی خصائل جینز کی بدولت ہیں مثلاً ایک مرد عورت کی طرف مائل ہوتا ہے تو یہ مخصوص جینز کی وجہ سے ہے جو اس کے خلیوں میں موجود ہوتے ہیں۔ تاہم اگر نفس واحدہ کا متبادل ترجمہ "واحدۃ الخلیہ" تسلیم کر لیا جائے تو انسانی کلوننگ کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اب آیئے دوسرے سوال کی طرف یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اللہ تعالیٰ کا معجزہ تھی:

(اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت کا ایک نمونہ تھی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ تھی اور اس میں کلوننگ کا قطعاً عمل دخل نہ تھا کیونکہ انسانی کلوننگ سے تو مراد ہے عورت اور مرد کے ملاپ کے بغیر ایک حیوان یا انسان کی ہو بہو نقل (کاپی) تیار کرنا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کے بارے میں تو آپ مطالعہ فرما چکے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور جو گزارش کی، اسے سورۃ آل عمران کی آیت 47 میں ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہوا:

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: بولی اے رب! میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا؟ جبکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو

یہی کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی معرفت جب حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو آپ کو حیرت ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے ابھی تک کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ ظاہری اسباب کا محتاج نہیں۔ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ حکم دیتا ہے ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

ہماری اس مادی دنیا میں اگر کوئی واقعہ رونما ہو تو اس کا کوئی سبب یا وجہ (cause) ہے جس کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسے اردو میں علت اور معلول (cause and effect) کہا جاتا ہے۔ اگرچہ آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کے مطابق یہ بھی اضافی ہیں تاہم ظاہری طور پر کسی وقت کسی جگہ کوئی علت ہے تو معلول بھی برآمد ہوگا مثلاً آپ گرم پانی میں ہاتھ ڈالیں تو آپ کا ہاتھ جل جائے گا، انسان کے دل کی دھڑکن تھم جائے تو وہ موت کی وادی میں چلا جائے گا۔ مرد اور عورت کا ملاپ ہو تو بچہ پیدا ہوگا وغیرہ۔ پہلی مثال کی وضاحت یہ ہے کہ گرم پانی علت ہے اور ہاتھ کا جلنا معلول ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام چلانے کے لیے قوانین مقرر کر دیے ہیں، جنہیں تکوینی قوانین کہا جاتا ہے۔

انسان کا مشاہدہ اس قدر پختہ اور اٹل ہو چکا ہے کہ وہ ہر نتیجے کا سبب دریافت کرتا ہے اور کسی چیز کا نتیجہ نکالنے کے لیے اس کا سبب پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جس کا کوئی ظاہری یا طبعی سبب نہ ہو تو اسے حیرانی ہوتی ہے۔

سورۃ آل عمران کی مذکورہ آیت 47 میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اسی مشاہدے کو غلط قرار دیا ہے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب کا وجود محض انسان کی تسکین کے لیے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت کے آگے ہر شے ممکن ہے۔ کسی کام کی تکمیل کے لیے اس کا اشارہ ہی کافی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے کہ میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو "کن" (ہو جا) کا اشارہ کر دیتا ہوں چنانچہ اس کے نتیجہ میں فوراً وہ کام "فیکون" (ہو جاتا) ہے، ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی (جیسا کہ انسان کو حیوانی یا انسانی کلوننگ کے لیے ظاہری اسباب کی ضرورت ہے) اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے اور ہر کام کا سبب خود ہی پیدا کرتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش

اسی سے ملتا جلتا واقعہ سورۃ آل عمران کی آیت 40 میں بھی فرمادیا، ارشاد ہوا:

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝

ترجمہ: کہا: اے رب! میرے (ہاں) لڑکا کہاں سے ہوگا؟ جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

(سورۃ آل عمران 3 آیت 40)

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی گئی کہ تیرے ہاں ایک صالح بچہ (حضرت یحییٰ) پیدا ہوگا، تو انہیں بہت حیرت ہوئی، کہنے لگے کہ اس کے ظاہری اسباب تو موجود نہیں ہیں، میں خود بوڑھا ہو چکا ہوں اور بیوی بانجھ ہے، بیٹے کی ولادت کیسے ہوگی؟ جیسا کہ ترجمہ میں ذکر ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے" یعنی اُسے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ (کی ذات بابرکات) ساری کائنات پر حاوی ہے۔ جس کام کو کرنا چاہے فوراً کر سکتا ہے۔ اسے کسی سبب کی ضرورت نہیں پڑتی، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ظاہری اسباب پر نظر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھے۔

یہ بات یاد رکھیئے کہ اگر انسان نے کلوننگ کی ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے اور اس کا ادراک حاصل کر لیا ہے تو کیا نعوذ باللہ وہ خدا کے مدمقابل آ کھڑا ہوا ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں! کلوننگ کی مثال تو محض ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اشیاء میں تبدیلی پیدا کر کے ان اشیاء کی مزید کاپیاں تیار کرنا مثلاً دیسی آم کا پودا زمین میں اللہ تعالیٰ نے اگایا ہوا ہے اور اس آم کو اعلیٰ کوالٹی کا آم یا قلمی آم پیدا کرنے کے لیے انسان اچھے قلمی آم کی ایک شاخ اس دیسی آم میں پیوند کر دیتا ہے اور اسے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ پودا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بڑا ہو جاتا ہے اور اُسی قسم کے آم دیتا ہے جس آم کی شاخ اسے پیوند کی گئی تھی یا کسی فصل کے بیج زمین میں بونے سے اسی فصل کے پودے (یعنی کاپیاں) حاصل ہو جاتے ہیں جس کے بیج لیے گئے تھے وھذا القیاس۔ بے شمار مثالیں

ہیں مگر اختصار کی غرض سے چند مثالیں دی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم، تحقیق اور مشاہدے کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ آپ اس کتاب کے پہلے باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں اور کئی بار بلکہ بار بار اللہ تعالیٰ نے انسان کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ رموز حیات و کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرے۔ وہ کسی حقیقت واقعہ سے منہ پھیر لینے، انکار کرنے یا آنکھیں بند کر لینے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ حقائق کا مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دعوت فکر دی ہے کہ وہ دنیا میں چل پھر کر خبروں کا جائزہ لے کر کھوج لگائے اور سچائی معلوم کرے، مثلاً حیاتیاتی تخلیق کے بارے میں سوچے کہ وہ کس طرح انسان کی تخلیق کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے اور یہی اس کی منشا ہے کہ انسان کائنات کا مشاہدہ کر کے خالق کائنات کو پہچانے۔ قرآن حکیم میں بہت ساری آیات ہیں جو انسان کو غور و فکر کرنے کی تلقین کرتی ہیں، ارشاد ربانی ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: (کہہ دیجئے اے رسول ﷺ) روئے زمین پر چل کر دیکھو کہ اس (خلاق اکبر) نے کس طرح بار اول مخلوق پیدا کی اور پھر دوبارہ پیدا کرے گا (نشاۃ اُخری لائے گا) وہ اللہ تعالیٰ کائنات، اشیائے ہستی پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (سورۃ العنکبوت 29، آیت 20)

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی ذات عظیم ہی ہے جو عدم محض سے وجود میں لاتا ہے اور پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتا ہے کہ وہ نیست کو ہست میں لے آتا ہے۔ کوئی بھی سائنس دان زندگی کو عدم محض سے وجود میں نہیں لا سکتا۔ انسانی خلیہ یا محض خلیہ تو اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ ہے اور انسان اس میں کچھ تبدیلیاں کر کے حیوان یا انسان کی نقل پیدا کر رہا ہے مگر اوریجنل خالق (Original Creator) نہیں ہے۔ اصل خالق تو خدا کی ذات بابرکات ہے اور انسان محض خدا کی بنائی ہوئی مخلوق پر تحقیق و تجربات کر رہا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے کہ میری تخلیق پر غور کرو کہ وہ کیسے کی گئی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہونے کا حق ادا کرے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب (خلیفہ

بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

ترجمہ: (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ مجھے روئے زمین پر اپنا نائب (خلیفہ) مقرر کرنا ہے۔ (سورۃ البقرۃ 2، آیت 30)

اگر انسان خدا کا خلیفہ (نائب ہے) تو پھر اسے ایسے کام سرانجام دینے چاہئیں جس سے خدا خوش ہوتا ہو مثلاً وہ غور و فکر کرے کہ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی ہے؟ روئے زمین پر چل کر دیکھے کہ خداوند کریم نے پہلی بار کیسے تخلیق کی؟ ساتھ ساتھ خدا کے احکامات کی پیروی بھی کرتا رہے تاکہ اسے خدا کا قرب نصیب ہو۔ ممکن ہے...... پاکستان میں بہت سارے لوگ حیاتیات کی موجودہ جدید تحقیق (حیوانی یا انسانی) کلوننگ کی تکنیک کو نہ سمجھتے ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ذریعے علم اور تحقیق پر ہمیشہ زور دیا ہے۔ میرے ان خیالات کی علامہ اقبال نے خوب ترجمانی کی ہے، فرماتے ہیں:

ے تو شب آفریدی چراغ آفریدم
تو خاک آفریدی ایاغ آفریدم

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ تو نے (اے خدا) اندھیری رات پیدا کی تھی، اس کو روشن کرنے کے لیے میں نے چراغ بنا لیا اور تو نے مٹی پیدا کی تھی تو میں نے اس سے صراحی اور سبو بنا لیا۔ مزید فرماتے ہیں:

ے بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

حضرت اقبالؒ یہاں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ فطرت سے مغلوب نہیں ہوا ہے بلکہ ہمہ وقت اس کی تسخیر میں لگا رہتا ہے۔ فطرت کے ظاہری جلوؤں سے اس کی نگاہیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ اس کی بے باکانہ نظر ظاہری جلوؤں کے پردوں کو چیرتی ہوئی حقیقت تک پہنچنا چاہتی ہے۔ وہ فطرت کے حسن کو اسی طرح چوستا ہے جس طرح بھنورا

پھول کے رس کو لیکن ساتھ ساتھ حسن کو مسخر کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

قرآن حکیم کسی ایک علم یا ایک فن کی کتاب نہیں بلکہ سرچشمہ علوم و فنون ہے اور انسانی زندگی کو پیش آنے والے تمام احکامات ہیں جن سے ہمیں رہنمائی حاصل ہوتی ہے لیکن فکر و نظر کا سائنسی ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ ساری بنیادی باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں مگر اس میں کسی علم یا فن کی تفصیلات یا جزئیات نہیں بلکہ حکمت و بصیرت کے موتی بکھرے ہوئے ہیں اور ان کو اکٹھا کرنا اور استفادہ کرنا بھی انسان کی عقل و دانش پر منحصر ہے، مثلاً قرآن حکیم میں کلوننگ کا ذکر نہیں مگر ''نفس واحدہ'' کے الفاظ واحدۃ الخلیہ کی طرف اور واحدۃ الخلیہ حیوانی یا انسانی کلوننگ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ آج یورپی اقوام تو سائنسی اختراعات و ایجادات میں مسلمانوں پر بہت سبقت لے گئی ہیں اور سائنس کے معجزات دکھا رہی ہیں۔ ایک حالیہ مثال یہی حیاتیات کے میدان میں تحقیق ہے، جس کے ذریعے انہوں نے حیوانی یا انسانی کلوننگ کی ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ اس وقت سائنسی تحقیق کے معاملے میں مسلمانوں کی پیشرفت کوئی قابل ذکر نہیں۔ آج سے تقریباً 80 سال پہلے علامہ اقبال نے بھی غالباً مسلمانوں کی حالت زار پر یہ شعر کہا ہوگا:

؎ کس طرح ہوا کند، ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

(ارمغان حجاز)

پھر فرماتے ہیں: بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!

؎ اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک رسائی

(ضربِ کلیم)

انہی معروضات کے ساتھ ''انسانی کلوننگ اور قرآن حکیم'' پر بحث کو ختم کرتا ہوں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

چھٹا باب

فطرت کی معلوم قوتیں اور اللہ کا تصور

فطرت کیا ہے؟

فطرت یا قدرت (Nature) کی اصطلاح کائنات اور اس میں رونما ہونے والے مظاہر کو ظاہر کرتی ہے اور یہ کائنات میں کارفرما قوتوں (Forces) کا مجموعہ ہے۔ سائنس دانوں نے اس وقت جو قوتیں معلوم کرلی ہیں (یا جو ابھی سینہ کائنات میں پوشیدہ ہیں)، وہ مادی دنیا میں ہونے والے تمام مظاہر کو کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔ تاہم انگریزی لفظ نیچر Nature کے معنی عالم، دنیا اور کائنات بھی ہیں۔

سائنسی علوم ہماری اعانت کرتے ہیں کہ ہم کھوج لگائیں اور کائنات کے وسیع و عریض میدان میں داخل ہو جائیں لہٰذا فطرت کا ادراک حاصل کرنے اور ان تمام مظاہر کو سمجھنے میں سائنس کی بڑی خدمات ہیں۔ اب ہم قدرت کی طرف سے ہونے والے بہت سے مظاہر کی حقیقت سے آشنا ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر بادلوں کی خوفناک کڑک، آنکھوں کو چندھیانے والی آسمانی بجلی، آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا، زلزلوں کی بلائے ناگہانی و ہلاکت خیزی، ہواؤں کی تیزی و تندی، طوفانِ باد و باراں، سمندری طوفان، شدید تباہ کن سیلاب، ندی نالوں میں موجوں کا ہیجان، سمندروں میں بے رحم آندھیاں، موسموں کا تغیر و تبدل اور براعظموں کا بہاؤ وغیرہ ایسے مظاہر ہیں جو فطرت میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور ان سب کو فطری قوتیں ہی کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔

دنیائے سائنس سے قبل یا سائنس کے زمانہ سے قبل قدیم انسان ان مظاہر سے جن کا ذکر ہو چکا ہے، بہت متاثر تھا اور اس وقت یہ تصور کرنا بھی ہمارے لیے ناممکن ہے کہ قدیم انسان کا ان قوتوں کے بارے میں کیا تصور ہو گا؟ وہ ان قوتوں سے بہت خوف زدہ تھا اور ان کو کسی انجانی طاقت کا کرشمہ یا پھر انہیں بھوت پریت یا بدروحوں سے منسوب کرتا ہو گا اور چونکہ وہ ان سے خائف رہتا تھا، لہٰذا اس نے ان کی پرستش شروع کر دی یا

مظاہر پرستی شروع کر دی، لیکن جب انسان عالم روحانیت میں داخل ہوا تو پھر اس نے صرف اور صرف ایک ہی قوت کو تسلیم کر لیا اور وہ قوت تھی اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات، اور پھر اُس نے دنیا میں موجود دیگر تمام قوتوں کی عبادت چھوڑ دی۔ جب اسے اللہ تعالیٰ کا تصور حاصل ہوا تو پھر اس تصور کی روشنی میں جب اس نے فطرت (کائنات) پر نگاہ ڈالی تو وہ اس کا گرویدہ اور مداح ہو گیا اور بعض اوقات تو اس نے خوشی اور مسرت کا اظہار بھی کیا۔ فطرت بھی اس سے ہم کلام ہوئی اور اس کی گونج (echo) جو اس کے دل میں تھی، وہ باری تعالیٰ کی ذات ہی تھی۔ چنانچہ اب وہ ان قوتوں کے شور و شرابے سے قطعاً خوف زدہ نہیں تھا اور اس کے دل میں جس تصور نے گھر بنا لیا وہ یہ تھا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے افلاک میں ہے اور "دنیا میں سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔" اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بعد اس میں اطمینانِ قلب، آزادی اور صبر جیسے خصائل پیدا ہو گئے۔

قوت سے کیا مراد ہے؟

ہماری تمام حرکات اور زندگی کے پروسیس کا تعلق ان قوتوں سے ہے، یہی ان کو کنٹرول کرتی ہیں خواہ ہمیں ان کا شعور ہو یا نہ ہو۔ خواہ ہم کرسی پر بیٹھے ہوں، کرسی سے اٹھ جائیں، کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیں، اپنے بازوؤں کو اوپر اٹھائیں یا اپنی پلکوں کو جھپکائیں۔ ان تمام حرکات میں یا تو ہم ان قوتوں کا اطلاق کرتے ہیں یا قوتیں ہم پر اطلاق کرتی ہیں یعنی اس میں مشقت (exertion) کا استعمال ہوتا ہے۔ جسم کے بہت سارے دوسرے اندرونی افعال مثلاً طب کی زبان میں نظام تغذیہ، نظام تنفس، نظام تناسل، نظام عصبی، نظام انہضام وغیرہ بھی انہی قوتوں کی وجہ سے ہیں لیکن عام حالات میں ہم ان سے آگاہی نہیں رکھتے، چنانچہ سائنس کی زبان میں قوت سے مراد دھکیلنا (push) یا کھینچنا (pull) کی قوت سے ہے جو ایک جسم دوسرے جسم یا اجسام پر لگاتا ہے۔ انہی قوتوں کی بدولت بڑی ساختیں (structures) معرض وجود میں آتی ہیں مثلاً کہکشائیں، نظام شمسی، سیارے، بلند و بالا پہاڑ، چٹانیں، سالمے، جوہر (atoms) یا مرکزے (nuclei) شامل ہیں۔ ان ساختوں میں یہ قوتیں موجود ہیں اور اس وسیع و عریض لامتناہی کائنات میں ان ساختوں کی ترتیب بھی انہی ساختوں کی وجہ سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں فطرت کی ساختیں انہی

قوتوں کی وجہ سے ہیں۔

ممتاز پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام (مرحوم) کی یونیفائیڈ تھیوری (Unified Theory) یا نظریہ وحدت کے منظر عام پر آنے سے پہلے فطرت میں چار قوتیں معلوم تھیں، جو کائنات کے تمام مظاہر (Phenomena) کو کنٹرول کرتی ہیں اور وہ ہیں:

1- کشش ثقل یا قوتِ تجاذب　　2- برق مقناطیست

3- مرکزائی قوت　　4- کمزور قوت

ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی تحقیقات کی بنیاد پر جو یونیفائڈ تھیوری 1967 میں پیش کی، اس کے مطابق چار قوتوں کی بجائے 3 قوتیں رہ گئیں۔ چونکہ تجربات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ برق مقناطیست اور کمزور قوت ایک ہی قوت کے دو پہلو ہیں اور اس تحقیق کی بدولت ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ دو امریکی سائنسدانوں شیلڈن گلاشو (Sheldon Glashow) اور سٹیون وائن برگ (Steven Weinberg) کو 1979ء میں نوبل انعام سے نوازا گیا۔

آخر یہ فطرت کی قوتیں کیا ہیں جو کائنات (فطرت) پر حکمرانی کر رہی ہیں اور ان قوتوں کی اہمیت کیا ہے؟ ایسے سوالات کے جوابات ماہر طبیعیات تو بخوبی جانتے ہیں مگر عام قاری کی دلچسپی کی خاطر ان قوتوں کو عام فہم زبان میں نہایت اختصار سے پیش کیا جائے گا۔

1- کشش ثقل یا قوتِ تجاذب (Gravity)

کشش ثقل یا قوتِ تجاذب ایک انگریز ہیت دان، ریاضی دان اور خود ساختہ فلسفی آئزک نیوٹن (Isaac Newton 1642ء تا 1727ء) نے دریافت کی۔ وہ ایک عظیم سائنس دان تھا جس کا مدمقابل (حریف) فی زمانہ البرٹ آئن سٹائن ہے۔ نیوٹن پہلا سائنس دان تھا جس نے اس قوت کا تصور پیش کیا اور وہ تصور یہ تھا کہ اس کائنات میں مادے کا ہر ذرہ دوسرے مادے کو اپنی طرف قوتِ تجاذب کے ذریعے کھینچتا (interacts) ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ نہ صرف درخت سے ایک گرتے ہوئے سیب بلکہ سورج کے گرد محو گردش تمام سیاروں کی حرکات بھی اسی قوت کے ذریعے ہیں۔ نیوٹن کی یہ

ایک نمایاں کامیابی تھی اور پھر اس نے ایک قانون وضع کیا جسے قانون تجاذب (Law of Gravitation) کہتے ہیں۔ اس قانون کے ذریعے جو قوت دو ذرات کے مابین ہوتی ہے، وہ براہ راست دو ذروں کی کمیت کے حاصل ضرب اور معکوس طریقہ سے (Inversely) دونوں ذروں کے مابین فاصلے کے مربع کے متناسب ہوتی ہے اور جوں جوں یہ فاصلہ بڑھتا جاتا ہے، یہ قوت کم ہوتی جاتی ہے مثلاً نیوٹن نے بتایا کہ دو ذرات کے مابین فاصلہ تجاذبی قوت کو 4 گنا کم کر دیتی ہے، اگر فاصلہ تین گنا ہو جائے تو یہ قوت 9 گنا کم اور اگر فاصلہ چار گنا بڑھ جائے تو یہ قوت 16 گنا کم ہو جاتی ہے وعلیٰ ھذا القیاس۔

ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر ہم کسی بھی بڑی عمارت کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو یہ قوت تجاذب ہم پر کسی قسم کا تجاذبی، کھنچاؤ نہیں کرتی یا ہمیں اپنی طرف نہیں کھینچتی مگر زمین جو کہ بہت زیادہ بھاری بھر کم اور ضخیم ہے، اس کی کمیت 5000 ملین ملین ملین ($5000x10^6x10^6x10^6$) ٹن ہے، ہم پر اثر انداز ہوتی ہے اور جو قوت ہم پر اثر انداز ہوتی ہے، اسے ہم وزن (weight) کہتے ہیں۔ اسے پونڈ یا کلوگرام یا کسی بھی اور مقدار میں ناپا جا سکتا ہے۔ آپ اس کا تصور یوں کر سکتے ہیں کہ اگر ہمارے پٹھے اوسط جسامت کے چار سیب اٹھائیں تو یہ قوت ایک پونڈ کے برابر ہوگی۔ اس کے لیے ایک اور قوت ڈائن (Dyne) بھی استعمال کرتے ہیں جو پونڈ سے 450,000 گنا کم ہے۔ اگرچہ کشش ثقل یا تجاذبی قوت ایک آدمی کے ارد گرد بہت ہی کم بلکہ بعض اوقات تو نہ ہونے کے برابر ہے، لیکن بھاری اجسام کے درمیان بہت زیادہ ہوتی ہے، مثلاً نظام شمسی اور اس کے سیاروں کے درمیان۔ سورج کا زمین سے 9 کروڑ 30 لاکھ کا فاصلہ ہے، لیکن سورج کی زمین پر کشش ثقل 6 بلین ٹریلین ($6x10^9x10^{12}$) پونڈ ہے۔

خلائی سفر کے دوران خلانورد (Astronauts) بے وزنی (weight lessness) کی کیفیت میں ہوتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خلائی جہاز پر کوئی قوت عمل نہیں کر رہی ہوتی۔ یہ قوت خلانورد پر بھی اور جہاز کی تمام اشیا پر بھی جو بے وزن ہو جاتی ہیں، عمل کرتی ہے۔ اس مظہر کو خلانورد کا فری فال (free fall) کہتے ہیں اور اس کا جہاز بھی فری فال کرتا ہے۔ اس مظہر کی بدولت جب خلائی جہاز خلا میں فری

فالنگ (free falling) کی حالت میں ہوتا ہے تو جہاز کی تمام اشیاء بے وزن ہو جاتی ہیں۔
اس مظہر کی اہمیت کا اندازہ نہ ہو سکا جب تک کہ جرمن نظریاتی طبعیات دان البرٹ آئن سٹائن (1879ء تا1955ء) نے اسے اپنے نظریہ اضافیت عمومی کی بنیاد نہ بنایا۔
کشش ثقل کے اہم خدوخال یہ ہیں کہ اسے روکا نہیں جا سکتا، یعنی کوئی ایسا میٹیریل نہیں ہے جو مخالف قوت تجاذب ہو۔ یہ قوت خلا (space) اور وقت (time) پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں خلا میں کجی یا خم (warped) آ جاتا ہے۔ کشش ثقل کائنات میں موجود ہے اس لیے نہیں کہ یہ طاقتور ہے بلکہ یہ تمام اشیاء پر حاوی (pervasive) ہے اور چونکہ اسے بے نظم (Chaotic) مادہ اولیٰ کو وسیع ساختوں (ستاروں، سیاروں، نظام شمسی، کہکشاؤں) میں ترتیب دینا تھا، پیشتر اس کے کہ دوسری قوتیں میدان میں آ جاتیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کمزور قوتیں بڑی یا جسیم ساختوں کو اور مضبوط یا طاقتور قوتیں چھوٹی ساختوں کو جنم دیتی ہیں۔

2- برق مقناطیسی قوت یا برق مقناطیسیت (Electromagnetism)

جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں تجاذبی قوت ہمیشہ دو اجسام کے مابین ہوتی ہے لیکن برق مقناطیسی قوت وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں کہیں ایک جسم کے اوپر برقی چارج (بار، بجلی) موجود ہوتی ہے اور اسی طرح یہ صرف دو اجسام کے درمیان موجود ہوتی ہے، جب ان اجسام کو برقایا (electrically charged) جاتا ہے۔ عام حالات میں وہ اجسام جن کے ساتھ ہم رہتے ہیں وہ تعدیلی یا نیوٹرل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی برقی قوتیں موجود نہیں ہوتیں۔ ہم اپنی سکول فزکس سے جانتے ہیں کہ دو اجسام کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنے سے برقایا جا سکتا ہے یعنی ان میں برق (بجلی) پیدا کی جا سکتی ہے......
ایک مظہر جو یونانیوں نے دریافت کیا تھا کہ ہم اپنے جسموں کو برقا سکتے ہیں جب ہم اپنے جوتوں کے تلوں کو کسی اونی دری یا قالین پر رگڑتے ہیں۔ پھر جب ہم دھاتی شے کو چھوتے ہیں تو ایک شرارہ (spark) نکلتا ہے۔ اسی طرح طوفان بادوباراں میں جب بادل ایک دوسرے سے رگڑ کھاتے ہیں تو ان پر برق (بجلی) آ جاتی ہے اور جب ان میں چارج زمین پر خارج ہوتا ہے تو روشنی کی چمک پیدا ہوتی ہے۔ ایسے تمام مظاہر برق مقناطیسی

قوت کے نتائج ہیں۔ فطرت میں دو طرح کی باریں یا بجلیاں (charges) موجود ہیں۔ منفی بار اور مثبت بار، یہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں یا دور بھگاتی ہیں اور یہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ ایک طرح کی ہیں یا ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اگر مثبت اور منفی بار برابر ہیں تو یہ جسم کو نیوٹرل بنا دیتی ہیں۔ جب عنبر (Amber) کے ٹکڑے کو فر (Fur) کے ساتھ رگڑا جائے تو فر کی منفی بار عنبر پر آ جائے گی اور اس کی منفی بار میں تھوڑا سا اضافہ ہو جائے گا اور اس کے برابر مثبت بار فر پر پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ عنبر پر فالتو بار اشیاء مثلاً کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچے گی۔ ایک برقی رو پیدا ہو جاتی ہے جب دھات کے ایک سرے پر مثبت چارج ہو اور دوسرے سرے پر منفی چارج ہو۔ مثبت چارج منفی چارج کو کھینچتی ہے اور اس طرح بجلی کی رو چلنا شروع ہو جاتی ہے، جسے ہم برقی رو (electric current) کہتے ہیں۔ ہماری گاڑیوں کی برقی بیٹریاں ایسی اختراعات ہیں جو کیمیائی طور پر مثبت اور منفی باروں کو الگ کرتی ہیں اور ان کو منفی اور مثبت قطبوں (Poles) پر ارتکاز (concentrate) کرتی ہیں۔ جب کسی دھاتی تار کے لچھے میں برقی رو بہہ رہی ہو تو وہاں پر مقناطیسی میدان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بار یا چارج حرکت میں ہوتی ہے تو مقناطیسی میدان پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر مقناطیس کو اس دھاتی تار کے لچھے (coil) کے اوپر حرکت میں لایا جائے یا پھیرا جائے تو اس میں بار پیدا ہو گی جس کے نتیجے میں برقی رو پیدا ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ برق اور مقناطیست ایک دوسرے سے بہت تعلق رکھتی ہیں اس لیے "برق مقناطیست" کی اصطلاح پیدا ہوتی ہے۔ اپنے قارئین کے لیے مزید عام فہم بنانے کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ برق + حرکت، مقناطیست پیدا کرتی ہے اور مقناطیست + حرکت، برق پیدا کرتی ہے اور یہی دریافت برقی ٹیکنالوجی کی بنیاد ہے۔ ان دلچسپ دریافتوں کا سہرا ڈنمارک کے ماہر طبیعیات ہانس کرسچین اورسٹڈ (Hans Christian Oerstead ,1777ء تا 1851ء) اور برطانوی ماہر طبیعیات میکائیل فیراڈے (Michael Faraday ,1791ء تا 1867ء) کے سر ہے۔

اورسٹڈ اور فیراڈے کی دریافتوں کو ممتاز ریاضیاتی طبیعیات دان کلارک میکسویل (1831ء تا 1879ء) نے ریاضیاتی طور پر ثابت کیا کہ برق مقناطیسی میدان لہروں کی

صورت میں روشنی کی رفتار 186000 میل فی سیکنڈ کے ساتھ خلا (Space) میں سفر کر سکتا ہے جو تیزی سے ارتعاشی برقی میدان اور ارتعاشی (cscillating) مقناطیسی میدان پر مشتمل ہوتی ہیں (یعنی لہریں مشتمل ہوتی ہیں)۔ ایسا متحرک مقناطیسی قوت کا میدان کسی برقی باروں کو یا مقناطیسی میدان کو جس سے اس کا واسطہ پڑتا ہے، اسے ارتعاش پذیر ہونے پر مجبور کرتا ہے اصل ارتعاشی بار کے ساتھ جو برق مقناطیسی لہر پیدا کرتی ہے۔ جب ریڈیو یا ٹیلی ویژن کو اون (On) کرتے ہیں تو سیٹ میں برقی سرکٹ اس طرح ترتیب میں آجاتا ہے کہ وہ ریڈیو یا ٹیلی ویژن اسٹیشنوں میں برقی باروں میں ارتعاش پیدا کر دیتا ہے۔ جب ہم کوئی شے ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھوں کے ریٹینا (retina) کے اوپر برقی باریں، برق مقناطیسی قوت کے میدان کے جواب میں اس شے میں ارتعاشی باروں (charges) کے ذریعے پیدا ہو جاتی ہیں۔

برق مقناطیسیت قوت کا میدان حیران کن مظاہر کا موجب بنتا ہے۔ زندگی کے تمام تعاملات یا پروسس مثلاً غور و فکر کرنا (سوچنا) اور وہ تمام پروسس جن کا ذکر صفحہ 167 پر ہو چکا ہے مثلاً نظام انہضام، نظام تنفس، نظام تناسل، نظام عصبی، پٹھوں کے فعل، نمود و افزائش (growth)، جنسی فعل، تمام کیمیائی اور تمام بصری (optical) مظاہر اسی قوت کی بدولت ہیں اور وہ قوت جو ایٹم کی ساخت کی ذمہ دار بھی ہے، برق مقناطیسی قوت ہے جو کشش ثقل سے کہیں زیادہ طاقتور ہے اور ایٹم کے مرکزہ اور الیکٹرانوں میں موجود ہوتی ہے۔

3- مرکزائی قوت (Nuclear Force)

ہم جانتے ہیں کہ ایک ایٹم تین بنیادی ذرات پر مشتمل ہوتا ہے۔ پروٹان (مثبت بار)، الیکٹران (منفی[1] برق) اور نیوٹران (کوئی برق) نہیں ہوتی۔ الیکٹران سورج کے گرد ایسے محو گردش ہیں جیسے سیارے سورج کے گرد۔ برق مقناطیسی قوت جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ایک لحاظ سے ایٹم کو یکجا (اکٹھا) رکھتی ہے اور الیکٹران جو مرکزۂ ایٹم کے ارد گرد گھومتے ہیں، کو بھی قابو میں رکھتی ہے، لیکن نیوکلیر قوت (مرکزائی قوت) ہے جو مرکزے کو اکٹھا رکھتی ہے، وہ کیسے؟ پروٹان کے اوپر مثبت چارج ہوتا ہے اور وہ مرکزہ میں ایک

[1] چارج کے معنی بار، برق یا بجلی ہے۔

دوسرے کے بہت قریب ہوتے ہیں مگر دور نہیں بھاگتے (مثبت[1] برق ہونے کی وجہ سے)۔ برق کے اصول کے مطابق تمام مثبت چارجز میں ری پلشن (repulsion) ہونی چاہیے، مگر ایسا نہیں ہوتا لہٰذا کوئی دوسری نہایت ہی مضبوط کششی (attractive) قوت ان کو تھامے ہوئے ہے (یا اگر ان کو کوئی مضبوط کششی قوت تھامے نہ رکھتی یہ پروٹان ایک دوسرے سے دور بھاگتے) شروع میں جو ایٹم بم بنے تھے، اُن کو پروٹونوں کی برقی دفع (electric repulsion) کی وجہ سے دھماکے کی قوت حاصل ہوئی تھی۔ 1911ء تا 1932ء تک سب سے بڑا چیلنج والا سوال ماہر طبیعیات کے لیے یہ تھا کہ وہ کون سی قوت ہے جو ایٹم کے مرکزہ کی قیام پذیری کی ذمہ دار ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو ایٹم کے مرکزے کو پھٹنے سے روکتی ہے؟ اس کا جواب 1932ء میں ملا جب نیوٹران دریافت ہوا جو کہ برقی طور پر ایک تعدیلی یا نیوٹرل ذرہ ہے جو پروٹان (مثبت بار) سے قدرے بھاری ہے اور ایٹم کے مرکزہ میں رہائش پذیر ہے۔

اس ضمن میں جو سائنسی تجربات ہوئے اس سے ظاہر ہوا کہ ایک نہایت ہی طاقتور قوت ایٹم کے مرکزائی ذرات کے مابین ہوتی ہے، اس کا حلقہ اثر (range) بہت چھوٹا ہے بمقابلہ دوسری قوتوں کے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ نیوکلیر قوت کے چھوٹے حلقۂ اثر کی وجہ سے ایٹموں کے مرکزے اثر پذیر نہیں ہوتے جب تک وہ ایک دوسرے کے بہت ہی قریب نہ آ جائیں۔ جب یہ قریب آ جاتے ہیں تو آپس میں کشش کی وجہ سے ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک بھاری مرکزہ بنا دیتے ہیں۔ مادہ عام طور پر بہت ہی قیام پذیر (stable) ہے، لیکن یہ قیام پذیری مرکزہ میں محدود نہیں رہتی۔ جب ایک نیوٹران مرکزہ کے بہت قریب آتا ہے تو نیوکلیر قوت کے ذریعے وہ اس میں گھسیٹا جاتا ہے اور اس طرح مرکزہ میں توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ تابکار (radioactive) بن جاتا ہے یعنی بار شدہ ذرات چھوڑتا ہے یا دوسرے مرکزے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

جب ایک آزاد نیوٹران یورینیم یا پلوٹونیم مرکزہ میں داخل ہوتا ہے تو پھر مرکزہ کا انشقاق (fission) ہو جاتا ہے یعنی پھٹ جاتا ہے تو یہ ایٹم بم بن جاتا ہے۔ خوش قسمتی

---

[1] مثبت برق، مثبت برق کو منفی برق، منفی برق کو دُور بھگاتی ہے۔

سے زمین پر زندگی کے لیے آزاد نیوٹران بالکل نایاب ہیں کیونکہ وہ ناقیام پذیر ہیں اور اگر ان کو آزاد رہنے دیا جائے تو وہ تقریباً آدھے گھنٹہ میں پروٹان میں تبدیل ہو جاتے ہیں یا الیکٹران میں یا نیوٹرینو (ایک اور ذرہ ہے میں)۔ لہٰذا آزاد نیوٹران کا اجتماع ناممکن ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کے اردگرد کثیر تعداد میں نیوٹران ہوتے اور وہ اس کے جسم کے اندر موجود کیمیائی عناصر کے ایٹموں کے مرکزوں میں داخل ہو کر اُن کو تبدیل کر دیتے، جس کے نتیجے میں ان مرکزوں کی تابکاری (radioactivity) اس کے جسمانی خلیوں کو تباہ کر دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نیوٹران بم تمام زندہ چیزوں کے لیے نہایت نقصان دہ ہے۔ برقی لحاظ سے نیوٹران تعدیلی یا نیوٹرل ہیں جو بہت پر اسرار ہیں۔ یہ روشنی کی رفتار پر سفر کرتے ہیں اور کائنات میں ہر جگہ موجود ہیں کیونکہ یہ نیوٹرل ہیں اور نہ صرف زمین کے اندر بلکہ سیاروں اور ستاروں میں بھی بآسانی سے داخل ہو جاتے ہیں۔

4- کمزور قوت یا کمزور باہمی کشش (Weak Force)

1979ء کا نوبل انعام برائے فزکس تین طبعیات دانوں ڈاکٹر عبدالسلام (پاکستان) دو امریکی سائنسدانوں شیلڈن گلاشو (Sheldon Glashow) اور سٹیون وائن برگ (Steven Weinberg) کو کمزور[1] قوت کے بارے میں تحقیقات پر دیا گیا۔ ان سائنسدانوں کے نظریہ وحدت کی دریافت سے پہلے کمزور قوت کو فطرت میں موجود چوتھی قوت تصور کیا جاتا تھا۔ یہ قوت بہ نسبت دوسری قوتوں کے طبعیات دانوں کے لیے ایک پر اسرار قوت تھی۔ کمزور قوت پروٹان، الیکٹران اور نیوٹرینو (ایک اور ذرہ) میں کارفرما ہے اور اسے ایسے موقعوں کے لیے ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جن میں ایک پروٹان، ایک الیکٹران اور ایک نیوٹیرینو، ایک نیوٹران بنانے کے لیے ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔

کئی سالوں سے نظریات دانوں نے متذکرہ چار قوتوں کو متحد کرنے کی کوشش کی ہے یعنی ان کی کوشش رہی ہے کہ ان تمام قوتوں کو ریاضی کے ایک ہی فارمولے سے

---

1. The weark force is involred in the radioactive decay of certain kinds of nuclear particles.

ظاہر کیا جائے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایک صدی پہلے جیمز کلارک میکس ویل (James Clerk Maxwell) نے دکھایا تھا کہ برقی قوت اور مقناطیسی قوت دونوں ایک ہی ہیں اور اب ہم انہیں برق مقناطیسی قوت کہتے ہیں۔ آج سے 20 سال پہلے نظریہ دان برق مقناطیسی قوت کی شناخت کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور کمزور قوت کو انہوں نے اسے کمزور برقی قوت (Electroweak Force) کہا اور یہ ہر ایسے طریق کار کے لیے موثر ہوتی ہے جو بہت زیادہ توانائی پر رونما ہوں۔ کم توانائی پر برق مقناطیسی قوت اور کمزور قوت مختلف طریقے سے عمل کرتی ہیں۔ نظریات دانوں نے کمزور برقی قوت اور مضبوط قوت کو متحد کرنے کے لیے اونچی توانائی پر بھی طریقے معلوم کر لیے ہیں۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ برق مقناطیسی قوت اور یہ کمزور قوت ایک ہی مظہر کے پہلو ہیں۔ چنانچہ اس قوت کی پر اسراریت کا معمہ بھی حل کر لیا گیا ہے اور اس تحقیق کے نتیجے میں 4 قوتوں کی بجائے 3 قوتیں رہ گئی ہیں اور ان نئے نظریات کو عظیم وحدت نظریات (Grand Unified Theories) یا مخفف میں جی یو ٹی (GUT) کہا جاتا ہے۔

جی یو ٹی (GUT) کا مطالعہ تجویز کرتا ہے کہ عظیم دھماکے (The Big Bang) کے تقریباً 10^{-35} سیکنڈ کے بعد کائنات پھیلی اور پھر ٹھنڈا ہونا شروع ہوئی۔ کائنات (فطرت) کی قوتیں جن کا تفصیل سے آپ مطالعہ فرما چکے ہیں، ایک دوسرے سے الگ (علیحدہ) ہونا شروع ہوئیں جن سے بے پناہ توانائی خارج ہوئی اور جس نے کائنات کو 10^{20} اور 10^{30} گنا کے درمیان فیکٹر میں پھیلا دیا۔ آج جس کائنات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اس کا حجم ایک ایٹم کے برابر تھا لیکن پھر وہ چاہ شاہ دانہ (cherry pit) کے حجم کے برابر پھیل گئی اور آہستہ آہستہ پھیلاؤ کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ہم یہ بات قابل مشاہدہ کائنات کے بارے میں کر رہے ہیں جو محدود ہے نہ کہ ساری کائنات کے بارے میں جو کہ لا محدود ہے۔

جب کائنات جوان اور گرم ترین تھی تو فطرت کی چاروں قوتوں میں تفریق یا شناخت مشکل تھی۔ جونہی کائنات پھیلنا اور ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی تو یہ قوتیں الگ الگ ہوتی گئیں اور کائنات کی جسامت میں یک دم پھیلاؤ کر دیا۔

سائنس دان بڑی محنت کر رہے ہیں کہ فطرت کی ان معلوم قوتوں کو ایک

عالمگیر واحد قوت میں تبدیل کر دیا جائے جسے وہ آخر میں "وحدت" (UNITY) کہیں گے جو کائنات میں رونما ہونے والے ہر مظہر کو کنٹرول کرے لیکن متذکرہ بالا قوتوں میں سے ہر قوت کا اپنا اپنا حلقہ اثر یا فعل ہے، مثلاً مرکزائی قوت ایٹم کے مرکز پر حاوی ہے مگر ایٹم کے بیرونی حصے میں اس کا یا نظام شمسی میں اس کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ برق مقناطیسی قوت ایٹم کے مرکزہ اور ایٹموں کے الیکٹران اور ایک سالمے (molecule) کے ایٹموں کے درمیان فعال ہے لیکن مقابلتاً ایٹموں کے مرکزوں میں یا سیاروں کی حرکات میں غیر اہم ہے۔ تجاذبی قوت سیاروں اور ستاروں کی حرکات کو کنٹرول کرتی ہے، لیکن ایٹم کے اندر مرکزہ میں غیر اہم ہے۔ اب ہم اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان قوتوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے تصور سے کیا تعلق ہے؟

اللہ تعالیٰ کا تصور

سائنسی نقطۂ نظر

کیا اللہ تعالیٰ کی ذات فطرت کی معلوم قوتوں کے مجموعے کا نام ہے؟

اس سوال کا جواب نفی میں ہے؟ اگر ماہر طبیعیات فطرت کی تمام قوتوں کو ایک عالمگیر قوت یا قانون میں تبدیل کرنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو کیا وہ ہمارا خدا یا اللہ ہوگا جس کی بنی نوع انسان پرستش یا عبادت کرتی آ رہی ہے تو اسکا جواب ہے "نہیں۔" وہ ہمارا خدا نہ ہوگا۔ یہ فطرت کی قوتیں یا سائنسی قوانین تو فطرت کو سمجھنے میں محض ہماری اعانت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی دنیا کے درمیان کیا تعلق ہے؟ یہ تعلق انسان کی فکر سے بالاتر ہے لہٰذا یہ سوچنا ہی احمقانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دنیاوی قوتوں کا مجموعہ یا تالیف (synthesis) ہے۔ یہ قوتیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہیں۔ سائنسی تحقیق و تجربات تو ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک فطری نظام ہے، ہم آہنگی ہے، ترتیب ہے اور اس میں وحدت (اکائی) ہے، تسلسل اور ایک طرح کی تدریجی ترقی ہے جس کی طرف یہ کائنات رواں دواں ہے۔

ایک قوت (force) کے اوصاف یا صفات (attributes) کیا ہیں؟ وہ صفات یہ ہیں کہ وہ اندھی ہے، بہری ہے، گونگی ہے، ظالم ہے اور اس میں دماغ یا ذہانت نام کی کوئی چیز نہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں۔ جیسا کہ ہم قرآن حکیم کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ان صفات میں سے ایک اہم وصف یہ ہے کہ وہ غیب کا جاننے والا ہے وہ بھی جو ظاہر ہے اور وہ بھی جو ظاہر نہیں ہے، وہ رحمان ہے، رحیم ہے، بشیر ہے، نذیر ہے، علم کل ہے، رب العالمین ہے، خالق ہے، قادر مطلق ہے، ہمہ دان ہے، ہر جا موجود ہے، دانش کل ہے، ہر شے پر قادر اور مقدس ہے۔ یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے نام ہیں اور ترمذی کی حدیث میں 99 ناموں یا صفات کا ذکر ہے۔ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی خوبصورت صفات بیان فرما دی ہیں، ملاحظہ فرمایئے سورۃ الاعراف 7 کی آیت 180 میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ١٨٠

ترجمہ: اور سب اچھے نام اللہ کے ہیں سو اس کو پکارو وہی نام لے کر اور اس کے ناموں میں جو کج راہ چلتے ہیں ان کو چھوڑ دو، وہ اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔

دوسرا ترجمہ: (کائنات علم و دانش میں) جتنے بھی حسن و خوبی کے نام ہیں سب اللہ تعالیٰ کو زیبا دیتے ہیں۔ اس خدائے عزوجل کو ان ہی سے پکارو اور جو لوگ اس کے اسماء میں (مثلاً کفارِ عرب) کج روی اختیار کرتے ہیں انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیجیے انہیں اپنی غلط فکری کی ضرور سزا ملے گی۔

ارشاد ہے کہ اللہ کے بہت سے اچھے نام ہیں، وہ نام لے لے کر اسے پکارو لیکن جو لوگ اس کے ناموں میں اپنی عقل چلاتے اور غلط طریقے اختیار کرتے ہیں، ان سے کچھ سروکار نہ رکھو، انہیں ان کے فعلوں کی سزا ملے گی۔ مزید ارشاد ہوا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

ترجمہ: (اے رسول ﷺ!) کہہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جو کہہ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام اچھے۔

دوسرا ترجمہ: (اے رسول ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ اُس خلاق کائنات کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، کوئی سا نام لے کر پکارو جتنے اسمائے حسنٰی (حسین و جمیل نام) ہیں سب اُسی کے ہیں۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17، آیت 110)

اللہ کی صفتیں سب نرالی ہیں اور ہر ایک صفت کے لحاظ سے اس کا ایک علیحدہ نام ہے۔ ان صفتوں میں سے ہر صفت مکمل اور ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اسی کے مطابق اس کے نام بھی سب سے اچھے اور شاندار ہیں۔ یہ نام تمہیں بتا دیئے گئے ہیں اب تم اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، بات ایک ہی ہے۔

سائنس کی مجبوریاں

یہ فطرت کی قوتیں یا قوانین جن کا آپ نے مطالعہ فرمایا، محض ریاضی کے فارمولے ہیں اور ہمارے تجربات کو بیان کرتے ہیں، کائنات کو کنٹرول کرنے کے لیے کافی ہیں (یہ بھی محض مفروضہ ہے) لیکن بعض چیزوں کی تشریح و توضیح کرنے میں غلطی بھی کر سکتے ہیں۔ سائنس ہر چیز کا مکمل بیان دیتی ہے مگر بعض حالات میں یہ ناممکن ہے۔ ان قوانین نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے تصور کے سلسلے میں ایک سائنسی ذہن رکھنے والے انسان کو مایوس کیا ہے یعنی خدا کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے اور شاید آئندہ بھی نہ بتا سکیں۔ سائنس کے اعداد و شمار، تحقیق و تجربات کوئی بنیاد مہیا نہیں کرتے کسی مافوق الفطرت شہادت کا کہ خدا موجود ہے، البتہ خدا پر ہمارا ایمان پختہ کرنے میں ہماری مدد و رہنمائی ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر خدا موجود ہے تو ساری فطرت کا اور فطرتی قوانین کا بھی خدا ہے۔ کائنات میں رونما ہونے والے مظاہر جن کی حقیقت سے سائنس روشناس ہو چکی ہے، وہ یہ ضرور بتاتے ہیں کہ فطرت خدا کی ایک سرگرمی ہے اور ہر قدرتی قانون اس سرگرمی کا ایک اصول ہے۔

خدا کائنات میں معلوم قوتوں کا مجموعہ (Sum Total) نہیں ہے۔ یہ محض طبعی قوتیں ہیں اور کائنات میں تمام طبعی قوتوں کا مجموعہ بھی محض ایک طبعی قوت ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی قوت جو قابل پیمائش و شناخت ہے مگر لامحدود خدا نہیں ہے۔ یہ کائنات جس میں یہ قوتیں کارفرما ہیں، محدود ہو سکتی ہے مگر خدا کی ذات لامحدود ہے۔ کائنات سے خدا کا تعلق کیسا ہے؟ یہ ہمارے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے اور یہ سائنس انسان کے لیے ایک مشعل ہے جو اس کے دماغ کو روشن کرتی ہے اور انسان کے عقیدہ یا مذہب میں یقین کو مضبوط بنا سکتی ہے، لیکن یہ سائنسی تحقیق کے ذریعے خدا کو نہیں پا سکتی۔ سائنس غیر شخصی اور غیر جذباتی ہے یعنی جذبات سے عاری ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم سائنس کے ذریعے فطرت سے خدا تک پہنچ جائیں۔ عظیم مذہبی تصور خدا کی ذات ہے جو خالق کائنات ہے اور ہر ارتقاء کا مبداء ہے اور خدائی روح سب میں موجود ہے۔ مذہب نے یہی تصور دیا ہے مگر خدا کا تصور سائنسی کائنات سے باہر ہے۔

مذہبی نقطۂ نظر

اسلام میں قرآن حکیم ایک مذہبی رہنمائی کی کتاب ہے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں لیکن یہ عظیم کتاب اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان و یقین پیدا کرنے میں بھی ہماری معاون و مددگار ہے اور ہمیں کائنات میں رونما ہونے والے مظاہر اور عجائبات کا مطالعہ کرنے کی بھی دعوت دیتی اور ہماری رہنمائی فرماتی ہے۔ سورۃ آل عمران 3 کی آیت 191 میں یہ رہنمائی موجود ہے۔ ارشاد ہوا:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: اور یہ اہل فکر و دانش وہ ہیں) جو ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں (خواہ) قیام میں ہوں (خواہ) قعود میں ہوں، خواہ پہلو بہ پہلو (کروٹ کروٹ لیٹے) ہوں، اور تخلیقات سماوی و ارضی میں غور و فکر کرتے ہیں (صدق دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ)

اے ہمارے پروردگار (تیری تخلیقی عظمتوں پر ہم قربان جائیں) یہ (کارخانہ ہستی) تو نے بے کار (و بے مقصد) پیدا نہیں کیا تو پاک ہے۔ ہمیں نار دوزخ سے بچا لیجیئو۔)

دنیائیں دو ہیں، ایک مرئی (Seen) دوسری غیر مرئی (Unseen)، یعنی ایک دنیا حاضر ہے اور دوسری غائب ہے۔ غیر مرئی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا تصور، زندگی بعد از موت، فرشتے، جنات، دوزخ و جنت وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا مطالعہ فلسفہ میں مافوق الطبیعیات (Mataphysics) کہلاتا ہے۔ سورۃ الانعام 6 آیت 103 کے مطابق ہم اپنی ان مخصوص آنکھوں سے خدا کو نہیں پا سکتے البتہ کشف، الہام، یا وحی Revelation ارتکاز، غور و فکر (Meditation) یا باطنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں جسے قرآن حکیم میں "قلب" (دل) بھی کہا گیا ہے یعنی غائب کی دنیا کو دل کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں۔ قرآن حکیم میں کئی بار ارشاد ہوا:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ

ترجمہ: وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں ان کے دلوں کو یاد الٰہی سے تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سنتا ہے، دل اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں۔ (سورۃ الرعد 13، آیت 28)

پھر اشاد ہوا:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ۝۴۶

ترجمہ: کیا انہوں نے روئے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا اگر وہ سیر فی الارض کرتے تو ان کے دلوں میں دانش برہانی کی روشنی ہوتی یا ان کے کانوں میں آیات الٰہی کی حسن سماعت کی طلب ہوتی۔ تحقیق شدہ بات تو یہ ہے کہ کافروں اور منکرین حق کی

آنکھیں نور بصارت سے محروم نہیں ہو جاتیں بلکہ دل نور بصیرت سے بے نصیب ہو جاتے ہیں۔

دوسرا ترجمہ: تو کیا ملک کی سیر نہیں کی کہ ان کے دل سمجھنے کے قابل ہوتے اور کان سننے کے اہل ہوتے سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر دل جو سینوں میں ہیں، وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

تیسرا ترجمہ: تو کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان کے "دل" ہوتے جن سے تعقل کرتے (یعنی سمجھتے) یا کان ہوتے جن سے سنتے کیونکہ درحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ "دل" اندھے ہو جایا کرتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔

(سورۃ الحج 22، آیت 46)

یعنی دنیا میں چل پھر کر دیکھو (لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے) ان کی تباہی کے آثار تمہیں نظر آئیں گے۔ انہیں دیکھ کر تمہارے دل کی آنکھیں اور کان کھل جانے چاہئیں۔ بغیر ان کے کھلے ظاہری آنکھ اور کان بیکار ہیں۔ حقیقی اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔ ظاہری آنکھوں کے نہ ہونے سے آدمی اندھا نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کے دل کی آنکھیں کھلی رہیں۔ اہل عرب کے نزدیک دل و دماغ ایک ہی شے ہے اور ان میں کوئی نمایاں فرق نہیں، کیونکہ جس شے کو دماغ تسلیم نہ کرے اس کو دل تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں خدا نے بھی "قلوب" کو تعقل کی جگہ فرما دیا اور قلب یعنی ذہن کو سینے میں رکھا ہے۔

معجزہ یا نشانی کوئی بیرونی نہیں بلکہ اندرونی ہے جو آپ کے دل، دماغ اور روح میں ہے اور اس کا تعلق آپ کے اندرونی تجربے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمین و آسمان کی روشنی ہے لہٰذا اگر آپ اللہ کی طرف رجوع کریں گے تو اس روشنی کا تجربہ ہو جائے گا اگر آپ توجہ نہیں دیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو مجبور بھی نہیں کرے گا۔ عربی زبان میں دل (قلب) ذہانت، فہم و ادراک کی فیکلٹی ہے اور محبت اور جذبات کی جگہ ہے۔ وہ جو اللہ کے پیغام کو رد کرتے ہیں، ان کی آنکھیں اور کان تو ہیں لیکن ان کے دل اندھے اور بہرے ہیں یعنی دلوں پر قفل (تالے) پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ان لوگوں کی فہم و

ادراک والی فیکلٹی متحرک ہوتی تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت (Allah's Providence) نہ دیکھتے اور اگر وہ عقل سے سفر کرتے تو اپنے چاروں طرف اللہ کا غضب اور شہروں میں کھنڈرات نہ دیکھتے!

حاصل کلام

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک طبعی قوت (physical force) اللہ تعالیٰ کی صفات حاصل نہیں کر سکتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو سائنس کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ بلکہ ظاہری آنکھوں سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ انسان صرف قلوب کے ذریعہ ہی غائب کا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ سائنس کا مقولہ ہے دیکھنا ہی یقین کر لینا ہے (seeing is believing) مگر مذہب کا مقولہ ہے یقین کرنا ہی دیکھنا ہے (believing is seeing)۔ مذہب خدا کا قول اور سائنس خدا کا فعل ہے لہٰذا دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ سائنس سے بالاتر مذہب ہے لیکن سائنس اور مذہب دو مختلف راستے ہیں جو ایک ہی سچائی یا حقیقت مطلق (Absolute Reality) یا خدا کی طرف جاتے ہیں، اب دیکھتے ہیں کون پہلے منزل پا لیتا ہے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وجودِ باری تعالیٰ

ایک بڑھیا چرخہ کات رہی تھی کہ ایک شخص نے اس کے قریب آکر خدا تعالیٰ کے وجود کے متعلق کوئی معقول ثبوت مانگا۔ بڑھیا نے چرخہ چلانا چھوڑ دیا اور پوچھا کہ چرخہ کیوں نہیں چلتا؟ اُس شخص نے فوراً کہا کہ تم نے یہ خرچہ چلانا چھوڑ دیا ہے۔ بڑھیا نے کہا: جب ایک چرخہ کسی کے چلانے کے بغیر نہیں چل سکتا تو اس قدر عظیم نظام قدرت، زمین و آسمان، چاند ستارے وغیرہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح چل سکتے ہیں؟

ہاں خدا موجود ہے!

ڈاکٹر سمیول جانسن (1709 تا 1784) نہایت مشہور انگریز ادیب گزرے ہیں۔ آپ نے انگریزی زبان میں ایک عمدہ ڈکشنری بھی ترتیب دی تھی جو خاصی مقبول ہے۔ ان کے زمانے میں یورپ میں ملحدانہ خیالات کا بہت زور ہو گیا تھا۔ انہوں نے تردید الحاد کے متعلق ایک سوسائٹی قائم کی۔ ایک روز ڈاکٹر صاحب اسی مضمون سے متعلق اپنی معرکتہ الآرا کتاب لکھنے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک ملحد آ گیا اور تردید الحاد سے متعلق تصنیف کا ذکر سن کر بہت ہنسا اور ڈاکٹر صاحب کا مذاق اُڑایا۔ ڈاکٹر صاحب نے جو ایک غیر معمولی، طویل القامت اور کڑیل نوجوان تھے، اس ملحد کو اپنے جوتے سے ایسی شدید ضرب لگائی کہ اس کی زبان سے "اومائی گاڈ" (Oh my God) یعنی "ہائے میرے خدایا" نکل گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: یہ ہے وہ خدا جس کا تم ابھی انکار کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ساتواں باب

نیند کی سائنسی حقیقت

(اللہ تعالیٰ نے نیند آرام کے لیے بنائی ہے)

اللہ تعالیٰ کی ان گنت نشانیوں میں سے ایک نہایت واضح نشانی رات بھی ہے۔ قرآن حکیم میں کئی آیات میں رات اور دن کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ ان آیات کے سیاق و سباق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تو بے شمار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والوں سے کہا گیا ہے کہ وہ رات اور دن کے آنے جانے کو ہی دیکھ لیں کہ وہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ وہ رات کو آرام، چین اور سکون حاصل کرتے ہیں اور دن کی روشنی پیدا کی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) تلاش کرتے ہیں۔ پھر ان آیات کے آخر میں کہا گیا کہ "تم شکر کرو" یعنی اگر قیامت تک رات ہی رہتی، دن نہ چڑھتا تو نہ صرف انسانی زندگی بلکہ تمام مخلوق کا کیا حال ہوتا؟ ظاہر ہے وہ دن کی روشنی ناپید ہو جانے کی وجہ سے روئے زمین پر آہستہ آہستہ نیست و نابود ہو جاتے اور نہ صرف کارخانۂ حیات بلکہ نباتات بھی روئے زمین سے غائب ہو جاتیں، گویا قیامت سے پہلے ہی ایک قیامت آ جاتی۔ اسی طرح اگر دن ہی قیامت تک طویل ہو جاتا اور رات نہ آتی تو پھر بھی تمام حیات عصابی و نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو کر ختم ہو جاتی۔

نیند قدرت کی سب سے بڑی ایجاد اور زندگی کے لیے عظیم ترین عطیۂ خداوندی ہے۔ ان آیات الٰہیہ میں جہاں رات کا ذکر آیا ہے، وہاں "آرام" کا لفظ بھی ضرور آیا ہے۔ تمام جانداروں بشمول انسان، حیوانات، چرند و پرند سب کو نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر ہم کیوں سوتے ہیں؟ اس سے ہمیں کیا آرام ملتا ہے؟ نیند کیا ہے؟ وہ ہم پر کیسے طاری ہو جاتی ہے؟ نیند کے بغیر انسان خستہ حال و پریشان ہو جاتا ہے اور کئی نفسیاتی اور جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ اس باب میں ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

اب آپ مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ فرمائیے جہاں رات کے ساتھ ''آرام'' کا ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہوا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اے رسول ﷺ کہہ دیجئے کہ دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے روز قیامت[1] تک طویل تر شب تار طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون معبود ہے جو تمہیں روشنی مہیا کر دے؟ کیا تم (حقائق حیات کی تفسیر) سنتے نہیں ہو؟ کہہ دیجئے دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رہنے والا دن برپا کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون معبود ہے جو تمہارے لیے ''رات'' لانے پر قدرت رکھتا ہو تاکہ تم اس میں سکون و آسائش (آرام) پاؤ۔ کیا تم (چشم بصیرت سے) دیکھتے نہیں ہو؟ اور اس کی رحمت کے کتنے نمایاں آثار ہیں کہ اس مدبر لیل و نہار نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں آرام پاؤ اور دن میں اپنے اللہ تعالیٰ کا فضل (تدبیر معیشت کرو) تاکہ تم شکران نعمت کرو۔ (سورۃ القصص 28، آیات 71 تا 73)

ارشاد ہے (کہ اے رسول ﷺ) تم ان (کافروں) سے پوچھو کہ اگر سورج کا نکلنا بند ہو جائے یا اس کی روشنی ماند پڑ جائے اور سارے روشنی کے ذریعے مفقود ہو جائیں اور دنیا میں قیامت تک کے لیے ہمیشہ رات ہی چھائی رہے یا اس کے برعکس قیامت تک ہمیشہ دن ہی کا وقت رہے اور آرام و سکون کے لیے رات آئے ہی نہیں تو تمہارے بنائے ہوئے معبودوں میں سے کوئی ہے جو روشنی یا رات لا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں اللہ کے سوا کسی میں قدرت نہیں۔ اتنی سی بات بھی تم نہیں سوچ سکتے یا تو اندھے ہو کہ تمہیں خود

[1] اس موضوع پر مصنف کی کتاب ''کائنات اور اس کا انجام، قرآن اور سائنس کی روشنی میں'' کا مطالعہ فرمائیے جو جنگ پبلشرز لاہور سے دستیاب ہے۔

نہیں سوجھتا یا بہرے ہو کہ بتانے سے بھی نہیں سمجھتے۔

اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے دن اور رات کے ایک دوسرے کے بعد باقاعدہ آنے کا انتظام کر دیا تاکہ تم رات کو آرام کرو اور دن کو زندگی گزارنے کے اسباب جو اللہ نے اپنے فضل سے تمہارے لیے دنیا میں مہیا کر دیئے ہیں، تلاش کرنے کے لیے کام کرو۔ پھر ان انعامات پر اس کا شکر کرو۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: (ارشاد ہوا) اللہ تعالیٰ (کی ذات) وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو تاریک (اندھیری و بے ہنگامہ) بنایا تاکہ تم اس میں آرام (سکون) سے سو سکو اور دن کو روشن (وسرگرم) بنایا تاکہ اس میں فرائض حیات سرانجام دے سکو۔ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر فضل بے پایاں ہے لیکن اکثر لوگ شکر ان انعام الٰہی نہیں کر پاتے۔

(سورۃ المؤمن 40، آیت 61)

پھر ارشاد ہوا ہے:

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کریں اور دن دیکھنے کو بنایا، البتہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو یقین کرتے ہیں۔

(سورۃ النمل 27، آیت 86)

ارشاد ہے کہ اگر وہ اس پر غور کر لیتے کہ ہم نے ان کی خاطر رات آرام کے لیے اور دن دیکھ بھال کر کام کرنے کے لیے بنایا تو وہ ہمیں مان لیتے۔ انہوں نے ان سے فائدہ اٹھایا لیکن ہمیں نہ پہچانا۔ ایمان والے سمجھتے ہیں کہ اس میں اللہ کی قدرت کی پوری نشانیاں موجود ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس (پوشش، پردہ) بنایا، نیند کو موجب راحت اور دن کو وقت برخاست بنایا (اٹھ کھڑا ہونے کا وقت بنایا)۔ (سورۃ الفرقان 25، آیت 47)

ارشاد ہے کہ اللہ کو پہچانو تو رات اور دن کے فرق ہی سے پہچان سکتے ہو۔ رات ایک پردے کی طرح ہے جو انسان کو چاروں طرف سے ڈھانپ لیتی ہے اور لباس کی مانند اس پر لپٹ جاتی ہے، آدمی کاروبار چھوڑ کر ستاتا ہے اور نیند آ جاتی ہے تو ساری کلفت اور تکان دُور ہو جاتی ہے، اعضاء کو سکون ہوتا ہے اور اس سے بدن کو آرام پہنچتا اور راحت ملتی ہے۔ دن کو انسان پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ہر طرف چہل پہل ہو جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ (بلند و برتر ذات) ہے، جس نے رات کو تمہارے لیے سامان راحت بنایا اور دن کو (کاروبار کے لیے) روشن کیا، ہوش و گوش رکھنے والوں کے لیے ان میں نشانیاں ہیں۔ (سورۃ یونس 10، آیت 67)

تمام کائنات گردش میں ہے زمین کا جو حصہ سورج کے سامنے آ جاتا ہے، اس میں دن ہوتا ہے اور جو سورج کے سامنے نہیں ہوتا، وہاں پر رات ہوتی ہے۔ دن اور رات میں نمایاں تغیر کی وجہ سے انسان دیکھتا ہے کہ کبھی رات ہے کبھی دن ہے، کبھی اندھیرا ہے تو کبھی اُجالا ہے تو اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ یہ کیوں ہوتا ہے اور کون کرتا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ یہ بلا سبب تو نہیں ہے۔ یہ سب نظام اللہ نے اپنی قدرت سے قائم کیا ہے اور اس کو اپنی معرفت کا نشان بنایا ہے اور ہوش و گوش رکھنے والوں کے لیے یہ نشانیاں ہیں۔

آپ نے متذکرہ بالا تمام آیات کریمہ میں مطالعہ فرمالیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو ہمارے لیے سامان راحت بنایا ہے۔ رات سے نیند کا گہرا تعلق ہے۔ یہ نیند ہے جو درحقیقت ہمارے لیے آرام و سکون کا باعث ہے۔ نیند جسے ہم میٹھی نیند بھی کہتے ہیں، جو تازہ دم کر دیتی ہے اور ہم سب نیند کے آگے بے بس ہیں، یہ کیا ہے؟ آخر ہم کیوں سوتے ہیں؟ ہم اپنی زندگی کا 1/3 حصہ تقریباً 25 سال (اوسطاً) نیند میں گزار دیتے ہیں۔ صدیوں سے ایسے سوالات انسانی ذہن میں اُبھرتے رہے ہیں۔ تجربہ گاہوں میں نیند پر تجربات ہو رہے ہیں اور بعض نتائج حتمی ہیں لیکن نیند پراسرار ہے، ایک سربستہ راز ہے۔ دنیا بھر کے ماہرین نفسیات ایسے تجربات میں مشغول ہیں جن سے کچھ پرانے اسرار سے پردہ اٹھ رہا ہے، مگر اب بھی کئی اسرار سے پردہ اٹھنا باقی ہے اور اس صدی میں یعنی اکیسویں صدی میں سائنسدانوں کے لیے جو موضوع ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے، وہ ہے ''نیند'' لیکن اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سائنسدان آج تک نیند کا بھید بالکل نہیں پا سکے۔ جزوی طور پر بلکہ کافی حد تک بعض پوشیدہ باتیں منظر عام پر آرہی ہیں۔

جدید سائنسی تجربات

انسان جب سو رہا ہوتا ہے تو اس کے دماغ سے لہریں نکل رہی ہوتی ہیں، چنانچہ ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جو ان لہروں کو ریکارڈ کرتے ہیں اور ساتھ ہی سونے والے کے عضلات کی حرکات کو بھی ریکارڈ کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ نیند کا مشاہدہ کرنے والے ماہرین نے سوئے ہوئے آدمی کا مشاہدہ کرنے اور ایک وقفے کے بعد اٹھانے سے ایسی باتیں دریافت کی ہیں جن کا ہزاروں سال پہلے قطعاً علم نہ تھا یا علم نہ ہو سکا یعنی ہماری عقل سلیم (common sense) نے بھی ہماری رہنمائی نہ کی۔ اب ہم تجزیہ کرتے ہیں کہ نیند کے بارے میں مندرجہ ذیل بیانات غلط ہیں یا درست؟ (یاد رہے کہ یہ بیانات جدید سائنسی تجربات و مشاہدات سے پہلے کے ہیں)۔

1- بوڑھے، جوانوں یا بالغ لوگوں کی نسبت زیادہ سوتے ہیں۔

2- دو یا تین روز کی شب بیداری کے بعد (مختصر عرصہ کے لیے) ایک شخص کی

کارکردگی یا دماغی کام متاثر ہوتا ہے۔

3- جو لوگ سوتے وقت کوئی خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں ان کے اعضا کی حرکت خواب کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے یا خواب کے مطابق ہوتی ہے۔

4- جو لوگ خواب خرام ہوتے ہیں یا نیند میں چلنے کے عادی ہوتے ہیں، وہ اپنے خواب کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

5- نیند کے ماہرین یہ تجویز کرتے ہیں کہ کبھی کبھار نیند کی گولی استعمال کر لی جائے تاکہ بے خوابی (Insomnia) کا سلسلہ ٹوٹ جائے۔

6- وہ خواب جو ہم صبح بیدار ہونے سے پہلے دیکھتے ہیں (یا دیکھ رہے ہوتے ہیں) وہ ان خوابوں کی مانند ہوتے ہیں جو ہم سونے کے فوراً بعد دیکھتے ہیں۔

7- کچھ لوگ ہر رات کو خواب دیکھتے ہیں، بعض شاذ و نادر خواب دیکھتے ہیں۔

جدید تحقیق کی روشنی میں مندرجہ بالا تمام بیانات غلط یا جھوٹ ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کیوں؟

دن کا تواتر یا ردہم (rhythm) زندگی کے تواتر کے متوازی ہے۔ ہمارے جسم 24 گھنٹوں کے دن اور رات کے دور کے ساتھ ایک حیاتیاتی گھڑیال (Biological Clock)، جسے سرکاڈین ردہم (Circadian Rhythm) کہتے ہیں، کے ذریعے "ہم وقت" (Synchronize) ہوتے ہیں یعنی ہمارے جسم 24 گھنٹوں کے دن اور رات کے ساتھ "ہم وقت" ہوتے ہیں جو ایک حیاتیاتی گھڑیال ہے جسے "سرکاڈین ردہم" کہتے ہیں۔ یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے جس میں سرکا "Circa" کے معنی ہیں "کے متعلق" اور ڈیز Dies کے معنی "دن" کے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہمارے جسم کا درجہ حرارت بڑھتا ہے، جونہی صبح نزدیک آتی ہے، دن کے وقت یہ زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت پر ہوتا ہے اور پھر ہمارے سونے سے پہلے گرنا شروع ہو جاتا ہے اور اس حیاتیاتی گھڑیال میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ جب وہ ہمارے جسم کو کہتا ہے کہ "اب سو جا"۔ مگر زیادہ دیر تک رات کو جاگتے رہنے کی وجہ سے یا اگر ہم بین براعظمی ہوائی سفر کر رہے ہیں تو ظاہر ہے ہماری نیند کا دور (cycle) تبدیل ہو جاتا ہے بلکہ اس میں مداخلت ہو جاتی ہے۔ تمام جانور، چرند پرند بھی

سوتے ہیں بعض کم بعض زیادہ بلکہ بعض تو 24 گھنٹوں میں 18 گھنٹے سوتے ہیں۔
نیند کے دوران بھی ایک حیاتیاتی ردہم (Biological Rhythm) ہوتا ہے،
ہم رات سوتے ہوئے نیند کے پانچ واضح مراحل میں سے گزرتے ہیں اور اس حقیقت کو
1952ء میں دریافت کیا گیا، اس سے پہلے اس کا قطعاً علم نہ تھا۔ کہانی کچھ یوں ہے:

نیند پر تحقیق کی کہانی

امریکی یونیورسٹی شکاگو کے ایک گریجویٹ طالب علم (جسے عموماً ریسرچ سٹوڈنٹ کہتے ہیں)، جس کا نام یوجین ایزرینسکی (Eugene Aserinsky) تھا، کا آٹھ سالہ بیٹا ارمنڈ ایزرینسکی (Armond Aserinsky) سونے کے لیے اپنے بستر پر گیا، غالباً سو گیا تو اس کا باپ ایک آلے کو ٹیسٹ کرنا چاہتا تھا، جسے Electroencephalograph کہتے ہیں اور جسے وہ دن بھر مرمت کرتا رہا تھا۔ اس نے اس آلے کے برقیروں (Electrodes) کو اپنے بیٹے کی آنکھوں کے قریب لگا دیا تاکہ وہ برقی رو کی پیمائش کر سکے جو سوئے ہوئے انسان کی آنکھوں کے گھومنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس نے دیکھا کہ اس کی مشین اچانک بے قابو ہو گئی ہے اور اس نے گراف پیپر کے اوپر ٹیڑھا میڑھا (zigzag) گراف بنانا شروع کر دیا۔ ایزرینسکی نے سوچا کہ شاید اس کی مشین ابھی ٹھیک نہیں ہوئی، لیکن جوں جوں رات گزرتی گئی یہ سرگرمی (activity) وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہی۔ اسی کے ساتھ اس نے مشاہدہ کیا کہ ارمنڈ کی آنکھیں جھٹکے سے تیز تیز حرکات بھی کرتی تھیں۔ انگریزی میں اس صورت حال کو (rapid eye movement) کہتے ہیں جسے مخفف کر کے آر ای ایم (REM) نیند کہا جاتا ہے۔ جب ایسی صورت حال کے دوران ارمنڈ کو نیند سے جگایا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا بالغ لوگوں میں بھی نیند کے دوران یہی صورتِ حال ہوتی ہے، اس نے اپنے ایک رفیق کار Nathaniel Kleitman کے ساتھ مل کر 1960ء میں ایسے طریقے ایجاد کیے جس سے نیند کے دوران ساری کیفیت واضح ہو جاتی ہے اور سوئے ہوئے آدمی کی نیند کے مراحل کے مشاہدے کے لیے اسی کے طریق کار کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس تحقیق کے ذریعے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ نیند پانچ مراحل میں

سے گزرتی ہے۔ تحقیق کنندہ سونے والے شخص کے سر کے اوپر (کھوپڑی پر) ایک برقیرہ اور آنکھوں کے کونوں کے ساتھ برقیرے ٹیپ کر دیتے ہیں۔ کھوپڑی والا برقیرہ دماغی لہروں کو اور دوسرے برقیرے آنکھوں کی تیز تیز حرکات (جب انسان نیند میں چلا جاتا ہے) کی پیائش کے لیے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج کل دوسری اختراعات بھی استعمال ہوتی ہیں جو خوابیدہ شخص کے دل کی دھڑکن، سانس کی رفتار، عضلات میں تناؤ اور جنسی بیداری وغیرہ نوٹ کرتی ہیں۔

نیند کے مراحل

نیند کے پانچ مراحل ہیں:

پہلا مرحلہ: جب آپ بستر پر لیٹ جاتے اور سونے کی خاطر آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو آلہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کے تنفس کی شرح کم ہو جاتی ہے، آپ کے دماغ کی لہریں مزید آہستہ ہو جاتی ہیں۔ وہ پہلے مرحلے کی نیند کی بے ترتیب لہریں دکھاتا ہے یعنی دماغی لہریں پہلے مرحلے کی نیند میں سست پڑ جاتی ہیں اور یہ حالت دو منٹ تک رہتی ہے۔ یہ صورتِ حال ایسی ہوتی ہے کہ آپ کو خیالی یا غیر حقیقی تصورات یا خواب کی باتوں کا تجربہ ہوتا ہے جو وہم یا فریب نظر (hallucination) کی مانند ہوتی ہیں۔ اس مرحلے کو کچی نیند بھی کہتے ہیں۔ پھر آپ دوسرے مرحلے میں چلے جاتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ: اس میں آپ کو گراوٹ (گرنے) کا احساس ہوتا ہے (جیسے آپ گہرائی میں جا رہے ہوں)۔ اس مرحلے میں آپ کا جسم ایک ہلکا سا جھٹکا محسوس کرتا ہے یا اسے بے وزنی کی کیفیت میں تیرنے کا احساس ہوتا ہے۔ آپ مزید پر سکون ہو جاتے ہیں اور اس مرحلے میں تقریباً 20 منٹ تک رہتے ہیں۔ دماغی لہروں کی سرگرمی میں تیزی آ جاتی ہے مگر اس مرحلے میں آپ کو بغیر کسی مشکل کے بیدار کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا اور تیسرا مرحلہ: پھر آپ نیند کے دوسرے اور تیسرے مرحلے میں (چند منٹ بعد) چلے جاتے ہیں۔ تیسرے مرحلے سے شروع کرتے ہوئے چوتھے مرحلے تک دماغ سے بڑی مگر سست لہریں خارج ہوتی ہیں، جنہیں ڈیلٹا لہریں (Delta Waves)

کہتے ہیں اور ان دونوں مرحلوں کو ملا کر ڈیلٹا نیند کہا جاتا ہے یہ مرحلہ تقریباً 30 منٹ تک رہتا ہے اور ان مراحل میں آپ کو جگانا دشوار ہوتا ہے۔ یہی وہ مراحل ہیں جن میں کوئی خواب خرام چلنا شروع کر سکتا ہے (ضروری نہیں ہر شخص چلنا شروع کر دے)۔ اسی کیفیت میں بچے بستر پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ یہ گہری نیند بھی کہلاتی ہے خصوصاً مرحلہ 4 کی نیند اور اس گہری نیند میں دماغ کچھ ایسی تحریک پیدا کرتا ہے کہ ہم بستر پر کروٹیں لینا شروع کر دیتے ہیں اور یہ سرگرمی بھی دماغ ہی کنٹرول کرتا ہے مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ ہم بستر سے گر پڑیں۔ نزدیک سے گزرتی ہوئی گاڑی کا شور ہماری اس نیند میں خلل نہیں ڈال سکتا لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز اس میں خلل ڈال سکتی ہے۔ (شاید ایسا قدرت کی طرف سے ہو کہ ماں بچے کی آواز سن کر جاگ جاتی ہے)۔ ایک گھنٹہ گہری نیند میں گزرنے کے بعد ایک عجیب و غریب چیز رونما ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ہم گہری نیند میں رہنے کی بجائے نیند کے مراحل کی سیڑھی پر چلنا شروع کر دیتے ہیں، یعنی چوتھے سے تیسرے مرحلے اور پھر تیسرے مرحلے سے ہم نہایت ہی دلچسپ نیند کے دَور (phase) میں داخل ہو جاتے ہیں جسے آر ای ایم (REM) نیند کہا گیا ہے اور اس کیفیت میں آپ 10 منٹ رہتے ہیں اور دماغ کی لہریں مزید تیز ہو جاتی ہیں، بالکل اسی طرح کی جب آپ کچی نیند میں ہوتے ہیں یعنی پہلے مرحلے کی نیند میں ہوتے ہیں اور تقریباً آپ جاگ ہی رہے ہوتے ہیں، لیکن پہلے مرحلے کی نیند کے برعکس آپ کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، تنفس کی شرح بڑھ جاتی ہے اور بے ترتیب ہوتی ہے اور ہر آدھے منٹ کے بعد آپ کی آنکھیں پپوٹوں کے نیچے گھومتی ہیں۔ مشاہدہ کرنے والا سوئے ہوئے آدمی کی آنکھوں کا یہ مشاہدہ آسانی سے کر سکتا ہے۔ یہ نیند کا پانچواں مرحلہ ہے اور حیرانی کی بات ہے کہ سائنس 1952ء سے پہلے "آر ای ایم" نیند سے قطعاً نابلد تھی۔

کیا سوئے ہوئے انسان کی آنکھوں کی حرکت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے، ایسے ہی جیسے کوئی پردہ سکرین پر فلم دیکھ رہا ہو یا وہ کوئی پرائیویٹ مووی دیکھ رہا ہو، نہیں! ایسی قطعاً کوئی بات نہیں۔ اس پر بھی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ سونے والے کے محرک اعصابی نظام (nervous system) کو منعکس کرتی ہیں۔ چنانچہ جوں جوں

رات گزرتی جاتی ہے نیند کا یہ چکر اپنے آپ کو ہر 90 منٹ کے بعد دُہراتا ہے۔ گہری نیند کا چوتھا مرحلہ مختصر ہو جاتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے اور پھر ''آر ای ایم'' نیند کا مرحلہ بتدریج طویل ہو جاتا ہے۔ نیند کے اس چکر کا اوسطاً 20 تا 25 فی صد تقریباً 100 منٹ تک ''آر ای ایم'' نیند ہوتی ہے اور اس کا مطلب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ کبھی خواب نہیں دیکھتے، وہ تقریباً سال میں 600 گھنٹے 1500 خواب دیکھنے میں صرف کرتے ہیں۔ اب ہم اس سوال پر پہنچ گئے ہیں کہ آخر ہم سوتے کیوں ہیں؟

آخر ہم سوتے کیوں ہیں؟

نیند کے بارے میں قرآن حکیم کی آیات کا دوبارہ مطالعہ فرمائیے جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا کہ نیند انسان کے آرام و سکون کے لیے بنائی گئی ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جسے آج کی سائنس اپنے تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر تصدیق کر رہی ہے۔ سائنس کے انکشافات کے حوالے سے یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ نیند ہماری زندگیوں کا 1/3 حصہ کمانڈ کرتی ہے۔ نیند سے محرومی ہم بری طرح محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے جسم ایک خاص وقت پر نیند کی خواہش رکھتے ہیں اور تکیے پر سر رکھتے ہی ہم نیند کی وادی میں چلے جاتے ہیں، ظاہر ہے ہمیں نیند کی ضرورت ہوتی ہے، آخر کیوں؟ کہنے کو تو یہ بڑا آسان سوال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کئی دن تک لوگوں کو جاگتے رہنے دیجیے، پھر دیکھیے وہ کس طرح خستہ و پریشان حال ہوتے ہیں۔ اگر نیند نہ آئے یا نیند پوری نہ ہو تو یہ ہمارے جسم اور دماغ کو متاثر کر دیتی ہے اور کام کاج کے دوران ہم غنودگی کی حالت میں رہتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نیند کی کمی آپ کو طبعی طور پر نقصان پہنچائے گی؟ کیا یہ قابل غور حد تک آپ کی حیاتیاتی کیمیائی یا جسمانی اعضا کو متاثر کرتی ہے؟ کیا نیند کے بغیر آپ ذہنی طور پر بے ترتیب و منتشر ہو جائیں گے؟

یہ بات مصنف کے مطالعہ میں آئی ہے کہ جنگ عظیم کے دوران نازی کیمپوں میں مقید افراد کو کئی دن تک تیز اور شور و شغب کے ذریعے جگائے رکھا جاتا تھا جس سے ان کا اعصابی نظام تباہ ہو جاتا تھا، انہیں دن میں تارے نظر آتے تھے۔ ان افراد کی ایسی

روحوں سے "بالمشافہ ملاقات" ہو جایا کرتی تھی، جنہیں وفات پائے ایک زمانہ گزر چکا ہوتا تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ویسے بھی آج کل چکاچوند روشنیوں، ٹی وی سیٹوں اور شفٹ ورک وغیرہ سے لوگ بے خوابی کا شکار ہو گئے ہیں۔ تاہم بے خوابی کے مزید برے اثرات میں شامل ہیں: تخلیقی قوت میں کمزوری، ارتکاز میں کمی، قوت مدافعت میں کمی، بیماریوں کے خلاف مزاحمت میں کمی، رعشہ، ہاتھوں میں لرزہ، طبیعت میں چڑچڑاپن وغیرہ۔ بعض کام مثلاً ٹرک ڈرائیونگ اور ایئر ٹریفک کنٹرول سے متعلقہ لوگوں پر تو تباہ کن اثرات ثابت ہو سکتے ہیں۔ رات کو دیر تک جاگنے سے آپریٹر عموماً اونگھنے کی کیفیت میں ہوتے ہیں اور کئی حادثات کا باعث بنتے ہیں، مثلاً بھارت میں بھوپال کی فیکٹری یونین کاربائیڈ میں تباہی اس وقت ہوئی جب آپریٹر اونگھ رہے تھے، مگر ان سب باتوں کے باوجود یعنی نیند کے بغیر منفی اثرات کے باوجود ایک 17 سالہ لڑکے رینڈی گارڈنر (Randy Gardner) نے گیارہ روز مسلسل جاگ کر اپنا نام گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ (Guinness Book of World Record) میں درج کروالیا، البتہ وہ اس کے لیے حرکت میں رہا یعنی چلتا رہا اور بیداری کی آخری رات ایک کھیل بھی جیتا اور وہ بھی اسی محقق سے جیتا جو اس پر تحقیق کر رہا تھا۔ پھر وہ 15 گھنٹے سویا اور جب اٹھا تو بالکل تازہ دم تھا۔ اس کے برعکس ایک 52 سالہ آدمی نے آہستہ آہستہ سونے کی صلاحیت ضائع کر دی (بلکہ ضائع ہو گئی) اور وہ بری طرح تھک گیا تھا، دماغی طور پر منتشر ہو کر وہ بعض اوقات خواب کی سی کیفیت میں چلا جاتا تھا مگر اس کے دماغ کی لہریں نیند کی نہیں ہوتی تھیں۔ آخر یہ پریشان حال شخص 9 ماہ بعد وفات پا گیا اور ایسا نہ سونے کی وجہ سے ہوا چنانچہ بعض واقعات میں دماغی طور پر بیمار لوگ اپنی سونے کی اہلیت ضائع کر دیتے ہیں جس کے نتائج انتہائی خوفناک ہوتے ہیں۔

ہم کیوں سوتے ہیں؟ سائنس کے پاس بہت کم جوابات ہیں۔

شاید نیند جسمانی ریشوں کو، خاص طور پر دماغ کے ریشوں کو بحال کرتی ہے۔
نیند نشوونما کے طریق کار میں بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے اور ایسا کرنے کے لیے غدہ نخامیہ (pituitary gland) گہری نیند کے دوران ایک بڑھوتری ہارمون (growth

بالغ لوگ جب بوڑھے ہونے لگتے ہیں تو وہ نیند کے دوران (hormone) چھوڑتا ہے۔ بالغ لوگ جب بوڑھے ہونے لگتے ہیں تو وہ نیند کے دوران بہت کم مقدار میں ہارمون چھوڑتے ہیں اور وہ گہری نیند میں بھی بہت کم وقت صرف کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں سونے والے کا نچلا جسمانی درجہ حرارت دن کے اوقات کے لیے توانائی کو محفوظ کرتا ہے۔ جہاں تک نیند کے معمے کو حل کرنے کا تعلق ہے، یہ دریافتیں محض ابھی ابتدا میں ہیں۔ امید ہے کہ موجودہ اکیسویں صدی میں نیند کے اسرار کو سمجھنے کے لیے مزید پیش رفت ہوگی۔ نیند کو بیان کرتے وقت کہ اس سے انسانی جسم کیسے راحت حاصل کرتا ہے؟ عموماً لفظ ''شاید'' استعمال کرتے ہیں جیسا کہ مصنف نے اوپر ابتدائی جملے میں ''شاید'' کا لفظ استعمال کیا ہے کہ شاید نیند جسمانی ریشوں (tissues) خاص طور پر دماغ کے ریشوں کو بحال کرتی ہے اور پھر ہم حتمی طور پر کسی نتیجے پر پہنچ کر کہہ سکیں گے کہ یقینی یا حتمی طور پر نیند میں ایسا ہوتا ہے۔

بیسویں صدی ختم ہوگئی اور اکیسویں صدی شروع ہے، اگر پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ہم نے گزرنے والی صدی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی شاہراہ پر کتنی تیزی سے سفر طے کیا۔ ذرے کا دل چیر کر اس کے جوہر تک رسائی حاصل کی اور کہکشاں کو پامال کرتے ہوئے اوج ثریا سے بھی آگے نکل گئے۔ زندہ جسم میں خلیے کا تجزیہ کرتے ہوئے جینز (genes) تک جا پہنچے پھر مرضی کے پھول، پودے اور فصلیں اگانی شروع کر دیں اور جانوروں کے تولیدی مادے سے مصنوعی طور پر (یعنی کلوننگ کے ذریعے) ان کے مماثل جانور تلاش کر لیے۔ غرض فطرت کے بہت سارے سربستہ راز گزشتہ صدی کے دوران ایک ایک کر کے انسان پر کھلتے چلے گئے، لیکن آج بھی ایک راز ایسا ہے جسے گذشتہ سو برس کی کوششوں کے بعد بھی پوری طرح نہ سمجھا گیا گویا موجودہ صدی میں تحقیق اور جستجو کے لیے انسان کے پاس ایک موضوع محفوظ ہے اور وہ ہے نیند۔

علم الابدان، حیاتیات، نفسیات اور انسانی جسم کا مطالعہ کرنے والے دیگر عوامل بھی ابھی تک اس سوال کا کوئی واضح اور ٹھوس جواب تلاش نہیں کر سکے کہ ہم سوتے کیوں ہیں؟ آخر مسلسل جاگتے رہنا ہمارے لیے کیوں ممکن نہیں؟ پچھلے پچاس برس کے دوران دنیا کے کئی ملکوں میں نیند کے موضوع پر تحقیق ہوئی۔ نیند کے ذریعے آخر ہمارے

جسم میں ایسی کون سی تبدیلی آ جاتی ہے کہ ہم راحت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کا جزوی جواب تو راقم الحروف نے لکھ دیا ہے، لیکن حتمی جواب شاید اس صدی میں ڈھونڈ لیا جائے البتہ یہ کہنا بھی ماہر نفسیات یا سائنسدانوں سے ناانصافی کی بات ہے کہ وہ آج تک نیند کا بھید ہی نہیں پا سکے۔ سائنس دان پچھلی دو صدیوں سے خوابوں اور یاداشت کے باہمی تعلق پر تحقیق کر رہے ہیں اور اب اس خیال کے حامی ہیں کہ جب انسان نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور خواب دیکھتا ہے تو دن بھر کے تجربات اس کی یاداشت میں باقاعدہ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ رابرٹ سٹیک گولڈ جو کہ ہارورڈ میڈیکل سکول کے شعبہ نفسیات سے وابستہ ہیں، کہتے ہیں کہ گہری نیند اور کچی نیند دونوں ہمارے ذہن میں معلومات اکٹھی کرنے اور تجربات کی یاداشت کا حصہ بننے اور کچھ سیکھنے کی صلاحیت کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو بغیر سوئے سیکھی نہیں جا سکتی۔ تجربات سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ اکثر انسانی دماغ نیند کے دوران پرانی سیکھی ہوئی باتوں کو نئی حاصل کی گئی معلومات سے جوڑ دیتا ہے اور کوئی حل تلاش کرنے یا نیا ہنر سیکھنے میں یاداشت کے ذخیرے سے کام لیتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک رات کی نیند معالج کے ساتھ پانچ طویل ملاقاتوں کے برابر ہے اس لیے آٹھ گھنٹے کی نیند لازم ہے جس میں کچھ نیند، نامکمل نیند اور غافل نیند کے محاصل شامل ہیں، یہاں غافل نیند کو گہری نیند (deep sleep) کہا گیا ہے۔ بہت سے سائنسدان اور ماہر نفسیات اس موضوع پر تندہی سے کام کرنے میں مصروف ہیں۔

نیند کی بیماریاں (Disorders)

یہ خیال کہ ہر آدمی کو 8 گھنٹے کی نیند ضروری ہے، غلط ہے۔ نوزائیدہ بچہ سارے دن کا تقریباً 2/3 حصہ نیند میں رہتا ہے۔ بالغ بمشکل دن کا 1/4 حصہ۔ کچھ لوگوں کے لیے 6 گھنٹے کی نیند کافی ہے اور کچھ کے لیے 9 گھنٹے۔ دودھ دینے والے جانوروں (mammals) کی نیند کی ضرورت بالکل مختلف ہوتی ہے، مثلاً گھوڑے اور گائے کے لیے دن میں 3 تا 4 گھنٹے، چوہے اور بلیوں کے لیے 14 تا 15 گھنٹے۔

انسان کی نیند کا تعلق اُس کی شخصیت سے نہیں، لیکن جینیاتی طور پر نیند کے پیٹرن (Pattern) متاثر ہو سکتے ہیں۔ جڑواں بچوں کی نیند کے پیٹرن ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔

بالغ لوگوں میں 10 تا 15 فی صد بے خوابی (Insomnia) کی شکایت کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ بے چینی کی پیداوار ہوتی ہے۔ اگر ہم رات کو کم سوئیں تو خود کو نفسیاتی طور پر بے خوابی میں مبتلا محسوس کرتے ہیں۔ نیند کی گولیاں اور الکوحل کا استعمال اس مسئلے کو مزید خراب کر دیتا ہے۔ نیند کے ماہرین نیند لانے کے لیے دوسرے متبادل علاج بتاتے ہیں۔

1- بستر پر جانے سے پہلے پرسکون رہیں۔
2- کیفین (کافی یا چاکلیٹ) دوپہر کے بعد یا بستر پر جانے سے پہلے لیں۔
3- مرغن کھانوں سے پرہیز کریں (خصوصاً شام کے وقت)
4- دودھ کا ایک گلاس نیند لانے میں مدد کر سکتا ہے۔ دودھ میں ایسے اجزاء ہوتے ہیں جو Serotonin بنانے میں معاون ہوتے ہیں۔ یہ عصبی مرسل (Neurotransmitter) ہوتا ہے جو نیند لانے میں مدد دیتا ہے۔
5- نیند کا باقاعدہ پروگرام بنائیں یعنی ایک ہی وقت پر سوئیں خواہ آپ کی پہلی رات بے خوابی میں گزری ہو۔
6- باقاعدہ ورزش کریں مگر شام کو دیر سے نہیں
7- اپنے آپ کو نفسیاتی طور پر مطمئن کریں کہ عارضی طور پر نیند کا اڑ جانا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔
8- اگر متذکرہ بالا کوئی بھی اصول معاون نہ ہو تو تھوڑی نیند (less sleep) کا ارادہ کر کے بستر پر دیر سے جائیں یا صبح بہت جلد جاگ جائیں۔

بے خوابی (Insomnia) کے علاوہ نیند کی تین بیماریاں ہیں۔

1- سکتہ نومی (Narcolepsy)۔ اس بیماری میں لوگ بعض اوقات بے وقت نیند سے بوجھل ہو جاتے ہیں اور مختصر عرصے کے لیے گہری نیند (REM) میں چلے جاتے ہیں اور

اس کے ساتھ ہی ان کے عضلاتی تناؤ میں کمی آ جاتی ہے۔

2- حبس دم (Apnea)۔ اس بیماری میں سوئے ہوئے آدمی کا سانس ایک منٹ کے لیے بند ہو جانے سے خون میں آکسیجن کی کمی ہو جاتی ہے اور سونے والا چند سیکنڈ کے لیے خراٹے لینے شروع کر دیتا ہے۔ اس بیماری میں زیادہ تر موٹے لوگ مبتلا ہوتے ہیں اور اکثر لوگ اپنی اس بیماری سے بے خبر ہوتے ہیں۔

3- خوابِ خرام (Night Terror- Nightwalkers)۔ اس بیماری میں مبتلا لوگ (زیادہ تر بچے) نیند میں چلنا شروع کر دیتے ہیں یا اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے دل کی دھڑکن اور تنفس کی شرح بڑھ جاتی ہے اور وہ عموماً خوف کا شکار ہوتے ہیں۔ نیند میں چلنے والے لوگ شاذ و نادر ہی کلی طور پر نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور اگلی صبح انہیں کچھ یاد نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ نیند کے ابتدائی چند گھنٹوں میں اور نیند کے چوتھے مرحلے میں چلنا شروع کرتے ہیں۔ خوابِ خرام (night terror) کابوس یا ڈراونے خواب (nightmares) کی طرح نہیں ہیں جو صبح کے وقت آتے ہیں اور ''آر ای ایم'' یا بہت گہری نیند میں رونما ہوتے ہیں۔

خوف سے نیند نہیں آتی یا نیند کچی رہ جاتی ہے۔ اگر شیر اور بھیڑ ایک ساتھ لیٹے ہوں تو بھیڑ کو کبھی بھی گہری نیند نہیں آئے گی۔

اضافی معلومات

نیند کے دوران جسم کے تمام افعال اور وظائف صحت کے لیے لازمی طور پر درکار سطح پر خود بخود جاری رہتے ہیں۔ حرارت بنیادی سطح سے 10 تا 15 فی صد کم پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جسمانی ٹمپریچر کو ریگولیٹ کرنے کا میکانزم جاگنے کے لمحات کے مقابلے میں دورانِ نیند 0.5 تا 1.0 ڈگری فارن ہائٹ کم رہتا ہے۔ دل کی دھڑکن کی شرح 10 تا 30 بار تک فی منٹ ہو جاتی ہے۔ بلڈ پریشر تقریباً 20 ایم۔ ایم کم ہو جاتا ہے۔ پیشاب کے حجم میں کمی آ جاتی ہے لیکن اس میں ٹھوس مادوں کا ارتکاز (concentration of solids) بڑھ جاتا ہے۔ تشکیلی عضلات کی طبعی سختی میں نرمی آ جاتی ہے۔ آنکھوں کی معمول کی گردش کا رخ اوپر کی جانب ہو جاتا ہے اور ان کی پتلیاں سکڑ جاتی ہیں۔ نیند تھکے جسم و جان کے

لیے ایک سہارا ہے۔ دن بھر کی کھوئی ہوئی توانائی واپس آ جاتی ہے۔ نیند جسم کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کر دیتی ہے ہم رات سوتے وقت 35 مرتبہ کروٹیں بدلتے ہیں مجموعی طور پر خواتین مردوں کے مقابلے میں 45 منٹ سے ایک گھنٹہ زیادہ سوتی ہیں۔ مختلف عمروں کے افراد کے لیے نیند کا دورانیہ حسب ذیل ہونا چاہیے: نومولود 18 سے 20 گھنٹے، بچے 10 سے 12 گھنٹے، بالغ افراد 6 سے 9 گھنٹے، معمر لوگ 5 سے 7 گھنٹے مگر یہ کوئی مستقل دورانیے نہیں ہیں۔ نیند کا ایسا دورانیہ جس کے بعد اٹھ کر لوگ خود کو مطمئن اور خوش باش پائیں، اوسطاً ساڑھے سات گھنٹے ہے۔ کسی شخص کے لیے نیند کا مطلوبہ دورانیہ وہی ہے جسے وہ خود محسوس کرے کہ "بس میری ضرورت اتنی ہے۔" یہ نہیں کہ دوسرے لوگ بشمول ڈاکٹر حضرات اس کے لیے نیند کا دورانیہ تجویز کریں کہ اتنے گھنٹے سونا چاہیے۔

قارئین کرام! قرآن حکیم میں انسان کی توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ رات اور دن کے آنے جانے پر غور و فکر کرے اور یہ بھی فرمادیا کہ رات انسان کے آرام و سکون کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس حقیقت سے انسان کو آج سے 1400 سال پہلے قرآن کے ذریعہ آگاہ کر دیا گیا تھا جس کی دورِ جدید کے سائنسدان اور ماہر نفسیات تصدیق کر رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آٹھواں باب

خوابوں کی سائنسی حقیقت

قارئین کرام! گذشتہ باب میں آپ نے نیند کے بارے میں مطالعہ فرمایا ہے اور قرآن حکیم نے واضح کر دیا ہے کہ نیند انسان کے آرام و سکون کے لیے بنائی گئی ہے۔ انسان کے علاوہ دوسرے جاندار بھی آرام چاہتے ہیں لہٰذا وہ بھی سوتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی مطالعہ فرمایا کہ نیند کے پانچ مراحل ہیں اور آخری مرحلے کو نفسیات کی زبان میں آر، ای، ایم (REM) کہتے ہیں، جو درحقیقت گہری نیند ہے اور یہ وقت صبح ہونے سے پہلے کا وقت ہے۔ اس میں خواب (Dreams) آتے ہیں جو سچے ہوتے ہیں جنہیں رویائے صادقہ یا رویائے صالحہ بھی کہا گیا ہے اور یہ سچے خواب ہوتے ہیں۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ صبح کا خواب بہت سچا ہوتا ہے یعنی رویائے صادقہ۔

درحقیقت الہام، کشف اور وجدان کی بھی ایک کیفیت ہے لیکن یہ تینوں صورتیں عام بیداری میں نظر آتی ہیں جب کہ خواب کی کیفیت صرف نیند کی حالت میں طاری ہوتی ہے۔ چونکہ نیند کا تعلق خوابوں سے ہے اس لیے یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ ایک باب خوابوں کی دنیا کے بارے میں بھی تحریر کر دیا جائے، لیکن میرا مقصد یہاں ''خواب نامہ'' تحریر کرنا نہیں۔ خوابوں کی تعبیر کے بارے میں کئی مستند کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ اس باب میں صرف یہ بتایا جائے گا کہ خوابوں کے بارے میں جدید سائنس یا جدید نفسیات کی آراء کیا ہیں؟ صدیوں سے ایسے سوالات مثلاً خواب کیا ہیں؟ خواب کیوں آتے ہیں؟ خوابوں کی سائنسی حقیقت کیا ہے؟ خواب ہمیں کیا بتاتے ہیں؟ وغیرہ ایسے سوالات ہیں جن کا تجزیہ کیا جائے گا، چنانچہ انسان کے خوابوں کو سمجھنے کی خواہش ہزاروں سال پرانی ہے۔ خواب دیکھنا ایک قدرتی امر ہے اور ہر انسان خواب دیکھتا

ہے۔ قرآن حکیم میں پیغمبروں کے خوابوں کا بھی ذکر ہے اور پیغمبروں کے خواب رویائے صادقہ (سچے خواب) ہوتے ہیں اور وہ خدا کی طرف سے ان پر وحی کی صورت میں ہوتے ہیں۔ پہلے ہم قرآن حکیم میں بیان کردہ اُن خوابوں کا ذکر کرتے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

ترجمہ: بس ہم نے اسے ایک لڑکے کی خوشخبری دی جو تحمل والا ہوگا پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے لگا، کہا: اے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو تمہاری کیا رائے ہے (تو کیا دیکھتا ہے) بولا: اے باپ! کر ڈال جو تجھے حکم ملا ہے (ہوتا ہے) اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والوں میں پائے گا۔

(سورۃ الصافات 37، آیت 102,101)

ارشاد ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول کی اور خوشخبری دی کہ تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تحمل و برداشت والا ہوگا۔ ارشاد ہے کہ جب وہ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے (ان کے ساتھ کام کرنے کی عمر کو پہنچ گئے) تو ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ''خواب'' انہیں سنایا کہ اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ لکھا ہے کہ تین رات تک برابر یہی خواب دیکھنے کے بعد انہیں پکا یقین ہو گیا کہ اللہ کا یہی حکم معلوم ہوتا ہے۔ تب انہوں نے بیٹے سے بیان کیا اور پوچھا کہ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فوراً جواب دیا کہ آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے اللہ نے چاہا تو میں آپ کے ہاتھ سے ذبح ہونا صبر کے ساتھ برداشت کروں گا، کوئی جزع

فرزع نہ کروں گا۔ اللہ! اللہ! اطاعت اسے کہتے ہیں جو اس باپ اور بیٹے نے کر دکھائی۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۞ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۞ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۞ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓـؤُا الۡمُبِيۡنُ ۞ وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ ۞

ترجمہ: پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اسے ماتھے کے بل اور ہم نے پکارا یوں کہ اے ابراہیم تو نے "خواب" سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یوں ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک صریح جانچنا یہی ہے (تحقیق کہ البتہ یہی آزمائش ہے کھلی) اور اس کے بدلے میں ہم نے اسے ایک جانور بڑا ذبح کے لیے دیا۔

(سورۃ الصافات 37، آیت 103 تا 106)

ارشاد ہے کہ جب دونوں باپ بیٹے اللہ کے حکم کی اطاعت کے لیے بخوشی تیار ہو گئے تو بیٹے نے باپ سے کہا: ابا جان! ذبح کرتے وقت مجھے ایسا لٹائیے کہ چہرہ زمین کی طرف ہو تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ پر میرا چہرہ دیکھ کر محبت اور رحم کا غلبہ ہو جائے اور ذبح کرنے میں دل ہچکچانے لگے اور اللہ کا حکم بجا لانے میں دیر لگ جائے۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری رکھ دی (آیت میں اس کا بیان نہیں کہ اسوقت ان کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی اور اللہ کی رحمت اور شفقت کس قدر جوش میں آ رہی تھی)۔ فقط ارشاد ہے کہ ہم نے ابراہیم کو آواز دی کہ بس بس تو نے اپنا "خواب" سچا کر دیا اور ہمارے حکم کی تعمیل کر دی۔ تجھے اس فرمانبرداری اور اخلاص کا بڑا بدلہ ملے گا۔ ہم نیک لوگوں کی ایسی ہی کڑی آزمائش کرتے ہیں تاکہ ان کی ثابت قدمی پر انہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیں۔ ارشاد ہے کہ کوئی شک نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ امتحان بڑا سخت تھا۔ وہ اس میں کامیاب ہوئے اور ہم نے اسماعیل کے بدلے ایک قیمتی اور فربہ دُنبے کی قربانی قبول کی (اور قربانی کی سنت کو ہمیشہ کے لیے جاری کر دیا)۔

چنانچہ آپ نے مطالعہ فرما لیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب وحی الٰہی

تھے اور سچے تھے۔ اب آپ سورۂ یوسف میں جن خوابوں کا ذکر ہے، ان کا مطالعہ فرمائیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۝۴

ترجمہ: جب کہا یوسف نے اپنے باپ سے، ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو میں نے انہیں اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 4)

باپ کی نصیحت

حضرت یعقوب علیہ السلام کا جواب

ارشاد ہوا:

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۵

ترجمہ: کہا: اے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے آگے مت بیان کرنا پھر وہ تیرے واسطے کچھ فریب بنائیں گے، البتہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 5)

مذکورہ بالا سورۂ یوسف کی آیت 4 سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب صاف صاف خارجی حالات کی ترجمانی کر رہا ہے اور یوسف علیہ السلام کی اولوالعزمی کا آئینہ دار ہے کہ اس کے ماں باپ اور گیارہ بھائی ایک نہ ایک دن اس بچے (یوسف علیہ السلام) کی فوقیت کو تسلیم کر کے رہیں گے۔ آیت 5 سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس بات سے فساد کا اندیشہ ہو اُسے لوگوں میں نہ پھیلائیں بلکہ خاموشی اختیار کریں اور ایسی باتوں سے بچنا چاہیے جن سے جذبات کے بھڑکنے کا اندیشہ ہو۔ خطرناک جذبات حسد، دشمنی،

غضب، شہوت، لالچ اور تکبر ہیں، جو چیزیں انہیں بھڑ کائیں ان سے بچنا سعادت مندوں کا شیوہ ہے۔

دو قیدیوں کے خواب

ارشاد ہوا:

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ

ترجمہ: اور دو جوان اُس (حضرت یوسف علیہ السلام) کے ساتھ قید خانے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھا رہا ہوں کہ اس میں سے جانور کھا رہے ہیں اس (خواب) کی تعبیر ہم کو بتلا ہم تجھ کو نیکی والا دیکھتے ہیں۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 36)

اب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے کے ساتھیوں کو ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝

ترجمہ: اے قید خانے کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک جو ہے اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور دوسرا جو ہے سولی دیا جائے گا پھر پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے۔ طے ہوا وہ کام جس کی بابت تو پوچھتے تھے (تحقیق) چاہتے تھے۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 41)

بادشاہ مصر (ریان بن الولید) کا خواب

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ

سُنۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور بادشاہ نے کہا میں خواب دیکھتا ہوں سات موٹی گائیں کہ ان کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی۔ اے دربار والو! مجھ سے میری خواب کی تعبیر کہو اگر تم خواب کی تعبیر دینے والے ہو۔ (سورۃ یوسف 12، آیت 43)

خواب کی تعبیر

ارشاد ہوا:

ترجمہ: اے یوسف، اے سچ کہنے والے! دے ہمیں اس خواب میں کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی کھائی جا رہی ہیں اور یہ سات بالیں ہیں ہری اور سات سوکھی تاکہ میں لے جاؤں لوگوں کے پاس شاید انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہا کھیتی کرو گے تم سات برس جم کر (لگاتار) پھر جو کاٹو اس کو اس کی بال (خوشہ) میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ گے، پھر اس کے بعد سات سال سخت کے آئیں گے، کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے رکھا مگر تھوڑا سا جو تم بچا رکھو پھر اس کے پیچھے ایک برس آئے گا اس میں لوگوں پر مینہ اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے (یعنی خوشحالی آئے گی)۔ (سورۃ یوسف 12، آیات 46 تا 49)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ زبان و بیان کے حوالہ سے نہایت ہی دلکش اور مسحور کن ہے۔ قرآن حکیم میں اس قصے کو احسن القصص کہا گیا ہے یعنی خوبصورت کہانیوں میں سے ایک کہانی۔ ہم نے یہاں صرف اس قصے کے حوالے سے صرف وہی آیات درج کی ہیں جن کا تعلق خوابوں کے بیان سے ہے، سارے قصے کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ خوابوں کے حوالہ سے جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو "علم تعبیر" سے نواز تھا (اور یہی آپ کا معجزہ بھی تھا) جیسا کہ قرآن حکیم میں واضح کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ

ترجمہ: یہ علم (خوابوں کی تعبیر کا) ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 37)

قید خانے کی تنہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام کی روحانی ترقی کی تکمیل ہوئی

اور قیدی اور محافظ سب آپ سے متاثر تھے۔ جیسا کہ قصے میں بیان ہے کہ دونوں قیدیوں کی خوابوں کی تعبیر کا تو آپ نے وقت مقرر کر دیا تھا کہ کھانے سے پہلے بتا دی جائے گی اور موقع غنیمت سمجھ کر توحید کی تبلیغ کی کہ جو علم مجھے ملا ہے، وہ میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ غالباً اس زمانے میں یا حضرت یوسف کی قوم (بنی اسرائیل) میں خوابوں کے علم کو مہتم بالشان علم سمجھا جاتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی یہی علم عطا کر دیا تاکہ لوگ ان کی سچائی اور نیکی کے قائل ہو جائیں۔ اگر ہم تمام انبیاء کرام کے حالات کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی بعثت کے ساتھ معجزات بھی عطا کیے تاکہ قدرت خداوندی کی یہ نشانیاں دیکھ کر لوگ انبیاء کا مقام جانیں اور ان کی حقانیت تسلیم کریں۔ ارشاد ہوا:

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس ملک (مصر) میں جگہ دی اور تاکہ ہم اُن کو خوابوں کی تعبیر دینا بتلا دیں۔

دوسرا ترجمہ: اور اس طرح ہم نے یوسف کو مصر میں اقتدار و قدرت دی اور علم تعبیر رویا کی تعلیم دی۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 21)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر عطا کیا اور اگلی آیت 101 میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اس بات کا خود اقرار کیا ہے۔

ارشاد ہوا:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ

ترجمہ: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت (سلطنت) بھی عطا فرمائی اور علم تعبیر خواب بھی عطا فرمایا۔

(سورۃ یوسف 12، آیت 101)

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا

ترجمہ: اور کہا (یوسف علیہ السلام نے) اے میرے باپ! یہ میرے اُس پہلے خواب کا بیان ہے، میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا۔ (سورۃ یوسف 12 آیت 100)

اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کرام کو معجزات عنایت فرمائے وہ اس زمانے کے کمال فن یا علم کے مطابق ہوتے تھے، مثلاً جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے تو اس کی قوم میں خوابوں کی تعبیر بتانے کا علم عام تھا، لہٰذا آپ نے خوابوں کی سچی تعبیر بیان کر کے بادشاہ مصر (ریان بن الولید) کو بھی قائل کر لیا اور اپنا عقیدت مند بنا لیا۔

خوابوں کے بارے میں حضور ﷺ کی احادیث

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

1- بشارتوں کے سوا نبوت کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ بشارتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: سچے خواب۔ (رواہ البخاری من ابی ہریرہ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اب خواب کے سوا اہل ایمان کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہیں جس سے مستقبل کے حالات ظاہر ہو سکیں، یعنی جس طرح بادلوں کی موجودگی بارش پر دلالت کرتی ہے اسی طرح سچے خواب بھی مستقبل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

2- آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رویائے صادقہ نبوت کا ایک جزو ہے اور علم نبوت باقی ہے، گو نبوت جاری نہیں رہی۔ دوسرے لفظوں میں سچا خواب نبوت کا پرتو ہے، گو خواب دیکھنے والا نبی نہ ہو، جیسے کہ بعض دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ نیک روش، علم اور میانہ روی نبوت میں سے ہیں۔

3- ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور برا خواب شیطان کی جانب سے۔ پس جب کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے صرف اس شخص سے بیان کرے جس سے

محبت و اعتقاد ہے اور جب مکروہ خواب دیکھے تو حق تعالیٰ سے اس خواب کے شر اور شیطان کے فتنہ سے پناہ مانگے اور یہ بھی مناسب ہے کہ بقصد دفع شیطان اپنے بائیں طرف تین بار تھتکارے اور ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے، اس حالت میں برا خواب کوئی ضرر نہ پہنچائے گا۔ (رواہ البخاری، مسلم)

4- بقول حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خیر البشر ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مکروہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں طرف تف کر کے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اس کروٹ کو بدل ڈالے جس پر خواب دیکھنے کے وقت پڑا تھا۔ (رواہ مسلم)

5- ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے فی الواقع مجھی کو دیکھا (اس کا یہ خواب سچا ہے کیونکہ شیطان کی یہ مجال نہیں کہ کسی کو خواب میں میری شکل میں ظاہر ہو)۔

(رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرہ)

فتح مکہ کا خواب

سورۃ الفتح 48 کی آیت 27 میں ارشاد ہوا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب حقیقت کے مطابق (سچا کر دکھایا)۔

"حضور سرور دو عالم ﷺ کو رویاء صادقہ کے ذریعہ ایک سال پہلے ہی فتح مکہ کا علم ہو گیا تھا۔ سورۃ الفتح میں چند واقعات کا ذکر ہے۔ 6ھ میں رسول ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مع اصحاب مکہ میں داخل ہوئے اور عمرہ کیا اور اس کے تمام ارکان بخوبی ادا کیے۔ حدیبیہ کی صلح کی رو سے اس سال عمرہ نہ ہو سکتا تھا اس لیے حدیبیہ ہی میں قربانی کر کے اور احرام کھول کر آنحضرت ﷺ مع اصحاب کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس سے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ عمرہ ادا کیا ہے پھر یہ عمرہ کیوں نہ ہوا۔ اسی سورۃ کی آیت 27 میں ارشاد ہے کہ اللہ نے جو اپنے رسول کو خواب میں دکھایا

تھا، وہ بالکل سچا تھا اور اگلے سال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

خوابوں کے حوالے سے یہ ثابت ہوا کہ خواب ایک نہایت پراسرار چیز ہے تبھی تو سید الانبیاءﷺ کو بھی خواب دکھایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اس خواب کی تصدیق فرمائی۔ یہ ظاہر بات ہے کہ جو چیز پیغمبروں کو بطور انعام نصیب ہو، اُسے خدا تعالیٰ صحیح اور درست بھی فرمادے۔ اس علم کے افضل ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ چنانچہ علم تعبیر خواب ایک نہایت افضل اور اعلیٰ علم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز پیغمبر کا معجزہ ہو، وہ یقیناً افضل و اعلیٰ ہوا کرتی ہے۔ (نبی کا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت اور حکم بھی ہوتا ہے)

ماہرین نفسیات اور سائنس دانوں کے خیالات

اب اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ماہر نفسیات اور سائنس دان خوابوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ ہم یہاں صرف تین سوالوں کے جواب دیں گے کہ

1- خواب کیا ہیں؟

2- ہم خواب میں کیا دیکھتے ہیں؟

3- ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟

جہاں تک خوابوں کی تعبیر کا تعلق ہے، اس کے حوالے سے بہت سے اولیاء اللہ و علما کرام کے نام آتے ہیں جن کو اس علم پر دسترس رہی ہے مثلاً حضرت دانیالؑ، حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت امام محمد بن سیرینؒ، حضرت امام جابر مغربیؒ، حضرت ابراہیم کرمانیؒ، حضرت امام اسماعیل بن اشعثؒ کے اقوال بطور سند پیش کیے جاتے ہیں اور علم تعبیر کے فن پر بیس کے قریب کتابیں زیادہ مشہور و مقبول اور مستند ہیں لیکن ان میں سے حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ (36 تا[1] 113 ھ) کی کتاب "تعبیر الرویا" کو خاص شہرت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں کئی زبانوں میں خوابوں کی تعبیر پر کتابیں دستیاب ہیں لیکن مصنف کی تحقیق و تجربے کے مطابق انیسویں صدی کے ایک مصنف جن کا نام ان کی کتابوں پر

---

[1] لیکن یہ بزرگ چونکہ 36ھ تا 113ھ کے دور کے ہیں لہٰذا بہت سے خواب (الفاظ کی صورت میں) موجود نہیں ہیں، مثلاً وہ الفاظ جو جدید سائنسی دور کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہی حال دوسرے خواب ناموں کا ہے۔

رفائیل (Raphael) درج ہے، انگلستان میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ ان کی تعبیریں نہایت مستند اور سچی ہیں۔ یہ شخص مشہور جوتشی تھا اور انگلستان میں اسی کی ان عظیم علوم پر کتابیں ملتی ہیں۔ وہ خوابوں کی تعبیر مختصر مگر نہایت جامع انگریزی الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

رفائیل کی کتاب کے دیباچے سے میں آپ کی خدمت میں خوابوں کے بارے میں اس کے خیالات پیش کرتا ہوں۔ وہ یوں رقمطراز ہے اور اس سوال سے اپنی نگارش شروع کرتا ہے کہ ''کیا خواب جھوٹے ہوتے ہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹے ہوتے ہیں مگر ایسا سوچنے سے وہ غلطی کر رہے ہیں (یا غلطی پر ہیں)۔ آسمانی صحیفوں میں درج ہے کہ ابراہیمؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ اور اسی طرح درجنوں دوسرے مشہور لوگوں نے نہایت اہم خواب دیکھے جن کا ان کے مستقبل سے گہرا تعلق تھا۔ لہٰذا یہ خواب سچ ثابت کرنے والی پیش گوئیاں تھیں یعنی اپنی فطرت میں پیغمبرانہ تھے۔ میرا نہیں خیال کہ روئے زمین پر کوئی ایسا زندہ شخص ہے جس نے کبھی خواب نہ دیکھا ہو (کسی بھی وقت یا دور میں) اور اس اہم اور واضح خواب (vived dream) نے اسے یعنی اس کی فکر یا تصور کو متاثر نہ کیا ہو۔ آپ ان کا جو بھی مطلب لیں، خواب سچی پیش گوئیاں کرتے ہیں۔ کچھ لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ خواب کیوں آتے ہیں یعنی خوابوں کی وجہ کیا ہے؟ بعض کا خیال ہے کہ اس کا تعلق ہمارے نظام ہضم اور معدے سے ہے اور اگر آپ شام کا کھانا مرغن یا بھاری کھالیں گے تو آپ کو ڈراؤنا خواب آئے گا، تو یہ بالکل سچی بات ہے اور میری توضیح یہ ہے کہ ایسے خواب عموماً خوفناک ہوتے ہیں اور ان سے بچنا بھی مشکل ہوتا ہے (یعنی سوتے ہوئے) اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی پیش گوئی نہیں ہے؟ یقینی طور پر یہ ہے۔ آج کے تمام ماہرین طب اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ رات کو پیٹ بھر کر کھانا یا جسے ہم بھاری کھانا کہتے ہیں، نقصان دہ ہوتا ہے۔ بھاری کھانے نظام ہضم کو خراب کر دیں گے، اس میں خلل ڈال دیں گے اور یہ بدہضمی بیماری کا موجب ہوگی۔ اب ڈراؤنا خواب آپ کو پیشگی آگاہ کر دے گا کہ تمہارے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے جس سے تم بچ نہیں سکتے۔ اب اس سے واضح پیش گوئی اور کیا ہوگی؟'' مزید رقمطراز ہے:

☆ ''خواب کیوں آتے ہیں؟ میری رائے میں خواب روح (soul) سے رونما

ہوتے ہیں یعنی جب ہمارے فانی اور حسی (sensual) حصے مر جاتے ہیں تو پھر روح میں چمک آ جاتی ہے اور وہ دماغ پر کچھ اثرات (impressions) پیدا کرتی ہے، یہی اثرات خواب ہوتے ہیں۔ اگر یہ خواب کسی پراسرار ایجنسی (Occult Agency) کی وجہ سے نہ ہوں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اکثر ایسے لوگوں سے ملتے ہیں، ایسی اشیا دیکھتے ہیں یا ایسی جگہیں جو آپ نے کبھی دیکھی ہوں نہ سنی ہوں۔ کوئی چیز محض عدم سے کیسے آ سکتی ہے؟ اس کی آخر کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔"

☆ "خوابوں کا مقصد کیا ہے؟ (دنیا میں) ہر چیز کسی مقصد کے لیے بھیجی گئی ہے اور آپ منطقی طور پر یہ مفروضہ نہیں اپنا سکتے کہ خالق کائنات جس نے ہر چیز پیدا کی ہے، وہ آدمی کو بغیر کسی مقصد کے خواب دکھائے (یا وہ بغیر مقصد کے خواب دیکھے)۔

قارئین کرام! آپ مجھ پر یقین کریں جب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ اپنے خوابوں پر جتنا غور و فکر کریں گے، مطالعہ کریں گے تو مزید ان میں سچائی ملے گی اور آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ خواب پیش گوئی کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے آپ کو بہت ساری آنے والی تکالیف اور مسائل سے بچالیں۔" (رفائیل)

ایک یہودی نظریے کے مطابق خواب پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خوابوں کے ذریعے رہنمائی حاصل کرنے کا طریقہ ان کے ہاں عام تھا۔ عہد نامہ قدیم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمان خداوندی خواب میں وصول ہوا تھا۔ سینٹ میتھیو کی کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پیش گوئی موجود ہے اور یہ پیش گوئی ایک خواب میں تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے خدا کا فرمان ایک خواب سے وصول کیا تھا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

"لاما" بدھ مذہب والوں کے پیشوا کو کہتے ہیں۔ لامائی یا لاماؤں کی قدیم دھارمک کتاب (مذہبی کتاب) "رگبودھاویدی" میں لکھا ہے کہ خواب پچھلے جنم کے حالات و واقعات ہوتے ہیں، جنہیں دماغ خوابوں کی صورت میں دُہراتا ہے ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے (یاد رہے کہ اسلام میں پچھلے جنم کا کوئی تصور نہیں اور ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے، لیکن خوابوں کے بارے میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے ان میں سے بہت ساری باتیں ہیں

جن پر جدید سائنس بھی روشنی ڈالتی ہے) مثلاً نیک لوگوں کے خواب سچے اور الہامی ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں خوابوں کو مستقبل کا پیغامبر کہا جا سکتا ہے۔ یہ بات حضور نبی کریم ﷺ نے بھی فرمائی کہ ''رویائے صادقہ (سچے خواب) ایک قسم کی وحی ہے۔'' آئندہ پیش آنے والے واقعات جاننے کا طریقہ ''مبشرات'' کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ صحابہؓ نے دریافت فرمایا: ''یارسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟'' حضور نے فرمایا: ''سچے خواب۔''

جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ لاماؤں کی کتاب میں خوابوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، ان پر جدید سائنس کی تحقیق کا گمان ہوتا ہے مثلاً لکھا ہے لاشعور کبھی نہیں سوتا۔ خواب لاشعور کے کرشمات ہیں۔ ایک ہی وقت میں انسان دو دنیاؤں میں رہتا ہے۔ ایک اس کے اندر کی دنیا اور دوسری اس کے باہر کی دنیا۔ جب انسان سو جاتا ہے تو خارجی دنیا سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اپنے اندر کی دنیا میں چلا جاتا ہے جو خوابوں اور خیالوں کی دنیا ہے جو انسان کے دماغ کے نچلے حصے میں واقع ہوتی ہے اور اسرار سے بھری پڑی ہے۔ اس میں عجیب و غریب اشیاء موجود ہیں۔ ہزاروں صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کے اسرار بھی معلوم نہیں ہو سکے۔

مزید لکھا ہے کہ زندگی میں ہمیں جس شے کی کمی اور خواہش ہوتی ہے، خواب میں ہمیں اس کا بدل مل جاتا ہے۔ خواب اُن الجھنوں کا سبب نظر آتے ہیں جنہیں انسان بیداری میں حل نہیں کر پاتا۔ خواب انسان کے وجود کا ایک اہم عنصر ہیں اور بسا اوقات انسان کی زندگی میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ انسانی زندگی کے اندر موجود کشاکش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ خواب مستقبل کے بارے میں اہم نشان دہی کرتے ہیں، ان پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ خواب ایک ایسا شیشہ ہے جس میں انسان کی مسرتیں اور مصیبتیں دونوں ہی دیکھی جا سکتی ہیں۔ نیند میں انسان اپنی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ خواب انسان کی اصل زندگی کے پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

انسان خواب کیوں دیکھتا ہے؟

اس کے متعلق بھی رگبودھاویدی میں یہ لکھا ہے کہ ''رات کے وقت ذہن جسم کی فکر سے آزاد ہو کر اِدھر اُدھر گھوم سکتا ہے۔ خواب انسان کی روح کی مہمات ہیں۔

نیند جسم اور دماغ کو آرام پہنچاتی ہے اور خواب نیند کے عرصے کی ایک بامعنی اضافی پیداوار ہیں۔"

خوابوں کے بارے میں جو قدیم نظریات پائے جاتے ہیں، ان سب کو یہاں تحریر میں لانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اب صرف سائنس کے حوالے سے خوابوں پر تحقیق کے بارے میں جو باتیں سامنے آئی ہیں، ان کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

خواب اور جدید سائنس

خوابوں کے بارے میں سائنسی تحقیق میں انقلاب پیدا کرنے کا سہرا وی آنا یونیورسٹی کے یہودی پروفیسر سگمنڈ فرائیڈ (1856ء تا 1939ء) کے سر ہے۔ اس کی کتاب تعبیر خواب Interpretation of Dreams، 1900 میں شائع ہوئی۔ بعض مصنفین نے اس کتاب کی اشاعت کا سن 1896ء بتایا ہے۔ تاہم یہ کتاب اس زمانے میں معرکہ آرا ثابت ہوئی اور اس نے علمی اور غیر علمی طبقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ فرائیڈ خود کہتا ہے کہ "خوابوں کو بامعنی بنا کر میں نے انہیں لوک کہانیاں اور تصوف (mysticism) کے میدان سے نکال لیا۔" لوگ تو خوابوں کو بے معنی خیال کرتے تھے لیکن فرائیڈ نے انہیں بامعنی بنا دیا اور پھر یہ بھی کہا کہ یہ تو لاشعوری غیر تسلی یافتہ خواہشات کے مظہر ہیں۔ ہم یہاں ساری باتیں تو احاطہ تحریر میں نہیں لا سکتے، صرف اختصار کے ساتھ خوابوں کی دنیا کے بارے میں اُس کے خیالات پر مبنی چند اقتباسات ہی پیش کریں گے (خوابوں کے بارے میں تحقیق، جدید نفسیات (Modern Psychology) کا سب سے دلچسپ حصہ بن چکی ہے)۔

ڈاکٹر فرائیڈ کا کہنا ہے کہ خوابوں کی تعبیر سے لاشعور (Unconscious) کا دروازہ کھلتا اور اس کی ماہیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرائیڈ نفسیاتی معالج تھا لہٰذا اس نے ہپنائزم اور ایعاذ کا طریقہ چھوڑ کر خوابوں کی تعبیر کے ذریعے علاج کا کامیاب طریقہ ایجاد کیا تھا[1] اس نے اپنی کتاب مذکورہ میں نفسیات کی کئی اصطلاحات استعمال کی ہیں جن میں سے ایک اصطلاح ابطان (Repression) ہے اور دوسری ہے مدافعت (Resistance)۔

---

[1] مریض کو کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے خواب بیان کرے۔

مدافعت سے مراد ایسی قوت ہے جو بھولی ہوئی باتوں کو دوبارہ یاد کرنے سے باز رکھتی ہے۔ علاج کی خاطر اس قوت کو توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابطان کی وجہ سے ان تکلیف دہ ہیجانات اور جذبات تک نہیں پہنچا جا سکتا جو مرض کی تہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرائیڈ کو تحلیل نفسی (Psyco- analysis) کے دو اصول مل گئے تھے۔ ابطان کے معنی دبی ہوئی خواہش کے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ خواب بھی لاشعور کی پیداوار ہیں اور یہ شعوری کنٹرول کو توڑ کر ابطان کا اظہار کرتی ہیں۔ اگر دن دیہاڑے جاگتے ہوئے شعور (Conscious) کی باری ہوتی ہے تو نیند میں لاشعور (Unconscious) کی باری ہوتی ہے۔ شعور میں ناقدانہ فعلتیں پیدا ہوتی ہیں اور نیند میں یہ فعلتیں رک جاتی ہیں اور ابطان کو اظہار کا موقعہ مل جاتا ہے۔ جو طاقت غیر تسلی یافتہ یا اذیت ناک خواہشات کو دباتی ہے، فرائیڈ اُسے محتسب (Censor) کہتا ہے۔ کوئی شخص بھی ہر کام اپنی مرضی کے مطابق نہیں کرتا۔ ہر شخص کسی نہ کسی طرح کسی حد تک مانعیت (inhibition) کا شکار ہے۔ باہر تو ملک کی پولیس نے حد بندی کی ہوتی ہے اور اندر سے خود ہم اپنی حد بندی کرتے ہیں، لیکن یہ محتسب جو ہمارے اندر بیٹھا نگرانی کرتا رہتا ہے اور ہمیں ٹوکتا رہتا ہے، کبھی نہ کبھی سست بھی پڑ جاتا ہے۔

فرائیڈ کا کہنا ہے کہ خوابوں پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے، جب ہم سو جاتے ہیں۔ خواب بیکار، فضول اور پراگندہ ذہن کی پیداوار نہیں ہوتے، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے بلکہ انسان کی زندگی میں ان کا نہایت اہم مقام ہے۔ خوابوں میں دبی ہوئی خواہش تسلی یافتہ خواہش بن جاتی ہے اور لاشعور آزاد ہو جاتا ہے۔ اس انکشاف کے نتائج بڑے دور رس تھے کیونکہ یہ صرف انکشاف ہی نہیں تھا بلکہ نفسیات کے لیے ایک اصول تھا۔ یہ نیا تو نہیں تھا لیکن جس طریقے سے فرائیڈ نے پیش کیا، اس میں ندرت اور انوکھا پن آ گیا۔ خواب کیا ہے؟ فرائیڈ کے مطابق یہ خواہشات کے ساتھ رومان ہے۔ انگریزی میں مقولہ ہے اگر خواہشات گھوڑے ہوتے تو فقیر ان پر چڑھ جاتے (If wishes were horses beggar would ride) خوابوں میں ہماری خواہشات گھوڑے مہیا کر دیتی ہیں جس طرح پریاں اپنی شہزادی کو ناچ گھر یا اپنے شہزادے کے پاس پہنچانے کے لیے چاند گاڑی مہیا کر دیتی ہیں۔ پریوں کی کہانیاں لوک خواب ہوتے ہیں جو کہانیوں کی

صورت میں بیان کی جاتی ہیں۔ پس فرائیڈ کے نزدیک خوابوں اور خواہشات کی سوچ ایک جیسی ہے۔

خوابوں کی اہمیت کے پیش نظر تحلیل نفسی[1] کا نظریہ عالمگیر شہرت پا کر بلکہ مقبول عام ہو گیا۔ فرائیڈ کی کتاب خوابوں کی تعبیر (Interpretation of dreams) بیسویں صدی کی عہد ساز کتاب شمار ہونے لگی اور اس کو نفسیات کے میدان میں وہی اہمیت حاصل ہو گئی جو ڈارون کی کتاب اغاز انواع (Origin of Species)[2] کو حیاتیات کے میدان میں ہے۔ فرائیڈ نے خوابوں کی دنیا کو باثروت بنا دیا۔ اس نے خوابوں کو مطالب و معانی سے بھر دیا اور ان کے محرکات کی نشان دہی کی۔ خواب فضول اور بیکار نہیں ہوتے اور نہ ان کا پلاٹ بے ربط اور واہیات ہوتا ہے۔ سویا ہوا شخص خواب میں خیالوں کی دنیا میں کھو جاتا ہے۔ وہ خود ڈرامہ تشکیل کرتا ہے اور اس میں جو خواہشات جاگتے ہوئے پوری نہیں ہوتیں، اس ڈرامے میں پوری ہو جاتی ہیں۔ اگر اس ڈرامے کے خدوخال کو سمجھ لیا جائے وہ استعاروں اور کنایوں سے بھری ہوتی ہیں۔ انہیں سمجھنے کے لیے بڑی بصیرت کی ضرورت ہے۔

فرائیڈ کے نظریہ میں خامیاں

فرائیڈ کے نظریے میں کئی خامیاں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ فرائیڈ کی رو سے ہر خواب کا ایک ہی نقشہ ہوتا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ ہر خواب دیکھنے والے کی نفسیات جدا جدا ہوتی ہیں اس لیے ان کے خواب بھی منفرد ہونے چاہئیں۔ پیرس (Pierce) کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی شخص جاگتے ہوئے اور خوابوں میں ایک ہی جیسا دکھائی دیتا ہے۔ خود کو کچھ اور سمجھتا ہو تو اس کے خواب جو کچھ وہ باطن میں خود کو سمجھتا ہے، اس کے مطابق ہوں گے۔

اگر فرائیڈ کے تجزیہ خواب کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ فرائیڈ سے بہت پہلے قدیم لوگوں نے یہ کہا تھا کہ بنیادی اور فطری تقاضے جو اخلاق اور معقولیت کے

---

[1] سگمنڈ فرائیڈ تھیوری (نظریہ) جو انسانی دماغ کو دو حصوں شعور اور لاشعور میں تقسیم کرتی ہے۔
[2] مصنف کی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" کا مطالعہ فرمائیے۔

تقاضوں تلے دبے رہتے ہیں، وہ خوابوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یونان کا فلسفی افلاطون (427 تا 347 قبل از مسیح) اپنی شہرہ آفاق کتاب جمہوریہ (Republic) میں لکھتا ہے کہ جو برا انسان زندگی میں کر گزرتا ہے، نیک آدمی صرف اس کا خیال کر سکتا ہے اور اسی کتاب میں وہ ناجائز خوشیوں اور خواہشات کا ذکر کرتے ہوئے، جو ہر انسان کی ذات کا حصہ ہوتی ہیں، کہتا ہے کہ ان خوشیوں اور خواہشات کو عقل نے قابو کیا ہوتا ہے، لیکن کئی اشخاص میں یہ عقل کے تحت نہیں رہتیں اور اپنا زور دکھاتی ہیں۔ افلاطون کہتا ہے یہ خواہشات نیند میں ہوشیار ہو جاتی ہیں اور جب روح کا وہ حصہ جو معقول، تربیت یافتہ اور فطری تقاضوں کو قابو کیے ہوتا ہے، سو جاتا ہے تو وحشی انسان گوشت اور شراب سے بدمست بدلگام ہو جاتا ہے اور نیند کو ایک طرف کر کے اپنے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ افلاطون دبی ہوئی خواہشات، محبت اور خوابوں میں خواہشات کی تشفی جیسے حقائق کو تسلیم کرتا ہے، اس طرح فرائیڈ کا تجزیہ کوئی انوکھا نہیں۔

اگرچہ فرائیڈ کے نظریات کو تفصیل سے بتا دیا گیا ہے مگر قلت گنجائش کے سبب مزید تفصیل میں نہیں جا سکتے، البتہ اس کی تعلیمات کا خلاصہ دیا جاتا ہے۔

خواب لاشعوری غیر تسلی یافتہ خواہشات کا مظہر ہیں۔ خوابوں کی تعبیر سے لاشعور کا دروازہ کھلتا ہے۔ جو خیالات شعوری نہیں ہوتے وہ مخفی ہوتے ہیں یا لاشعور کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے وہ کہتا ہے کہ لاشعوری خیال وہ ہوگا جس کا ادراک ہم نہیں کر رہے ہوتے لیکن جس کا وجود دوسری کئی وجوہات کی بنا پر ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے خواب فضول اور بے فائدہ نہیں ہوتے۔ علت اور معلول کا قانون ہر جگہ لاگو ہے۔ لہٰذا خوابوں میں کوئی تجزیہ بغیر علت کے نہیں ہو سکتا۔ خواب کو کھیل کھلونا نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ رات کو، جب انسان دفتری یا گھر کے کام سے فارغ ہو کر یعنی اس وقت جب کہ محتسب کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے، آتے ہیں۔ خواب کو ایسے چور کی مانند سمجھنا چاہیے جو رات کی تاریکی کا انتظار کرتا ہے اور جو شعور پر رات کے اندھیرے میں ڈاکہ ڈالتا ہے۔ فرائیڈ کا کہنا ہے کہ خوابوں میں وہ سڑک جو لاشعور سے شعور کی طرف جاتی ہیں، محتسب کی مدافعت کے باعث بند ہو جاتی ہے۔ فرائیڈ کی خوابوں کی تعبیر کا ایک عجیب اور اہم پہلو یہ

ہے کہ وہ اکثر خوابوں میں انسان کے جنسی رجحانات کا بھی ذکر کرتا ہے اور یہ رجحانات یا جنسی ہیجانات شیر خواری میں بچے میں جنم لیتے ہیں اور اس کے لاشعور میں چلے جاتے ہیں اور خوابوں میں ہیجانات ہر صورت میں شہوانی ہوتے ہیں۔ مصنف فرائیڈ کے اس نقطہء نظر سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ ہر خواب کی اساس جنسی نہیں ہوتی اور پھر آپ نے انبیاء کرام کے خوابوں کا بھی مطالعہ فرمایا ہے جن کا قرآن حکیم میں ذکر ہے، وہ قطعاً جنسی رجحانات کا نتیجہ نہ تھے بلکہ خوشخبری یا وحی کی صورت میں تھے۔ چنانچہ فرائیڈ مبالغہ آمیزی سے کام لیتا ہے کہ ہر خواب جنسی خواہش کی عکاسی کرتا ہے۔ مزید وہ خوابوں کی تعبیر کا موجد بھی نہیں ہے۔ تعبیر الرویاء قدیم علم ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام اس کے موجد تھے اور دیگر انبیاء کرام بھی۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں حضور نبی کریم ﷺ بھی خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ تاہم فرائیڈ کے خوابوں کے نظریہ نے نئے نظریات کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے (علم الرویا حضرت یوسف علیہ السلام کو بطور ایک معجزہ کے عطا ہوا تھا اگر اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا رواج عام ہوتا، کاغذ دستیاب ہوتا اور چھپائی کا انتظام بھی ہوتا تو حضرت یوسفؑ خوابوں کی تعبیر پر ایسی نایاب کتاب لکھ جاتے جس کی دنیا میں نظیر نہ ملتی)۔

خواب ہماری زندگیوں کا لازمی حصہ ہیں۔ ہم اپنی کل زندگی کے چھ سال خوابوں میں گزار دیتے ہیں۔ ماہر نفسیات ان پر مزید تحقیق کر رہے ہیں، مثلاً موجودہ تحقیق نے یہ بات غلط ثابت کر دی ہے کہ آر ای ایم یا گہری نیند (REM) میں جو جنسی ایستادگی ہوتی ہے وہ کسی جنسی خواب کی وجہ سے نہیں ہوتی جیسا کہ سگمنڈ فرائیڈ ہر خواب کا جنسی فعل یا تحریک سے واسطہ جوڑتا ہے۔ حالیہ تحقیق سے خوابوں کے کئی اور محرکات بھی سامنے آئے ہیں، مثلاً ایک یہ خیال بھی غلط ہے کہ عورتوں کو مردوں کے خواب آتے ہیں اور مردوں کو عورتوں کے جب کہ آدمیوں کے خوابوں میں 65 فی صد کردار مرد ہی ہوتے ہیں۔ کسی کو یقین نہیں کیوں؟ کوئی نہیں بتا سکتا کیوں؟ مزید یہ کہ ہماری نیند کے ماحول میں حسی محرکات (sensory stimuli) کا بھی عمل دخل ہوتا ہے، مثلاً جس کمرے میں ہم سو رہے ہوتے ہیں اس میں خوشبو ہو یا ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز ہو وہ (فوری طور پر) ہماری "خواب کہانی میں" شامل ہو جاتے ہیں اور نہایت عمدہ طریقے سے کہانی میں بنے جاتے

ہیں۔ ایک تجربے میں خواب دیکھنے والوں پر ٹھنڈے پانی کا ہلکا سا چھڑکاؤ کر دیا تو انہوں نے پانی کے متعلق خواب دیکھا، مثلاً کوئی آبشار، چھت کا ٹپکنا یا پھر کوئی آدمی دیکھا جو ان پر چھڑکاؤ کر رہا تھا۔ ان کے مقابلے میں اسی کمرے میں دوسرے لوگ بھی سو رہے تھے جن پر پانی کا ہلکا چھڑکاؤ نہ کیا گیا تھا، ان سب نے اپنے خوابوں میں پانی کا کسی بھی صورت میں ذکر نہ کیا یعنی انہوں نے اپنے خواب میں پانی بالکل نہ دیکھا۔

اگرچہ فرائیڈ نے کہا ہے کہ خواب انسان کی اندرونی کشمکش کو سمجھنے کی ایک چابی ہے۔ اس پر نقطہ چینی بھی ہوئی ہے کہ خوابوں کی تعبیر ایک اندھی یا بند گلی کی طرف جاتی ہے۔ بعض تو اس بات پر مطمئن ہیں کہ خواب خواہ تمثیلی ہی کیوں نہ ہوں، ان کی تعبیر کسی بھی طریقے سے ہو سکتی ہے جیسی کوئی چاہتا ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ خوابوں کی تعبیر میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے مثلاً خواب میں اگر کوئی شخص گن (gun) دیکھتا ہے تو وہ گن ہی ہے۔ فرائیڈ نے خود بھی اس بات کو تسلیم کیا تھا۔ وہ خود بھی سگار (cigar) پیا کرتا تھا اور کہا کہ بعض اوقات سگار محض ایک سگار ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ پہلے اس نے گن کو جنس سے تعبیر کیا تھا۔ تاہم فرائیڈ کا یہ نظریہ کہ ہر خواب جنس کی آئینہ دار ہے یا جنسی خواہش کو ظاہر کرتا ہے، جدید تحقیق کی روشنی میں اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔

خوابوں کی دنیا نے ایک بحث کو جنم دیا ہے لیکن بحث کرنے والے سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ خوابوں کے لیے ہمیں نیند کا آخری مرحلہ چاہئے، جسے آر ای ایم (Radid Eye Movement) کہا گیا ہے اور اس کے بارے میں آپ گذشتہ باب میں تفصیل سے مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اس میں شک و شبہ نہیں کہ بیسویں صدی میں خوابوں پر تحقیق کی بدولت ان کے کئی پہلوؤں پر روشنی پڑی ہے اور بعض حقائق سامنے آئے ہیں مگر جدید تحقیق اور پیش رفت کے باوجود خوابوں کی دنیا کے کئی پہلو اب بھی اتنے ہی پراسرار ہیں جتنے کہ وہ قدیم زمانوں میں تھے جس کے سائنس کے پاس بہت کم جوابات ہیں، لہٰذا خوابوں کے پراسرار پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے ماہرین نفسیات کو مزید تحقیق و تجربات کی ضرورت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نواں باب

جدید سائنسی علوم قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرتے ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو بعثت کے وقت مختلف معجزات سے نوازا تھا۔ ان کا مقصد تھا کہ قدرتِ خداوندی کی یہ نشانیاں دیکھ کر لوگ انبیاء کا مقام جانیں اور ان کی حقانیت کو تسلیم کریں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کی طرف راغب و رجوع کروانا بھی ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کرام کو یہ معجزات عنایت فرمائے، وہ اُس زمانے کے کمالِ فن کے مطابق تھے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام جس قوم میں تشریف لائے وہ جادو کے فن میں کمال رکھتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم دیا گیا تھا جس کے بارے میں آپ تفصیل سے گذشتہ باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں کیونکہ اس قوم میں خوابوں کی تعبیر بتانے کا علم عام تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قوم مجسمہ ساز تھی۔ ایسی مورتیاں بناتی کہ یوں لگتا جیسے کہ یہ ابھی بولنے لگیں گی۔ آپ نے اس قوم کو چٹان سے زندہ اونٹنی نمودار کر کے دکھائی جو دودھ دیتی تھی، اس سے وہ لوگ بے بس ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حکمت کا دور دورہ تھا۔ ان کی قوم حکمت یا بیماریوں کے علاج کرنے میں ماہر تھی، لیکن بعض بیماریاں ایسی تھیں جو لاعلاج تھیں مثلاً جزام کا مرض وغیرہ۔ آپ نے ان امراض کا علاج کر کے اور مُردوں کو زندہ کر کے ان کو بے بس کر دیا۔

جب نبی آخرالزماں، سرورِ کائنات، آقائے نامدار، محسنِ انسانیت، ہادیِ دو جہاں، فخرِ کون و زماں، عظیم المرتبت اور جلیل القدر پیغمبرِ اعظم حضور ﷺ تشریف لائے تو شعر و شاعری کا دور دورہ تھا۔ عرب اپنی فصاحت و بلاغت پر نازاں تھے اور فخر کیا کرتے تھے اور غیر عربیوں کو عجمی یعنی گونگے کہا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی فصاحت و بلاغت

کے کمالِ فن کو شکست دینے کے لیے اپنے محبوب ﷺ کو جو معجزہ عظیم عطا کیا وہ قرآن مجید ہے جسے سن کر عرب کے فصیح شعراء اور خطیب (ان میں سے ایک کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کا نہیں۔ اس وقت بھی قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کی پوری دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ قرآن حکیم حضور ﷺ پر اللہ کی طرف سے وحی کی صورت میں نازل ہوا۔ نزول کا کل عرصہ تقریباً 23 سال کا ہے۔ 13 سال تک جب آپ مکہ میں قیام پذیر رہے اور یہ سلسلہ 611 عیسوی کو شروع ہوا (تب بعثت کے وقت آپ کی عمر 40 برس تھی) اور 10 سال تک ہجرت کے بعد نزول کا یہ سلسلہ آپ کی رحلت (634 عیسوی) تک جاری رہا۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم انسانیت کی بہتری کے لیے ہر زمانے اور ہر قوم میں پیغمبر بھیجے اور رسول خدا ﷺ کے بعد یہ عمل ختم ہو گیا ہے۔

فرماتے ہیں:

؎ شعلہ ہائے او صد ابراہیمؑ سوخت
تا چراغِ یک محمدؐ بر فروخت

پھر فرماتے ہیں:

؎ بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوؐ ست
اگر بہ اوؐ نہ رسیدی تمام بولہبی ست

پھر فرماتے ہیں جب کہ عرب جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے

؎ تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے لیکن معترضین، جن میں سے زیادہ تر عیسائی اور یہودی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور خصوصاً بعض مستشرقین (Orientalists) نہیں مانتے اور نعوذ باللہ حضور ﷺ کی تصنیف کہتے ہیں۔ ان لوگوں میں آج بھی ان کے ہمزاد معترضین موجود ہیں جو حضور ﷺ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ قرآن آپؐ نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ایسے بھونڈے اعتراضات

کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہی ان کا یہ کہنا ہمارے لیے کسی سند کا درجہ رکھتا ہے بلکہ یہ بات قرآن میں بطور ریکارڈ موجود ہے کہ زمانہ جہالت میں کس طرح عرب کے کافرین و ملحدین حضور ﷺ پر الزام تراشی کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل آیات میں یہی بات بتائی گئی ہے۔ ارشاد ہوا:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

ترجمہ: ان لوگوں کو جب ہماری آیات بینات سنائی جاتی ہیں اور حق ان کے سامنے آجاتا ہے تو وہ کافر اسے سحر صریح (کھلا جادو) قرار دیتے ہیں۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ تم نے یہ کلام خود تصنیف کر لیا ہے؟ انہیں کہہ دیجئے کہ اگر میں نے یہ کلام خود بنا لیا ہے تو تم مجھے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکو گے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے جو باتیں تم بنا رہے ہو، میرے اور تمہارے معاملات میں وہی شاہد عادل ہے وہ صاحب غفران اور صاحب رحمت ہے۔ (سورۃ الاحقاف 46، آیت 8،7)

زمانہ جہالت کے عرب ایسا کیوں کہتے تھے؟ وہ درحقیقت نئے دین (اسلام) کی اٹھتی ہوئی لہر کے خلاف اپنے مفادات کی حفاظت نہ کر سکتے تھے اور ان کی سوچ یہ تھی کہ اگر کچھ مسلمانوں میں قرآن کی تصنیف کے بارے میں شک و شبہ پیدا کر دیا جائے (یا ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے) تو ہو سکتا ہے وہ اس کی اتھارٹی پر بھی شک و شبہ کریں۔

قرآن حکیم تمام الہامی مذہبی کتابوں میں ایک لاثانی کتاب ہے اور اس کے دو پہلو ایسے ہیں جنہیں قرآن کے دشمن بھی ماننے پر مجبور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن حکیم اپنی اصلی یا ابتدائی اصلی زبان میں ہے اور اس کی زبان اب بھی زندہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کا سارا متن (Text) قابل اعتبار ہے، یہ غیر تبدیل شدہ ہے اور غیر مرتب شدہ ہے اور کسی بھی لحاظ سے بگڑی حالت میں نہیں ہے، جبکہ اس کے برعکس عیسائیوں کی انجیل کی زبان وہی نہیں جو اصل تھی یعنی موجودہ انجیل اپنی اصلی زبان

دوسری الہامی کتابیں

میں موجود نہیں ہے۔ بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ 1161 عیسوی میں ہوا تھا اور موجودہ بائبل ابتدائی نسخوں کی زبان میں بھی نہیں۔ مزید یہ کتابیں یا نسخے کئی انسانی ہاتھوں کے کام ہیں یا تصانیف ہیں جو کئی نسلوں سے مرتب ہوتے آرہے ہیں، تبدیل ہوئے اور اضافے کیے گئے جو کسی خاص مذہبی گروہ (Sect) کی توضیحات کو فروغ دینے کے لیے کیے گئے تھے، لہٰذا ان کتابوں نے یعنی انجیل (عہد نامہ قدیم یا جدید) نے اپنی اتھارٹی کو کھو دیا ہوا ہے اور یہ جو کبھی الہامی کتاب کہلاتی تھی اب اس کے بارے میں مغربی دانشوروں کی بھی اسی قسم کی رائے ہے اور اپنی کتابوں کو جانچنے اور پرکھنے کا جو پیمانہ انہوں نے استعمال کیا یعنی مغربی دانشوروں نے (اور ایسا انہوں نے دو صدیوں تک کیا) مگر یہ ثابت کرنے میں ناکام ہو گئے کہ قرآن بھی کئی نسلوں سے انسانی ہاتھوں کی تخلیق ہے۔ اگرچہ مسلمان بھی کئی مذہبی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں لیکن جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، یہ کلی طور پر محفوظ، اپنے ابتدائی الفاظ میں اور ویسا ہی ہے جیسا کہ یہ حضور ﷺ کی رحلت کے وقت تھا یعنی جب وحی الٰہی کا سلسلہ اختتام کو پہنچا تو اس وقت سے لے کر آج تک اس کے متن (Text) میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

قرآن حکیم کا چیلنج

قرآن حکیم اپنی کئی آیات میں ان لوگوں کو چیلنج بھی کرتا ہے جو اس میں شک و شبہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک سورۃ ہی بنا دیں جو قرآن کے مساوی ہو اور یہ چیلنج آج اکیسویں صدی میں اسی طرح موجود ہے جس طرح 1400 سال پہلے موجود تھا۔

انسانی دماغ اور ہاتھوں سے تخلیقات یا تخلیق شدہ نگارشات وقت کے دھارے میں بہہ جاتی ہیں، فیل ہو جاتی ہیں یا ماند پڑ جاتی ہیں اور ان کا اثر ختم ہو جاتا ہے، سٹائل آوٹ آف فیشن ہو جاتا ہے یا ان کا مضمون بھی متعلقہ نہیں رہتا۔ وہ اتنی عام ہوتی ہیں کہ ان کا انسانی تجربہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یا ان کا تعلق خاص حالات سے ہوتا ہے اور نتیجتاً ان کی عمومیت (generality) اور موزونیت (applicability) میں کمی آ جاتی ہے۔ پھر ان میں کئی وجوہات کے لحاظ سے اچھے اور برے ارادوں کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ انسانی دماغوں اور انسانی ہاتھوں سے تحریر شدہ کتابوں کی محض محدود قدر و قیمت ہوتی ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ قرآن کے چیلنج کا جواب آج تک نہیں دیا جا سکا[1] اگر تمام نوع انسانی تمام ذرائع استعمال کرتے ہوئے بھی اکٹھی ہو جائے خواہ تمام جنات بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں، یہ فرض کرتے ہوئے کہ وہ سب مل کر اس چیلنج کا جواب دے سکتے ہیں تو کیا وہ قرآن کا کوئی ایک حصہ بھی پیدا کر سکتے ہیں؟ نہیں! بالکل نہیں! قرآن کے اپنے الفاظ میں سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 88 کے ترجمہ کا مطالعہ فرمائیے، ارشاد ہوا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

ترجمہ: کہہ دیجئے اگر مرئی کائنات کی تمام نوع انسانی اور غیر مرئی عالم کے جنات سب مل کر اجتماعی کوشش بروئے کار لائیں کہ اس قرآن مجید کی طرح کا قرآن بنا لائیں، تو وہ ایسا ہرگز نہیں کر پائیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔ یقیناً ہم نے مختلف پیرایہ اظہار اختیار کر کے لوگوں کو قرآن مجید میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں لیکن اکثریت نے ان تعلیمات سے انکار ہی کیا۔

دوسرا ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات (اس بات کے لیے) جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں اور ہم نے لوگوں کو (سمجھانے) کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیے ہوئے نہ رہے۔

قرآن حکیم اس عظیم ہستی کی کتاب ہے جو علیم و بصیر ہے۔ قرآن حکیم خدا کا کلام ہے اور اس کا مبداء خدا کی ذات بابرکات ہے یعنی الہامی ہے[2] جیسا کہ آپ پہلے مطالعہ

---

[1] چنانچہ قرآن کا ماخذ و منبع انسانی ذہن نہیں بلکہ خدائی (Divine) ہے چونکہ انسان کا کام کبھی بھی مکمل (Perfect) نہیں ہوتا اس میں اصلاح کی جا سکتی ہے، اس کی ہمسری (emulate) کی جا سکتی ہے اور انسانی معیار ہمیشہ قابل حصول (Reattainable) ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن ہر لحاظ سے لاثانی ہے، حتمی (Definite) اور ناقابل نقل (Inimitable) ہے۔

فرما چکے ہیں کہ قرآن کا یہ چیلنج ہے کہ جو اسے نہیں مانتے وہ اس کے مساوی کوئی ایک سورت ہی بنا لائیں۔ چند لوگوں نے اس چیلنج کا جواب دینے کی کوشش کی مگر بری طرح فیل ہوئے۔ اس ضمن میں آپ کی خدمت میں دو واقعات کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔

پہلا واقعہ:

قرآن حکیم کے چیلنج کا جواب دینے کی ایک کوشش لبید ابن رابیہ (Labid Ibn Rabiyah) نے کی جو پیغمبر خداﷺ کا ہم عصر تھا اور اس وقت کے سات مشہور شعراء میں سے آخری شاعر تھا۔ وہ اتنا فصیح تھا کہ ایک دفعہ جب اس نے عکاظ (Ukaz) کے مشہور میلے میں اپنی نظم پڑھی تو دوسرے شعرا جو وہاں موجود تھے، لبید کی نظم سن کر اتنے سحر زدہ ہو گئے کہ اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔ قبل از اسلام عرب میں مشہور شاعروں کی بہت عزت و تکریم کی جاتی تھی۔ شاعری کا پیشہ بھی معزز سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی شاعر اپنی نظم خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا کر ان کے ایک سالانہ اجتماع میں آتا تھا تو لوگ اس کی بہت آؤ بھگت اور عزت افزائی کیا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ سارا سال اس نظم کو پڑھتے رہیں۔

قبول اسلام سے قبل شاعر لبید نے قرآن کے جواب میں ایک نظم لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ایک مسلمان (صحابی) نے قرآن کی چند آیات نقل کر کے لبید کی نظم کے ساتھ لٹکا دیں۔ اس کے دوسرے روز لبید نے ان کو پڑھا تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے برملا اعلان کر دیا کہ یہ کلام کسی فوق البشر کے ذہن کی تخلیق نہیں اور بغیر کسی مزید کوشش کے اس نے اسلام قبول کر لیا، لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ وہ عرب کا ایک مشہور شاعر تو تھا ہی مگر قرآن کی ادبی عظمت و فضیلت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے شاعری قطعاً ترک کر دی۔ جب بھی اس سے یہ کہا جاتا کہ اس نے شعر کہنا کیوں چھوڑ دیئے ہیں؟ تو اس کا جواب ہوتا تھا کہ قرآن کے بعد اب میری شاعری میں کیا بات ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ دوم نے اس سے کوئی نظم پڑھنے کو کہا تو اس کا جواب تھا:

"جب خدا نے مجھ سے بہتر تراکیب (compositions)

قرآن حکیم میں دے دی ہیں تو میرا شعر کہنا بے معنی ہے۔"

دوسرا واقعہ:

مندرجہ بالا واقعہ سے بھی عجیب واقعہ ابن المقافہ (Ibn-al-Muqaffa) کا ہے جو 727 عیسوی میں فوت ہوا۔ وہ ایک ایرانی نژاد عظیم دانشور اور لکھاری تھا۔ قرآن کے نہ ماننے والوں نے اس سے کہا کہ وہ قرآن کے بڑھتے ہوئے اثرات کا مقابلہ کرے۔ وہ ایک نہایت غیر معمولی ذہین انسان تھا اور اسے خود پر کلی اعتماد تھا کہ ایک سال کے عرصے میں وہ قرآن کے مقابلہ میں ایک قرآن لکھے گا۔ اس مقصد کے لیے منکرین قرآن نے اس کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کیں تاکہ اس کی توجہ اسی کام پر مرکوز رہے اور وہ ترکیب کی طرف توجہ رکھے۔ چھ ماہ گزر گئے۔ بعض لوگ بڑے متجسس اور سرگرم تھے یہ جاننے کے لیے کہ کتنا کام مکمل ہو چکا ہے، لہٰذا جب وہ ابن المقافہ کو ملنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ہاتھ میں قلم لیے بیٹھے ہوئے تھے اور سادہ کاغذ پر گھور رہے تھے اور اس کے اردگرد بے شمار کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ اس عالم وفاضل اور نہایت فصیح و بلیغ لکھاری نے اپنی سر توڑ کوشش کی کہ وہ قرآن کے مدمقابل ایک کتاب لکھے لیکن بری طرح ناکام ہوا۔ نہایت اضطراب کی حالت میں اس نے اعتراف کیا کہ ان چھ ماہ میں کام کرنے کے باوجود وہ ایک جملہ بھی نہ لکھ سکا تھا۔ وہ قرآن کی عظمت و فضیلت کے مدمقابل کتاب ترتیب نہ دے سکا چنانچہ ناامید ہو کر اس نے یہ کام چھوڑ دیا جو اسے سونپا گیا تھا۔ اس واقعہ کو ایک مستشرق ولاسٹن (Wollaston) نے اپنی کتاب (Muhammad and Doctrines) کے صفحہ 143 پر لکھا ہے۔ اس کے اپنے انگریزی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کیا لکھتے ہیں۔

"Muhammad's boast as to the literary excellence of the Quran was not unfounded"

لیکن قرآن کا یہ چیلنج اب بھی موجود ہے۔ صدیاں بیت گئی ہیں اور کسی نے یہ قبول نہیں کیا کہ وہ قرآن کے "ہم پلہ" کتاب تحریر کرے گا اور آنے والی صدیوں میں بھی بلکہ قیامت تک کوئی بھی قرآن کے مساوی کتاب نہ لکھ سکے گا۔ قرآن کی یہ بے مثل حیثیت بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت کرتی ہے کہ اس کا مبداء و ماخذ خدا تعالیٰ کی

ذات بابرکات ہے (It is of Divine Origin) اگر انسان میں یہ اہلیت ہے اور اس کی سوچ مثبت اور بامقصد ہے تو اس سچائی سے قائل ہونے کے لیے مذکورہ بالا دو مثالیں ہی کافی ہیں اور یہی قرآن کی معجزانہ فطرت تھی کہ عرب کے لوگ جو فصاحت و بلاغت میں اپنی کوئی نظیر نہ رکھتے تھے، غیر عربوں کو گونگے یا عجمی کہتے تھے وہی قرآن کی فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ خوبیوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔)

قارئین کرام! راقم الحروف نے اپنی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" میں مختلف عنوانات کے تحت 266 قرآنی آیات دی ہیں جو درحقیقت قرآن مجید کو "وحی الٰہی" ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور آپ کے زیر مطالعہ موجودہ کتاب "قرآن کے جدید سائنسی انکشافات" میں بھی وہ ساری آیات جو اس میں شامل کی گئی ہیں، قرآن مجید کو "وحی الٰہی" ثابت کرتی ہیں لیکن یہاں ایک الگ باب لکھنے کا مقصد محض یہ ہے کہ اگر کوئی نومسلم یا غیر مسلم آپ سے یہ سوال کرے کہ آج اکیسویں صدی کے اس جدید سائنسی دور میں آپ کے پاس کیا ثبوت ہیں کہ "قرآن مجید" اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس باب میں درج شدہ قرآنی آیات اور ان کی سائنسی تاویلات (یا جدید سائنس کی روشنی میں تاویلات) سوال کرنے والے کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہوں گی خواہ وہ سائنس کا معمولی علم ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے (جیسا کہ دوسرے انبیاء کرام بھی پڑھے لکھے نہ تھے)، آپؐ قرآنی آیات کو نزول کے بعد زبانی یاد کر لیا کرتے تھے اور پھر اپنے کسی ساتھی یا ساتھیوں کو سنا دیا کرتے تھے اور پھر ان کی کتابت کروا لیا کرتے تھے۔ پہلے کی آسمانی کتابیں ابتداً زبانی یادداشتوں، گیتوں اور قصوں کی شکل میں رہیں اور صدیوں بعد قلمبند ہوئیں جبکہ قرآن کریم ابتدائی دور میں ہی لکھ لیا گیا تھا۔ اس کی کتابت و حفاظت کا اہتمام دیکھئے کہ دوشنبہ ربیع الاول ۴ سنہ نبوی کو دوسری وحی نازل ہوئی۔ پنجشنبہ کو خالد بن سعید مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان سے حضور اکرم ﷺ نے کتابت شروع کرائی۔ اس طرح نزول وحی سے چوتھے دن کتابت شروع ہوئی جو نزول قرآن کے اختتام تک برابر جاری رہی۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کا بیان ہے "جب کوئی

آیت نازل ہوتی تھی تو حضور ﷺ مجھ کو بلاتے تھے، میں حاضر ہوتا، آپ ﷺ لکھاتے، لکھا کر پھر سنتے۔ اگر کوئی جز لکھنے سے چھوٹ جاتا تو اس کو درست کراتے۔ جب یہ سب کام پورا ہو جاتا تب اشاعت عام کا حکم دیا جاتا۔" نبی کریم ﷺ نے حفاظت قرآن کے لیے ایک یا دو نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرام کے سپرد کتابت وحی کا کام کیا ہوا تھا تاکہ وقت پر ایک نہ ملے تو دوسرا اس کو انجام دے۔ تاریخ طبری میں چالیس کاتبین وحی کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ الکتانی نے بیالیس کاتبان وحی کا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کو دیگر تمام الہامی کتابوں کے مقابلے میں یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ قرآن مجید کے نزول سے لے کر آج تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن پاک ہر طرح کی تحریف سے پاک کیوں نہ ہو؟ ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک تو خود رب العزت نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحجر 15 کی آیت 9 میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: بے شک ہم نے اس (قرآن مجید) کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی حفاظت، جمع و ترتیب اور کتابت کا سلسلہ نزول کے ساتھ ہی جاری ہو گیا تھا۔

دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم کے بھی واضح اشارے موجود ہیں لیکن جو سائنسی حقائق (scientific facts) موجود ہیں، وہ آج سے گذشتہ 1400 سال سربستہ راز تھے چونکہ اسوقت سائنسی حقائق کا علم نہ تھا اور یہ سائنسی حقائق آج ہم پر منکشف ہو رہے ہیں۔ یہاں ان سائنسی حقائق کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

بیسویں صدی میں سائنس دانوں نے عظیم دریافتیں کی ہیں مثلاً زمین ہی کو لیجئے جس کے بارے میں بہت ساری معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اسی طرح کائنات کے بارے میں بھی لیکن ہمیں قرآن حکیم میں کائنات کی تخلیق، نظام شمسی اور دوسرے سیاروں میں ممکنہ زندگی، ایٹم، بادلوں میں برق کی مقدار، پودوں میں نر اور مادہ، علق سے انسان کی پیدائش، دنیائے حیوانات اور انسانی فنگر پرنٹ وغیرہ کا ذکر ہے جن کو یہاں بیان کیا جائے

گا۔ چنانچہ وہ سائنسی حقائق جو انسان نے گذشتہ صدی میں دریافت کیے، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ذریعے حضور ﷺ کو اُن سے آگاہ کر دیا تھا۔

کائنات کی تخلیق

لوگوں نے ہمیشہ اس بات پر حیرانی کا اظہار کیا ہے کہ یہ دنیا (کائنات) کیسے وجود میں آئی اور کیا اس کا کوئی انجام[1] بھی ہو گا؟ ایسے سوالات صدیوں سے بلکہ جب سے انسان نے ہوش سنبھالا ہے، اس کے ذہن میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ علم کائنات یا ''آسمان کا علم'' (Cosmology) سائنس کی ایک ایسی برانچ ہے جس کا تعلق کائنات کے اصل یا مبداء (origin)، موجودہ ساخت (structure)، ارتقا (evolution) اور اس کے انجام کے متعلق ہے۔ ماہر علم کائنات، کائنات کے بارے میں ایسے کائناتی ماڈلز (cosmological models) پیش کرتے ہیں جن کے ذریعے وہ ایسے سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً یہ کہ کائنات کیسے شروع ہوئی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کون سی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور مستقبل میں اس کے ساتھ کیا ہو گا؟ وغیرہ وغیرہ۔

کائنات کی تخلیق کے جو ماڈلز (models) یا نظریات پیش کیے جاتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- عظیم دھماکے کا نظریہ (Theory of Big Bang) یا ماڈل
2- مستقل حالت کا نظریہ (Theory of Steady State) یا ماڈل
3- ارتعاشی نظریہ (Theory of Oscillation) یا ماڈل

مندرجہ بالا دو نظریات، عظیم دھماکے کا نظریہ اور مستقل حالات کا نظریہ پچھلے 60 سالوں سے سنجیدگی سے زیر غور ہے مگر مشاہداتی شہادتیں عظیم دھماکے کے حق میں ہیں۔

1- عظیم دھماکے کا نظریہ: اس نظریے کے مطابق ہماری کائنات آج سے 15 تا 20

---

[1] اس دلچسپ موضوع پر مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" کا مطالعہ فرمائیے جو جنگ پبلشرز، لاہور نے شائع کی اور فیروز سنز سے بھی دستیاب ہے۔

ارب سال پہلے (بعض مصنفین 13 تا15 ارب سال شمار کرتے ہیں) شدید دھماکے سے پھٹ گئی اسی لیے اس واقعہ کو انگریزی میں بگ بینگ (Big Bang) کہا جاتا ہے۔ اس دھماکہ سے قبل ہماری موجودہ کائنات کا تمام مادہ (matter) اور اشعاع (radiation) ایک ابتدائی آتشی گولے (Primeval Fireball) میں بند تھی[1] جو شدید ترین درجہ حرارت اور کثیف ترین حالت میں تھی، دھماکے کے بعد موجودہ کائنات پھیلی۔ ابتدائی مادہ جو الیکٹرانوں اور پروٹانوں پر مشتمل تھا، تیزی سے پھیلا، قدرے ٹھنڈا ہوا اور کئی لاکھوں سال بعد یہ سیاروں، ستاروں اور کہکشاؤں میں مکثف (condensed) ہو گیا اور اُس وقت سے لے کر آج تک کائنات نے پھیلنا جاری رکھا ہوا ہے اور تمام کہکشائیں ہم سے دور بھاگتی جارہی ہیں۔ ابتدائی کائنات کا تخلیقی مادہ ہائیڈروجن گیس تھی (جو کہ بادل کی صورت میں پیدا ہوئی ہوگی)۔ چنانچہ ان کہکشاؤں میں نئے ستارے اب بھی پیدا ہورہے ہیں اور یہ وہی ہائیڈروجن استعمال کرتے ہیں جو عظیم دھماکہ کے وقت پیدا ہوئی تھی۔ مستقبل میں ابتدائی ہائیڈروجن ستاروں میں استعمال ہو جائے گی تب تمام ستارے اور کہکشائیں اپنی چمک اور درخشندگی کھودیں گے یعنی چمکنا بند ہو جائیں گے اور یہ زمین اور حسین و جمال کائنات تاریکی میں ڈوب جائے گی اور بلیک ہول میں تبدیل ہو جائے گی یعنی اپنے انجام کو پہنچ جائے گی (تفصیلی مطالعہ کے لیے کائنات کا انجام کیا ہوگا مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" کا مطالعہ فرمائیے)۔ تاہم بگ بینگ نے وقت اور خلا کو جنم دیا۔

وہ بنیادی مفروضہ (assumption) جو ہم کائنات (Cosmos) کو سمجھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اسے کائناتی اصول (Cosmological Principle) کہہ لیجئے۔ اس اصول کے تحت کائنات بڑے پیمانے پر کسی بھی جگہ کسی بھی وقت ایک جیسی رہتی ہے اور ایک انسان اپنی مختصر زندگی میں کائنات کے خدوخال میں (جسے وہ دیکھتا رہتا ہے) کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔

ع : سب مسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم

---

[1] زیادہ تر ماہر فلکیات کا دعویٰ ہے کہ کائنات جو کہ ناقابل اعتبار حد تک بہت گرم تھی اور توانائی سے بھرپور تھی تو یہ دھماکہ سے نہیں پھیلی بلکہ ایک چمکار (flash) کی صورت میں باہر کی طرف پھیلنا شروع ہوئی۔

مشاہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ خلا میں ہر سمت میں کہکشاؤں کی تعداد برابر ہے جو بے پناہ رفتار سے ہم سے دور بھاگ رہی ہیں۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ ہماری کہکشاں کائنات کا مرکز ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! اگر آپ کسی دوسری کہکشاں میں چلے جائیں تو آپ ہر سمت میں تقریباً برابر تعداد میں کہکشائیں دیکھیں گے جو آپ سے دور بھاگ رہی ہوں گی۔

کائناتی اصول اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ ہمیں فرض کرنے میں معاون ثابت ہو رہا ہے کہ کائنات کا ایک چھوٹا حصہ (زیر مطالعہ) اُس کائنات کے حصے کے بھی نمائندگی کرتا ہے جو غیر مرئی (Invisible) ہے۔ چنانچہ اس سے ہم ساری کائنات کی توضیح کر سکتے ہیں۔ اب آیئے قرآن حکیم کی طرف کہ وہ کائنات کے بارے میں کیا فرماتا ہے:

ارشاد ہوا:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: کیا کفار یہ نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین باہم تخلیقی وحدت تھے۔ ہم نے انہیں الگ الگ حیثیت دی اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا، تو کیا یہ مانتے نہیں۔

دوسرا ترجمہ: کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین آپس میں باہم ملے ہوئے تھے (یعنی تخلیق کی ایک اکائی کے طور پر) پیشتر اس کے کہ ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا۔ (یہاں سماوات (Heavens) سے مراد پوری کائنات بھی ہے اور یہ لفظ قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے)، کیا وہ پھر بھی یقین نہیں کریں گے؟

(سورۃ الانبیاء 21، آیت 30)

جیسا کہ آپ عظیم دھماکے کے نظریہ میں پڑھ چکے ہیں کہ کائنات شروع میں ہائیڈروجن گیس کا ایک بادل تھی جو کہکشاؤں، ستاروں اور سیاروں میں تقسیم ہو گئی یعنی پہلے باہم ایک اکائی (Unity) کے طور پر ملے ہوئے تھے، بعد میں ان کو الگ الگ کر دیا۔ قرآن حکیم میں دھماکے کا ذکر نہیں ہے مگر "دخاں" یا دھواں کا ذکر ضرور ہے (جس کے بارے میں آپ قرآن اور جدید سائنس میں مطالعہ فرما چکے ہیں سورۃ حم السجدہ 41 آیت 11)۔ لہٰذا یہ نظریہ قرآن کے ارشاد کے بہت ہی قریب ہے۔ مزید جہاں تک آسمان اور زمین

کے باہم ملنے کا تعلق ہے، یہ بات اب دریافت ہوئی ہے کہ جو عناصر زمین میں پائے جاتے ہیں وہی عناصر سورج اور دوسرے ستاروں میں بھی موجود ہیں، مثلاً اس وقت جو عناصر ہماری زمین میں دریافت ہوئے ہیں ان کی تعداد 103 ہے اور ان میں سے 90 سے زائد سورج میں پائے گئے ہیں۔ یہ معلومات سورج کی روشنی کے طیف (Spectrum) سے حاصل ہوئی ہیں (طیف کا ذکر بعد میں آئے گا)۔ سب سے پہلے ہائیڈروجن کی مقدار ہے جو 73.4 فی صد ہے، اس کے بعد ہیلیم 25 فی صد، کاربن 0.3 فی صد، نائٹروجن 0.1 فی صد، آکسیجن 0.8 فی صد، نی اون 0.1 فی صد، میگنیشیم 0.05 فی صد، سیلکان 0.07 فی صد، سلفر یا گندھک 0.04 فی صد اور لوہا 0.2 فی صد ہے۔ یہ وہ عناصر ہیں جو بہت زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سورج میں سوڈیم بھی موجود ہے چنانچہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے اور تمام سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ سورج اور زمین کا مبداء ایک ہی ہے اور یہی بات دوسرے ستاروں اور سیاروں پر بھی صادق آتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہائیڈروجن گیس کے بادل ہی کو "دخان" کہا گیا ہے چونکہ اس وقت عرب کے لوگ گیس (gas) کے لفظ سے واقف نہ تھے اور اس سائنسی حقیقت کا علم 1400 سال پہلے نہ ہو سکا جس کا انکشاف جدید سائنس کے ذریعے اب ہوا ہے۔

2- **مستقل حالت کا نظریہ:** اس نظریہ یا ماڈل کے تحت یہ کائنات نہ تو ارتقا پذیر ہے اور نہ ہی وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے، نہ اس کا کوئی آغاز ہے نہ اختتام۔ کوئی ماضی حال مستقبل نہیں۔ کائنات ہمیشہ سے ایسی ہے اور ایسی رہے گی۔

یہ نظریہ ایک مکمل کائناتی اصول کو اپناتا ہے کہ کائنات بڑے پیمانے پر ہر جگہ اور تمام اوقات میں اور اس کی کثافت (density) ہمیشہ ایک جیسی ہی ہے۔ بہت سارے ماہر فلکیات اس نظریے کو پسند نہیں کرتے چونکہ یہ بنیادی مشاہدات کی نفی کرتا ہے بغیر بتائے کہ ہائیڈروجن کہاں سے پیدا ہو رہی ہے؟ (جو کائنات کو مستقل حالت میں رکھتی ہے) اور ایسی تخلیق فزکس کے بنیادی قانون بقائے توانائی (The law of conservation of energy) کی بھی نفی کرتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایک منفرد نظام میں توانائی نہ تو پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ ہی تباہ کی جاسکتی ہے، البتہ اس کے نظام میں منتقلی ہو سکتی ہے۔

وہ ماہر فلکیات جو اس نظریہ کو پسند کرتے ہیں، وہ اس کی فلسفیانہ اپیل ہو سکتی ہے چونکہ یہ ایسی کائنات کی تشریح و توصیف کرتا ہے جو ہمیشہ سے تھی اور مستقبل میں ہمیشہ ایسی رہے گی۔

اگر ہم اس نظریہ کو اسلام کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو بھی یہ نظریہ رد ہو جاتا ہے۔ چونکہ اسلام یا دوسرے الہامی مذاہب میں بنیادی اور اولین عقیدہ ہی خدا کا تصور ہے اور ساری کائنات کا خالق بھی وہی ہے۔ کائنات کا ایک آغاز ہے اور اس کا اختتام بھی ہونا چاہیے اور قرآن حکیم اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالتا ہے اور آخرت کی دنیا کو ہمیشہ رہنے والی دنیا قرار دیتا ہے، البتہ ایسے سائنس دان جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے مستقل حالت کا نظریہ زیادہ پسندیدہ ہے چونکہ وہ کائنات کے خالق کی نفی کرتے ہیں او یہ نظریہ ان کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

3- ارتعاشی یا جھولنے کا نظریہ: اس نظریہ یا ماڈل کے مطابق کائنات عظیم دھماکے (The Big Bang) سے شروع تو ہوئی پھیلنا شروع بھی ہوئی مگر یہ ہمیشہ پھیلتی نہ جائے گی۔ تجاذبی قوت (Gravity Force) اس کے پھیلاؤ کو روک دے گی۔ اس ماڈل کے مطابق یہ کائنات ہمیشہ باہر کی طرف جھولے کی طرح جھولتی (oscillating) ہے اور پھر ایک طویل مدت کے بعد اندر کی طرف جھولے گی۔ ماضی میں بھی یہ جھولتی تھی اور آیندہ مستقبل میں بھی یہ جھولے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے دو فیز (phase) ہیں: ایک پھیلاؤ (expansion) اور دوسرا سکڑاؤ (contraction)۔ اس وقت ہم اس کے پھیلاؤ کے فیز (حالت) میں ہیں اور یہ گذشتہ 15 تا 20 بلین سالوں سے تھرتھرا (oscillate) رہی ہے، جب سے عظیم دھماکہ ہوا۔ مستقبل میں ہماری پھیلی ہوئی کائنات آہستہ ہو جائے گی اور بالکل ٹھہر جائے گی اور پھر یہ سکڑنا شروع کرے گی۔ جونہی یہ سکڑے گی تو تمام کہکشائیں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری یکے بعد دیگرے اندر کی طرف سکڑتی جائیں گی اور پھر ان کا تمام مادہ بند (packed) ہو جائے گا جس طرح عظیم دھماکے سے پہلے تھا یعنی ایک آگ کا گولہ بن جائے گا تو پھر دوسرا دھماکہ ہوگا اور اسی مادے سے ایک نئی کائنات وجود میں آجائے گی۔ کائنات کے پھیلاؤ اور سکڑاؤ کا یہ

عمل جاری رہے گا اور کائنات ہمیشہ جھولتی رہے گی۔ اس نظریہ کے تحت بھی کائنات کا کوئی انجام نہیں لہٰذا یہ بھی قرآن حکیم کے بعض حقائق سے متصادم ہے، مگر کائنات کی دوبارہ تخلیق قرآن حکیم کے اس ارشاد کے قریب ہے کہ نئی دنیا پیدا ہو گی جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور ایسا قیامت کو ہو گا۔

لیکن متذکرہ بالا تینوں نظریات کے بارے میں یہ حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کون سا نظریہ درست ہے؟ تینوں نظریات غیر یقینی صورت حال سے دو چار ہیں یعنی ان کے تصدیق کرنے میں کہ کون سا نظریہ یقیناً درست ہے، لیکن قرآن حکیم نے واضح طور پر بتا دیا کہ کائنات کی تخلیق کا ابتدائی مادہ دخان (ہائیڈروجن گیس) کا ایک بادل تھا جس سے یہ کائنات وجود میں آئی اور اس کا انجام بھی ہو گا۔ پھر زمین اور آسمان باہم ملے ہوئے تھے بعد میں ان کو الگ الگ کر دیا۔ تخلیق کائنات کے اس نظریے پر تمام ماہرین فلکیات متفق ہیں۔

زندگی کی تخلیق

اس موضوع پر تیسرے باب میں سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ قرآن ہی کے حوالے سے اب آپ سورۃ الانبیاء کی آیت 30 کا آخری حصہ دوبارہ پڑھیے ''ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ کیا وہ پھر بھی یقین نہیں کریں گے؟'' حیاتیاتی تجربات و مشاہدات کی رُو سے پہلے ابتدائی زندگی سمندروں کے پانیوں میں شروع ہوئی (صفحہ 94) اور وہ واحدۃ الخلیہ (Single Cell) مخلوق تھی۔ اس کے بعد پھر زندگی کی اعلیٰ اقسام کا ارتقا ہوا اور آہستہ آہستہ حیوانی زندگی خشکی کی طرف حرکت کر گئی۔ اس نظریہ کو ''نظریہ ارتقا'' کا نام دیا گیا۔ آج کی جدید سائنس حیاتیات میں تحقیق اور پیش رفت کے باوجود انسان کی تخلیق کی تشریح کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن حکیم نے ٹھیک ٹھیک الفاظ میں بتا دیا کہ ارتقاء کی بنیاد کیا ہے؟ اور وہ ہے پانی۔ متذکرہ بالا آیت کو ہم ایک اور زاویے سے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ پانی زندگی کی تمام اقسام کے لیے نہایت ہی ضروری ہے اور زندگی کے کارواں کو رواں دواں رکھنے کے لیے بہت سارے کیمیائی تعاملات (chemical reactions) بھی

پانی ہی کی بدولت واقع ہوتے ہیں، نہ صرف شروع ہوتے ہیں بلکہ جاری بھی رہتے ہیں۔ پانی کے بہت سارے خواص ہیں جو اسے زندگی کی بنیاد بناتے ہیں۔ اس کا نقطہ پگھلاؤ کم اور کھولاو زیادہ ہے اور اس کی حرارت مخصوصہ (specific heat) بھی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ درجہ حرارت کو ایک محدود سلسلہ میں رکھتا ہے یا اس میں رکھنے کا رجحان ہے، خصوصاً اگر ہم سمندروں کے حوالے سے اس سائنسی حقیقت کا جائزہ لیں۔ زمین کی[1] سطح کا تقریباً 3/4 پانی سے ڈھکا ہوا ہے اور پانی اپنے اندر آکسیجن کی ایک خاص مقدار کو حل بھی کر لیتا ہے جس سے سمندری جانوروں کا زندہ رہنا ممکن ہے۔ پانی ہی ایک عام چیز ہے جس کے جمنے سے حجم میں کمی کی بجائے اضافہ ہو جاتا ہے اور اس سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ زندگی کے تمام پروسیس پانی میں جاری رہتے ہیں خواہ وہ منجمد ہی کیوں نہ ہو جائے۔ شدید سردی میں بھی پانی کی بالائی منجمد شدہ سطح ایک طرح کا غیر موصل میٹیریل بن جاتی ہے اور اس جمی ہوئی تہ کے نیچے سمندری جاندار زندہ رہ سکتے ہیں (کرہ ارض پر 72 فی صد پانی ہے۔ حیاتیاتی تجربات کی رُو سے زندگی کے پہلے مادے ''پروٹوپلازم'' میں 80 تا 85 فی صد پانی ہے)۔ پانی کے ان تمام خواص کو قرآن حکیم نے محض ایک سطر میں بیان فرمادیا ہے کہ

''ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔''

کائنات کا ارتقاء

جیسا کہ آپ کائنات کی تخلیق کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ عظیم دھماکے کے بعد کائنات پہلے گیس کا ایک بادل تھی (جو درحقیقت ہائیڈروجن گیس پر مشتمل تھا) جو بہت زیادہ دباؤ اور درجہ حرارت پر تھا، جس سے بذریعہ ادغام یا امتزاج (fusion) تمام عناصر معرض وجود میں آگئے اور ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کی صورت میں الگ الگ ہو گئے۔ قرآن حکیم میں بہت ہی واضح طور پر بتا دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت ہے کہ اگر ہماری زمین چپٹی (flat) ہوتی یا ہموار ہوتی تو یہ 1000 تا 7000 فٹ پانی کے نیچے ہوتی۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: آپؐ فرمادیں کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، یہی ہے سارے جہانوں کا رب اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں چار دنوں میں ان کی خوراکیں مقرر کیں۔ یکساں تمام سوال کرنے والوں کے لیے۔ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ ایک دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا، تم دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے، ان دونوں نے کہا، ہم دونوں خوشی سے حاضر ہیں۔

(سورۃ حٰم السجدہ 41، آیت 9 تا 11)

قرآن حکیم نے گیس (gas) کی نسبت لفظ "دخان" (smoke) استعمال کیا ہے کیونکہ اگر اس کا استعمال کیا جاتا تو 1400 سال پہلے لوگوں کے لیے لفظ گیس کا سمجھنا مشکل ہوتا۔

کائنات کا پھیلاؤ

عظیم دھماکے کے نظریہ میں آپ نے مطالعہ فرمایا کہ دھماکے کے بعد تمام کہکشائیں بے حد رفتار سے ہم سے دُور بھاگ رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کائنات پھیل رہی یا وسعت اختیار کر رہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھ (قدرت) سے بنایا اور بے شک ہم وسیع القدرت ہیں (یعنی ہم ہی خلائی وسعت کی تخلیق کرنے والے ہیں)۔

(سورۃ الذاریات 51، آیت 47)

خلا ہمارے تصور سے بھی وسیع ہے اور یہ بہت زیادہ چھدری (sparse) ہے۔ اس لحاظ سے کائنات کی کثافت بہت ہی کم ہے (مثلاً ایک ایٹم فی مکعب فٹ)۔ اس کائنات میں ستارے اور کہکشائیں ایک دوسرے سے بے پناہ نوری فاصلوں پر موجود ہیں اس لیے پھیلاؤ کے دوران ان کے مابین قطعاً تصادم نہیں ہوتا اور ایک نوری سال $6x10^{12}$ یعنی 6 ٹریلین میل یا 9.46 ٹریلین کلومیٹر (تقریباً 10 ٹریلین کلومیٹر) ہے۔

کائنات پھیل رہی ہے، اس کا سائنسی ثبوت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے آپ اپنے ذہن میں قوسِ قزح کا تصور کیجئے جو عموماً بارش کے بعد خوبصورت سات رنگوں میں آسمان پر نظر آتی ہے۔ سائنس کے طالب علم جانتے ہیں کہ جب روشنی کو کسی منشور (prism) میں سے گزارا جائے تو یہ رنگ دار پٹی بناتی ہے یا رنگ دار طیف (spectrum) خارج ہوتا ہے اور اس طیف کے رنگ کم ہونے والی طول موجوں (wavelengths) کے لحاظ سے سرخ، سنگترہ، زرد، سبز، نیلا، نیل (indigo) اور بنفشی ہیں یعنی تمام روشنی ان سات رنگوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ رنگوں کے اس طیف کے ایک سرے کو سرخ سرا (Red End) اور دوسرے سرے کو نیلا سرا (Blue End) کہتے ہیں۔ نیلے سرے کی طرف چھوٹے طول موج کی لہریں ہوتی ہیں جب کہ سرخ سرے کی طرف لمبے طول موج کی لہریں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی ستارہ ہماری طرف آ رہا ہو تو اس کی روشنی کی لہریں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں جسے بلیو شفٹ (Blue Shift) کہتے ہیں اور اگر کوئی ستارہ ہم سے دور جا رہا ہو یا مخالف سمت میں بھاگ رہا ہو تو اس کی روشنی سے نکلنے والی لہریں لمبی معلوم ہوتی ہیں جسے ریڈ شفٹ کہتے ہیں۔ اسے درحقیقت ڈوپلر شفٹ بھی کہتے ہیں اور یہ کرسچین ڈوپلر (Doppler) نے دریافت کی۔ یہ ایک اثر (effect) ہے جسے اردو میں ڈوپلر اثر کہہ سکتے ہیں، اس کا اطلاق لہروں کی حرکت سے ہے۔ جب لہروں کا منبع (source) اور ایک مشاہدہ کرنے والا ایک دوسرے کی طرف حرکت کر رہے ہوں یا ایک دوسرے سے دور جا رہے ہوں تو لہریں تبدیل ہوتی ہوئی ظاہر ہوتی ہیں یا شفٹ ہوتی ہوئی ظاہر ہوتی ہیں۔ اس "اثر" سے ہم ان لہروں کی رفتار معلوم نہیں کر سکتے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی کہکشاں کا زمین سے فاصلہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے مگر پہلی جنگ عظیم

کے بعد 1929ء میں ایڈون ہبل (Edwin Hubble 1889ء تا 1953ء) ایک امریکی ماہر فلکیات نے ایک قانون وضع کیا جسے قانون ہبل کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے کہکشاؤں کا زمین سے فاصلہ دریافت کیا جاتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ماہر فلکیات نے بہت ساری کہکشاؤں کے طیف (spectra) کا مطالعہ شروع کیا اور بہت جلد انہوں نے معلوم کر لیا کہ طیف کے خطوط طیف (Spectral Lines) طویل یا لمبی طول موج کی طرف شفٹ ہو گئے تھے اور اس ریڈ شفٹ (Red Shift) کا مطلب تھا کہ کہکشائیں ہم سے دور ہو رہی ہیں جسے انگریزی میں ''ری سیڈنگ'' (receding) کہتے ہیں۔ اس قانون کے تحت کوئی کہکشاں جتنی ہم سے دور ہوگی اتنی ہی تیز رفتار سے یہ ہم سے دور ہو رہی ہوگی۔ ہبل نے یہ حساب بھی لگایا کہ اگر کوئی کہکشاں (galaxy) ہم سے ایک ملین نوری سال کے فاصلے پر واقع ہو تو وہ 168 کلو میٹر فی سال کے حساب سے بھاگ رہی ہوگی، اگر دو ملین نوری سال کے فاصلے پر ہوگی تو وہ دوگنی رفتار سے بھاگ رہی ہوگی۔ اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کائنات ہر لحاظ سے پھیل رہی ہے یا اس میں وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ مندرجہ ذیل پانچ کہکشاؤں یا مجمع النجوم پر مشاہدات کیے گئے اور ان کی پیچھے جانے کی رفتار (Velocity of Recession) معلوم کی گئی جو مندرجہ ذیل ہے۔

Red shifts and corresponding velocities of five galaxies.

Cluster Nebula in	Distance in Light Year	Red Shift
1. Virgo	55 million	750 miles/sec.
2. Ursa Major	700 million	9300 miles/sec.
3. Corona Borealis	1 billion	13400 miles/sec
4. Bootes	1.8 billion	24400 miles/sec
5. Hydra	2.8 billion	3800 miles/sec

کائنات میں (چھوٹی بڑی) 100 ارب کہکشائیں ہیں اور یہ تمام ایک دوسری سے دور ہو رہی ہیں جس کے نتیجے میں ہماری کائنات ایک غبارے کی مانند پھیل رہی ہے۔ یہ پھیلاؤ کب تک رہے گا؟ کائنات کا وہ حصہ جسے ہم دیکھ سکتے ہیں، وہ مرئی کائنات (Visible Universe) کہلاتی ہے، یہ مزید 1 تا 3 ارب نوری سال تک پھیلتی جائے گی۔

یہ عظیم دھماکے کے نظریے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ دوسرا ثبوت کائنات میں ہیلیم (Helium) کی بڑی مقدار ہے اور اس نظریے کے مطابق ابتدائی ذرات نے ہیلیم اور ہائیڈروجن گیس بنائی اور ہائیڈروجن کے ہر 12 ایٹموں کے مقابلے میں ایک ایٹم ہیلیم کا تھا۔ 1995ء میں خلائی شٹل کے اوپر ایک دوربین فٹ تھی جس نے بین النجوم (interstellar) گیسوں کی مقدار معلوم کی تھی جس کی دریافت کے مطابق جو اندازہ لگایا وہ ہر 12 ہائیڈروجن ایٹموں کے لیے ایک ایٹم ہیلم کا تھا (1 Helium atom for every twelve Hydogen atoms)۔ تیسرا بڑا ثبوت کائناتی پس منظر اشعاع (Cosmic background radiation) ہے جو عظیم دھماکے کے بعد سے چھوڑی ہوئی ہے اب ٹھنڈی ہو چکی ہے مگر اب بھی خلاؤں میں موجود ہے اور جدید سائنسی آلات نے اس کی نشان دہی کی ہے بلکہ تصاویر بھی بنادی ہیں۔

اب قرآن حکیم کی سورۃ الذاریات کی آیت 47 پر دوبارہ غور فرمایئے:

''اور آسمان کو ہم نے اپنے دست قدرت سے بنایا اور بے شک ہم وسیع القدرت ہیں (یعنی ہم ہی ہیں جو خلا کی وسعت کی تخلیق کرنے والے ہیں)۔

اللہ! اللہ! یہ کتنی بڑی سائنسی حقیقت ہے جس کی صداقت سے قرآن کے دشمن بھی رُوگردانی نہیں کر سکتے۔ کیا محض یہی ایک آیت قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں؟ وہ تمام حقائق جو اوپر بیان کیے گئے ہیں، اس آیت سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

نظام شمسی کی حرکت

ارشاد ربانی ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اور سورج اپنی قرار گاہ پر (اپنے مقررہ راستہ پر) چلتا رہتا ہے۔ یہ اللہ غالب و دانا کا نظام (مقرر کردہ) ہے اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے (پہلی کا باریک سا چاند)۔ نہ سورج کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات (کی مجال) کہ پہلے آسکے دن سے اور سب اپنے (اپنے) دائرہ (مدار) میں گردش کرتے ہیں۔ (سب اپنے اپنے گھیرے میں چل رہے ہیں)۔

(سورۃ یٰسین 36، آیت 38 تا 40)

سورج اپنے سفر پر گامزن ہے اور سال کے 365 دنوں میں اپنی گردش مکمل کر لیتا ہے اور اس کا یہ دور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے مقرر کر رکھا ہے۔ اس آیت میں سائنسی حقائق اسی وقت منکشف ہوئے جب ماہرین فلکیات نے اس حقیقت پر اتفاق کیا کہ تمام سماوی اجسام اپنے اپنے مدار میں حرکت کر رہے ہیں جبکہ 1400 سال پہلے یہ حقیقت کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس آیت سے مداروں (orbits) کا تصور بہت واضح ہو جاتا ہے اور سب سے زیادہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ سورج بھی ایک مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ یہ بالکل حالیہ سائنسی دریافت ہے اور آج یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ نظام شمسی ہماری کہکشاں (The milky way) کے ایک کنارے (edge) پر ہے۔ نظام شمسی کیا ہے؟ نظام شمسی میں 9 سیارے، 63 قمر (حالیہ اعداد و شمار)، 6 بڑے سیارچے (asteroids) جن کا قطر 186 میل (300 کلومیٹر ہے)، چھوٹے سیارچے، دُم دار ستارے (comets) اور شہاب ثاقب ہیں جو سورج (ایک درمیانی جسامت کا ستارہ) کے گرد خلا میں محو گردش ہیں۔ خلائے بسیط میں ان تمام سماوی اجسام کے مابین اَن گنت خاکی ذرات، گرد و غبار اور گیس ہے۔ گرد و غبار دم دار ستاروں سے آتی ہے اور گیس زیادہ تر شمسی آندھی سے آتی ہے جو سورج سے باہر کی طرف چلتی ہے۔ سورج نظام شمسی کا مرکز ہے۔ اس کی طاقتور کشش ثقل تمام سیاروں کو اپنے سے دور نہیں جانے دیتی، لہٰذا سورج کا سارا خاندان مقررہ فاصلوں پر مقررہ مداروں میں سورج کے گرد محو سفر ہے۔ سورج جب خلا میں سفر کرتا ہے تو یہ سیاروں اور دوسرے سماوی اجسام کو جو نظام شمسی میں موجود ہیں، اپنے ساتھ ہی رکھتا ہے

اور اس کی رفتار 20 کلومیٹر (10 میل) فی سیکنڈ ہے جو کہ ایک بندوق کی گولی سے کئی گنا تیز ہے۔ یہ بات آپ کے لیے خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ سورج کی بھی دو گردشیں ہیں۔ ایک محوری گردش اور دوسری مداری (orbital)۔ سورج اپنے تمام خاندان (سیاروں) کے ساتھ ہماری کہکشاں (The Milky Way Galaxy) کے گرد 563000 میل فی گھنٹہ (1250 کلومیٹر فی سیکنڈ) محو گردش ہے اور ہماری کہکشاں کے مرکز کے گرد اپنا دور مکمل کرنے کے لیے اسے 200 ملین سال کی ضرورت ہوگی۔ ہماری کہکشاں بھی خلا میں 1000,000 (دس لاکھ) میل فی گھنٹہ کے حساب سے ہائیڈرا (Hydra) کہکشاں کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمارے نظام شمسی کے علاوہ اور بھی نظام ہائے شمسی (solar systems) ہیں اور ان میں بھی سورجوں کے گرد سیارے محو گردش ہوں گے۔ ان سماوی اجسام کی گردشیں بھی قانون کے مطابق ہیں۔ ایک جرمن ماہر فلکیات جوہنز کیپلر (Johannes Kepler 1571ء تا 1630ء) نے سیاروں کی حرکات کے تین قوانین دریافت کیے تھے۔ اختصار سے کام لیتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سورج، چاند، سیارے، ستارے، کہکشائیں سبھی حرکت میں ہیں اور اپنے اپنے مقررہ راستوں پر ایک مقررہ مدت میں اپنا سفر مکمل کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس آیت میں سورج کے سفر کی مثال دی ہے جو باقی کائنات میں موجود سماوی اجسام کی گردش کی ایک طرح سے نمائندگی کرتا ہے اور یہ بیضوی راستے ہیں جن پر یہ گامزن ہیں، بقول اقبال:

بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب
تارے، انسان، شجر، حجر سب

نزول قرآن کے وقت اس حقیقت کا علم نہ تھا جن کا آج ہمیں علم ہوا ہے کہ کائنات کی ہر چیز سفر میں ہے۔

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود!
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ے فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ے ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی

کائنات میں زندگی

ایک سوال جو بہت زیادہ گرما گرم بحث کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ آیا کائنات کے کسی گوشے میں زندگی ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" مطالعہ فرمائیے۔ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ کم از کم 10 لاکھ سیاروں میں سے ایک پر زندگی ہوگی جہاں کی آب و ہوا اور موسمی حالات ہماری اپنی زمین کی مانند ہوں گے اور پھر اس شرح کے حساب سے کم از کم اتنی وسیع و عریض کائنات میں 100 بلین (ساری کائنات میں) سیارے (Planets) تو ہوں گے۔ جہاں تک ہمارے نظام شمسی کا تعلق ہے تو سوائے زمین کے اور کسی بھی سیارے پر انسان یا انسان جیسی مخلوق نہیں ہے۔ انسان کاربن سے بنا ہوا ہے یعنی اس کی ساخت میں کاربن کا بڑا عمل دخل ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ ان سیاروں پر یا کائنات کے کسی اور سیارے پر دوسری قسم کی زندگی موجود ہو مثلاً سلیکان (Silicon) پر مبنی زندگی، جسے ہم شناخت نہیں کر سکتے۔ سائنسدانوں کو یقین ہے کہ دوسری قسم کی زندگی سلیکان چکر (Cycle) پر مبنی ہو سکتی ہے یا پھر ایسی مخلوق ہو جو گیسوں میں زندہ رہنے کی عادی ہو مثلاً ایسی فضا جو امونیا یا میتھین گیسوں پر مشتمل ہو (انسان ان گیسوں میں زندہ نہیں رہ سکتا)۔ قرآن حکیم بہت واضح الفاظ میں بتا دیتا ہے، ارشاد ہوا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اور اس کی آیات بینات میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے اور وہ تمام مخلوقات جو اس نے آسمانوں اور زمین میں پھیلا رکھی ہے (اسی طرح) وہ اس مخلوق کو جب

چاہے اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔ (سورۃ الشوریٰ 42، آیت 29)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: مرحلہ در مرحلہ سات آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ بھی ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں، عالم ممکنات کی کوئی شے نہیں جو اس خدائے عز و جل کی حمد و تسبیح نہ کرتی ہو البتہ تم تسبیح کو نہیں سمجھ پاتے۔ اللہ تعالیٰ بلاشبہ (تمہاری کوتاہی فکر و عمل کے باوجود) صاحب حلم ہے، وہ صاحب غفران ہے۔

دوسرا ترجمہ: اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہے، کوئی چیز نہیں مگر (ہر شے) پاکیزگی بیان کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بردبار بخشنے والا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17، آیت 44)

پھر ارشاد ہوا:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی وسعتوں میں جس قدر بھی (مرئی و غیر مرئی مخلوقات بستی ہے) سب کی سب اپنی اپنی گردنوں میں اس (رحمانیت عظمیٰ) کی عبدیت کا قلادہ ڈالے اس کے حضور پیش ہو گی۔ (سورۃ مریم 19، آیت 93)

لہٰذا قرآن حکیم نے یہ نشاندہی کر دی ہے کہ دوسرے سیاروں پر زندگی ہو سکتی ہے۔ حالیہ تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ زمین پر زندگی کی بعض اقسام ایسی فضا کی عادی ہو سکتی ہیں جیسی فضا مریخ (Mars) پر پائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم مزید ایک مختلف قسم کی زندگی کے بارے میں بھی بیان کرتا ہے جو آگ پر مبنی ہے یعنی اس کی تخلیق کا مادہ آگ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ

ترجمہ: اور جنات کو شعلہ آتش (آگ کے شعلے) سے پیدا کیا۔

(سورۃ الرحمن 55، آیت 15)

سائنسی نقطہ نگاہ سے یہ یقینی طور پر ممکن ہے، کیونکہ سائنس نے اس سوال کا جواب اب دینا شروع کیا ہے کہ زندگی کیسے معرض وجود میں آئی؟ آنے والے وقتوں میں ہم جان جائیں گے جب یہ دکھانے کے لیے سائنس میں مزید پیش رفت ہوگی کہ اس آیت نے آج سے 1400 سال پہلے کیا کہا تھا۔

جان کے معنی "جن" کے ہیں۔ ایک مخلوق جو انسان کی نگاہ سے پوشیدہ رہتی ہے۔ جن کے معنی ڈھاپنا اور پوشیدہ رکھنا کے ہیں۔ لہٰذا اس مادے سے جو لفظ آتے ہیں سب میں پوشیدگی کے معنی پائے جاتے ہیں چنانچہ "جنین" اس بچہ کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں ہو اور قبر کو بھی کہتے ہیں، جنہ گھنے باغ کو بھی کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ لے۔ جنون اور جنہ اس بیماری کو کہتے ہیں جو عقل کو پوشیدہ کر دے۔ جن کا استعمال کبھی لفظ "انس" کے مقابلہ پر ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد ہر روحانی مخلوق ہے، خواہ وہ فرشتے ہوں یا شیطان ہوں۔ اسی بنا پر تمام فرشتے بھی جن ہیں اور کبھی اس سے مراد فقط روحانی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ وہ مخصوص روحانی مخلوق ہوتی ہے جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اور عرف عام میں "جن" کہلاتی ہے۔ جنات کے بارے میں سائنس بالکل خاموش ہے، چونکہ یہ غیر مرئی (Invisible) مخلوق اور مافوق الفطرت ہے، البتہ راقم الحروف نے اپنی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" میں ان کے بارے میں ممکنہ توضیح پیش کر دی ہوئی ہے۔

ہوا کی مقدار اور بلندی میں تعلق

یہاں ایک ایسی آیت کی مثال دی جاتی ہے جس میں ایک نہایت ہی دلچسپ طریقے سے سائنسی حقیقت بیان کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ

صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو جس کی ہدایت منظور ہوتی ہے تو (اپنی عنایات بے غایت سے) اس کا سینہ (حقائق معرفت) اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے ضلالت کی دربدری مقدر کرنا ہوتی ہے تو اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے، گویا کہ وہ بلندی پر ہانپ ہانپ کر چڑھ رہا ہے۔

دوسرا ترجمہ: پس اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے، اس کا سینہ تنگ بھنچا ہوا (نہایت تنگ) کر دیتا ہے گویا کہ وہ زور سے (بمشکل) آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

(سورۃ الانعام 6، آیت 125)

اس آیت کی آخری سطر پر توجہ فرمائیے۔ سادہ توضیح ظاہر کرتی ہے کہ اگر کسی کو آسمان کی طرف چڑھنا ہو تو اس کی چھاتی بند اور تنگ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آج ہم جانتے ہیں اور یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ جوں جوں ہم بلندی پر جاتے ہیں فضائی دباؤ (pressure) کم ہوتا جاتا ہے اور ہوا کی فراہمی بھی کم ہو جاتی ہے یعنی آکسیجن کم ہو جاتی ہے اور اس میں سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے اور یہی سائنسی حقیقت ہے جو مذکورہ آیت میں دی گئی ہے۔ (اس آیت میں آکسیجن گیس کی بھی پیش گوئی کر دی گئی ہے)۔

ایٹم کی مزید تقسیم

اُنیسویں صدی تک یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ایٹم (جوہر) ہی مادے کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ہے۔ بعد میں اس نظریے کو رد کر دیا گیا اور آج ہم جانتے ہیں کہ ایٹم (atom) کے مزید حصے ہو سکتے ہیں جو اس سے بھی بہت ہی چھوٹے ذرات ہیں، مثلاً اس کے مزید چھوٹے ذرات الیکٹران، پروٹان، نیوٹران، اور میزان وغیرہ ہیں (اس وقت ماہرین طبیعیات نے کل 32 ذرات معلوم کر لیے ہیں، 16 مثبت اور 16 منفی جو ایٹم کے مرکز میں ہوتے ہیں)۔ قرآن حکیم بھی یہی بیان کرتا ہے کہ ایٹم چھوٹے سے چھوٹا ذرہ نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: تمہارے رب ذوالجلال کی نظر سے ذرہ برابر چیز خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں، مخفی نہیں ہے۔ چھوٹی سی چھوٹی چیز اور بڑی سے بڑی چیز کتاب مبین میں محفوظ ہے۔

دوسرا ترجمہ: "تمہارے رب سے غائب ایک ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا، مگر روشن کتاب میں (محفوظ) ہے۔

(سورۃ یونس 10، آیت 61)

"آسمان میں ہو یا زمین میں" سے مراد ساری کائنات ہے۔ ذرہ کے معنی ایٹم (جوہر) کے ہیں "اور نہ اس سے چھوٹا" سے مراد ایٹم کی مزید تقسیم ہے یا تقسیم در تقسیم ہے جیسا کہ آج ہم جانتے ہیں۔ مزید یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ ایٹم اپنے بنیادی خواص کو کائنات کے کسی بھی حصے میں (خواہ سورج میں خواہ زمین میں) برقرار رکھے گا، بقول اقبال

حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے، اگر ذرے کا دل چیریں

بادلوں کے برقی خواص

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ

ترجمہ: اے مخاطب کیا تو دیکھتا نہیں کہ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ (دوش بر ہوا) پارہ ہائے سحاب (بادلوں کے ٹکڑوں کو) رواں کرتا ہے، پھر انہیں باہم پیوست کرتا ہے اور تہ بہ تہ (سحاب مرکوم) بنادیتا ہے جس میں تجھے بارش ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

دوسرا ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے، پھر وہ انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر تو دیکھے ان کے درمیان سے بارش نکلتی ہے۔

(سورۃ النور 24، آیت 43)

"پھر باہم انہیں پیوست کرتا ہے پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے۔" اس جملے کی سائنسی لحاظ سے بہت اہمیت ہے۔ اس حقیقت کا اس وقت تک پتہ نہ چل سکا جب تک کہ بنجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) نے بادلوں کے برقی خواص ثابت نہ کیے۔
اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کچھ بادلوں میں مثبت برق ہوتی ہے اور بعض میں منفی۔ جب ہوا ان دونوں کو اکٹھا کر دیتی ہے تو اس کے نتیجے میں (مثبت اور منفی برق کے ملاپ سے) بجلی کی چمک پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی بارش شروع ہو جاتی ہے اور بادل نیوٹرل (neutral) یا تعدیلی ہو جاتے ہیں۔ یہی حقیقت قرآن حکیم میں مزید ایک جگہ بیان کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور ہم نے (پانی سے) بھری ہوئی ہوائیں بھیجیں۔ پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر وہ ہم نے تمہیں پلایا اور تم اس کے خزانے (جمع) کرنے والے نہیں۔
دوسرا ترجمہ: ہم نے بادلوں کی حامل ہوائیں بھیجیں، پھر ہم نے آسمان سے پانی اُتارا، تمہیں اس سے سیراب کیا (اس ذخیرہ کو جو آبشاروں دریاؤں، نہروں کی صورت میں میسر ہے) جمع کرنے والے تم نہیں ہو۔ (سورۃ الحجر 15، آیت 22)
(اس آیت کریمہ کے دونوں تراجم میں مفسرین نے "لواقح" کے معنی "پانی سے بھری ہوئی" یا "بادلوں سے بھری ہوئی" کیا ہے لیکن "لواقح" سے مراد بار آور (Bearing Pollen) ہوائیں بھی ہے۔ زیرگی یا بار آوری (Pollintion) کا عمل یہ ہے کہ ایک جگہ سے نر پھولوں کا بور مادہ پھولوں کے بور پر لے جانا، لہٰذا اس عمل کو بہت سارے عوامل پورا کرتے ہیں، لیکن پودوں کو بار آور کرنے کا ایک اہم عامل ہوائیں ہیں اور یہ بھی ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت ہے جو اس آیت سے واضح ہے۔ مزید یہ کہ پودوں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں۔

بارش کے دوران مٹی کی ساخت میں تبدیلیاں

مٹی کے بارے میں آپ تیسرے باب میں تفصیل سے مطالعہ فرما چکے ہیں۔
انگریزی زبان میں مٹی کے لیے چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ 1-ارتھ (earth)،2- گراؤنڈ (ground)،3- کلے (clay)، 4- سائیل (soil)۔ زمین کی بالائی سطح کو سائیل کہتے ہیں جو درحقیقت پودوں کی نمو اور افزائش کے لیے نہایت ضروری ہے لیکن تمام اقسام کی مٹی مسام دار ہوتی ہے۔ جب باران رحمت ہوتی ہے تو ان کے سالموں سے ہوا خارج ہو جاتی ہے اور پانی اس کی جگہ لے لیتا ہے یعنی پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے، اگرچہ چکنی مٹی (clay) میں آہستہ آہستہ جذب ہوتا ہے لیکن اگر اس میں ریت ملی ہوئی ہو تو پانی خاصی مقدار میں جذب ہو جاتا ہے۔ بارش سے زمین کے ذرات بھی اُلٹ پلٹ ہو جاتے ہیں۔
قرآن حکیم اس مظہر کو بھی بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾

ترجمہ: اور تم زمین کو بے آب (و گیاہ اور خشک) دیکھتے ہو پھر جب ہم اس پر پانی کی بارش کرتے ہیں، تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور (نشو ونما کی قوت سے) اُبھرتی ہے اور اس میں گوناگوں خوشنما نباتات پیدا کرتی ہے جڑوں میں۔

دوسرا ترجمہ: اور تو زمین کو دیکھتا ہے خشک پڑی ہوئی، پھر جب ہم نے اس پر پانی اُتارا تو وہ ترو تازہ ہوگئی اور ابھر آئی، اور وہ اگا لائی ہر قسم کا جوڑا رونق دار (نباتات کا)۔ (سورۃ الحج 22، آیت 5)

اس آیت کریمہ میں انسان کی توجہ زمین کی حالت کی طرف دلائی جارہی ہے کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ بالکل خشک، بے جان اور مرجھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے بعد مینہ برستا ہے تو وہ ترو تازہ ہو جاتی ہے اور نرم ہو کر پھول جاتی ہے۔ پھر اس کے اندر سے طرح طرح کے میوے، غلے، پھل پھول جوڑوں کی صورت میں نکل پڑتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور یہ

قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی وحی الٰہی ہے۔

پودوں میں مختلف جنس

یہ بالکل معلوم نہ تھا کہ پودوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں یعنی پودوں کی زندگی میں دو مختلف قسم کی جنسیں یا اصناف (sexes) ہوتی ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح حیوانات میں نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ تاہم یہ سائنسی حقیقت قرآن حکیم میں آج سے 1400 سال پہلے بتادی گئی تھی جیسا کہ صفحہ 247 پر سورۃ الحج 22 کی آیت 5 میں بتادیا گیا ہے اور ماہرین نباتات اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے دونوں تراجم کا آپ نے مطالعہ فرمایا ہے اور یہ تراجم دو مستند مفسرین نے کیے ہیں مگر انہوں نے ''زوج'' کا ترجمہ ''ہر قسم یا ''گوناگوں'' نباتات کیا ہے۔ دوسرے ترجمے میں ''جوڑے'' کا لفظ آیا ہے مگر ان مفسرین کے ذہن میں یہ بات نہ آسکی کہ جوڑے سے مراد درحقیقت نر اور مادہ سے ہے، لہٰذا بعض مفسرین نے ''زوج'' کا ترجمہ ''ہر قسم'' یا ''گوناگوں'' کر کے ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت کو نظر انداز کر دیا۔ وجہ یہی تھی کہ وہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے کہ پودوں اور درختوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں، بہرحال یہ ایک ٹھوس سائنسی حقیقت ہے جو گذشتہ صدی میں ثابت ہوئی۔

فطرت کا توازن

دوسرے باب میں ''زمین پر زندگی کا حیرت انگیز توازن'' کے عنوان پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہ باب فطرت میں توازن کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور کوئی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم نہیں اتارتے مگر ایک مناسب انداز سے۔

دوسرا ترجمہ: ہمارے پاس تو ہر چیز کے ذخائر اور خزائن ہیں اور ہم انہیں ضرورت کے مطابق معینہ انداز سے انسان کے لیے نازل کرتے رہتے ہیں۔

(سورۃ الحجر 15، آیت 21)

مزید ارشاد ہوا:

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝

ترجمہ: اور اس کے نزدیک ہر چیز ایک اندازہ سے ہے۔ (سورۃ الرعد 13، آیت 8)

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک مناسب تناسب (proportion) میں ہے۔ یہ بات کائنات کے بنیادی خواص میں رکھ دی گئی ہے کہ کائنات میں عناصر کا ٹھیک تناسب ہو، مثلاً آپ نے پڑھا ہے کہ آکسیجن کی مقدار تبدیل نہیں ہوتی اور یہ ہر حالت میں 20.9 یا 21 فی صد تک رہتی ہے۔ اگر آکسیجن اس سے کم ہوتی تو زندگی کا کارواں رواں دواں نہ رہتا۔ اگر آسمانی بجلی (صاعقہ) مناسب مقدار سے زیادہ ہوتی تو یہ ایک سارے جنگل کو جلا دیتی۔ اسی طرح فطرت میں کاربن اور نائٹروجن کا چکر توازن کی اہم مثالیں ہیں۔ دوسرے باب میں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ ایک اور آیت جس کی تاویل اس کتاب کے صفحہ 50 پر کی گئی ہے، یہ پودوں میں عناصر کا تناسب یا توازن بھی بیان کرتی ہے۔ سورۃ الحجر 15 کی آیت 19 کا ترجمہ دوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔ (عربی متن کے لیے دیکھئے کا صفحہ 50)

ترجمہ: اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیئے اس پر بوجھ (پہاڑ) اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی گئی۔ (سورۃ الحجر 15، آیت 19)

علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

سمندر کی گہرائی میں اندھیرے

اب یہ حقیقت معلوم ہے کہ جونہی ہم سمندر میں 300 فٹ کی گہرائی سے مزید گہرائی میں جاتے ہیں تو پھر وہاں کسی بھی چیز کا دیکھنا ناممکن ہو جاتا ہے چونکہ وہاں پر مستقل تاریکی ہوتی ہے۔ روشنی کی شعاعیں اس گہرائی سے آگے نہیں جا سکتیں۔ پھر سمندر کی اس گہرائی میں روئیں (currents) ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے پیدا شدہ جھالیں

(Billows) بہ نسبت سطح سمندر پر جھالوں کے اکثر زیادہ شدید ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے سمندری آب دوزوں کے یے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ قرآن حکیم یہ حقائق بطور ایک توضیح کے بیان کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَاؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۠

ترجمہ: یا ان منکرینِ حق کی ان تاریکیوں کی سی مثال ہے جو سمندر کی گہرائیوں میں موج در موج اتری ہوئی ہوں۔ (آسمان پر) بادلوں کا گھٹاٹوپ اندھیرا ہو (گویا) تو بر تو اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، کوئی شخص اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ معرفت سے بے نصیب رکھا ہو اس کے لیے روشنی کہاں؟

(سورۃ النور 24، آیت 40)

یعنی (کافروں کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرا سمندر جس میں ایک تو پانی کی گہرائی کا اندھیرا، پھر موجوں کے طوفان کا اندھیرا جو ایک پر ایک چڑھی چلی آتی ہیں پھر اس میں موجوں کے تلاطم کے اندھیرے پر بادل کی تہیں چھائی ہوئی ہیں پھر رات کا وقت۔ غرض اندھیرے پہ اندھیرا ہر طرف سے چھایا ہوا ہے، ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ کوئی شخص اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں کے سامنے لائے تو اسے اندھیرے میں دکھائی نہ دے کہ ہاتھ کہاں ہے؟ غرض اسے کہیں سے روشنی کی ذرا سی بھی جھلک نہیں ملتی۔ سچ ہے روشنی کا منبع تو اللہ عزوجل ہے۔ جو اس کی طرف سے غافل ہو گیا، اس کے پاس روشنی کا کیا کام۔ جب تک آدمی کا دل اللہ پر ایمان نہ لائے اور اللہ اسے روشن نہ کرے اسے روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔

آپ دوبارہ اس آیت کریمہ کے ترجمہ پر نگاہ ڈالیں تو سمندروں کے بارے میں ان چند سطور میں سائنسی معلومات کا خزانہ پنہاں ہے، مگر یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں سمندر کے بارے میں تحقیق بالکل نہ تھی کہ انسان سمندر

کی گہرائیاں دیکھ سکتا جہاں پر اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے مگر اب بحری سائنس یا بحری انجینئرنگ کا مضمون بھی جامعات میں پڑھایا جارہا ہے۔

دُنیائے حیوانات

اٹھارویں صدی عیسوی تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو ذہین ہے، غور وفکر کا عادی ہے اور دوسرے جانداروں کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ صرف اپنی جبلت (Instinct) سے متحرک ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک فرانسیسی فلسفی دے کاخت ((Descartes 1595ء تا 1660ء) نے ایک نظریہ پیش کیا تھا کہ حیوانات ایک پیچیدہ مشین ہیں جن میں دماغی سرگرمی نہیں ہوتی۔ بعد میں ایک برطانوی سائنس دان چارلس ڈاروِن (1809ء تا 1882ء) نے ثابت کیا کہ حیوانات میں بھی سوچنے (فکر کرنے) کی صلاحیت موجود ہے، اگرچہ سوچنے کی یہ اہلیت ایک حیوان کی دوسرے حیوان سے مختلف ہوسکتی ہے۔ یہ حقیقت قرآن حکیم میں واضح طور پر بتادی گئی تھی۔ سورۃ الانعام 6 کی آیت 38 پر غور فرمایئے جو پہلے بھی اس کتاب کے صفحہ 116 پر دی گئی ہے۔ آپ کی سہولت کے لیے اس آیت کو ترجمے کے ساتھ دوبارہ درج کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَٰئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَٰبِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: اور زمین میں کوئی چلنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی پرندہ اپنے دونوں پاؤں سے اڑتا ہے مگر ہر ایک تمہاری طرح امت ہے۔ ہم نے لکھنے میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر اپنے رب کے سامنے سب جمع ہوں گے۔

دوسرا ترجمہ: کرہ ارض پر چلنے پھرنے والا حیوان ہو یا دو پروں پر اڑنے والا طائر تم انسانوں ہی کی طرح گروہ در گروہ ہے۔ ہم نے ان کے دائرہ کار کے تعین میں کوئی کوتاہی نہیں کی ان سب کو بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے۔

اس آیت کریمہ میں "امم امثالکم" کے معنی ہیں تم جیسی اُمتیں، یعنی تمہاری طرح گروہ ہیں۔ ارشاد ہے کہ دنیا میں خشکی اور تری میں چلنے پھرنے والی اور ہوا میں اڑنے

والی سینکڑوں قسم کی مخلوق ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مخلوق ایک جیسی ہی اُمت ہے جیسا انسان ہے۔ ہر ایک کے لیے اس دنیا میں رہنے سہنے کے الگ الگ قاعدے مقرر ہیں اور ہم نے وہ قاعدے مقرر کر کے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ دیئے ہیں اور ان میں سے ایک بات بھی بغیر لکھے نہیں چھوڑی، آخر کار سب اپنے پروردگار کے سامنے اکٹھے ہوں گے۔

اُمت کا انگریزی ترجمہ "کمیونٹی" (community) ظاہر کرتا ہے کہ حیوانات کے مابین بھی سماجی تعلقات موجود ہوتے ہیں اور اس کے لیے جس ذہنی فیکلٹی کی ضرورت ہے، وہ یہ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر چیونٹیاں اور شہد کی مکھیاں ہیں جو حیوانی گروہ کے تصور کی تائید کرتی ہیں۔

علم جنین یا جنینیات

قرآن حکیم میں جنینیات (Embryology) کا بھی ذکر ہے۔ قرآن حکیم نے بار بار ایسے سائنسی حقائق کو بیان کیا ہے، مثلاً قرآن حکیم میں حمل ٹھہرنے (conception)، جنین کی نشوونما (growth of the embryo) اور پیدائش کا بیان ہے۔ اسلام کے مطابق انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی جیسا کہ قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے اور انسانی انواع (human species) کے بڑھانے کا ذکر ہے...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: (ارشاد ہوا کہ) ہم نے بلاشبہ انسان کی تخلیق پانی میں ملی ہوئی مٹی کے جوہر (خلاصہ گل) سے کی ہے۔ پھر ہم نے ایک محفوظ مقام میں اسے نطفہ (آب صافی قطرہ قطرہ کر کے گرنا) بنا کر رکھا پھر اسے خون بستہ کی شکل دی ("خون بستہ" کی بجائے "بارور شدہ بیضہ" کہا جائے تو مناسب ہوگا) پھر اسے علقہ (پارہ لحم، گوشت کی بوٹی) بنادیا پھر اس میں ہڈیاں بنائیں، انہیں گوشت پہنایا۔ ایک نئی صورت میں بنادیا، سو اللہ تعالیٰ بڑا

ہی برکتوں والا اور بہترین تخلیق کار ہے۔ (سورۃ المومنون 23، آیت 12 تا 14)

(انسان کی پیدائش کے یہ سارے مراحل مثلاً باروری کا عمل، رقیق مادہ، بارور شدہ بیضہ کا استقرار، جنین کا ارتقاء میڈیکل سائنس کی جدید ترین تحقیقات اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔ متذکرہ بالا آیت جنین (Embryo) کی نشو و نما کے مراحل اسی طرح بیان کرتی ہے جیسے وہ واقع ہوتے ہیں۔ آخری جملہ "ایک نئی صورت میں بنا دیا" (انسان کو) نہایت اہمیت کا حامل ہے اور آج کے حقائق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابتدائی مراحل میں دودھ دینے والے جانوروں کے جنین شکل و صورت میں ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ مختلف صورتوں میں فروغ پاتے ہیں اور یہ بات قابل بیان ہے کہ یورپ کے ایک معالج نے اسی آیت کو پڑھ کر اسلام قبول کیا تھا۔

بچے کی جنس معلوم کرنا

مندرجہ ذیل آیت پر توجہ فرمایئے:

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٣٩﴾

ترجمہ: کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کو بغیر کسی مقصد کے چھوڑ دیا جائے گا؟ (احتساب روز حشر کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا) کیا وہ مادہ تولید (منی) کا ایک قطرہ نہ تھا جو ٹپکائی گئی اور پھر وہ ایک جونک کی طرح منجمد قطرہ خون بن گیا او پھر خدا نے اسے ایک مناسب تناسب میں بنایا (پورا انسان بنایا اور اعضا ٹھیک کیے) اور اس سے دو جنسیں مرد اور عورت بنائے۔

دوسرا ترجمہ: "کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا ایک نطفہ (قطرہ) نہ تھا (جو رحم مادر میں) ٹپکایا گیا۔ پھر وہ جما ہوا خون ہوا (بارور شدہ بیضہ ہوا) پھر اس نے اسے پیدا کیا، پھر اسے درست (اندام) کیا، پھر اس کی مرد اور عورت دو قسمیں بنائیں۔ (سورۃ القیامہ 75، آیت 36 تا 39)

آیت مذکورہ سے ظاہر ہے کہ آدمی کا مادہ تولید (semen) ہی بچے کی جنس

(sex) کا تعین کرتا ہے اور یہ حقیقت اب سائنسی دنیا کو معلوم ہو چکی ہے، جب سے بچے کی جنس میں کروموسومز (chrmosomes) کی دریافت ہوئی ہے۔ یہ کروموسومز صرف مادہ تولید (semen) میں ہوتا ہے اور یہ واضح ہے کہ قرآن حکیم کے انفرادی الفاظ بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ کروموسومز، ڈی این اے (DNA) پر مشتمل ہوتے ہیں اور بیسوی صدی کے آخر میں جینز (genes) پر تحقیق نے میڈیکل سائنس اور بیالوجی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہ سب پیشرفت آپ "جنیٹک انجینئرنگ" کے تحت چوتھے اور پانچویں باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں۔

سپرم کی شکل و صورت

سپرم (Sperm) کے معنی بھی مادۂ تولید کے ہیں۔ سپرم کی اصلی صورت کا علم نہ تھا جب تک کہ خوردبین ایجاد نہ ہوئی تھی، تاہم قرآن حکیم نے 1400 سال پہلے اسے بیان کر دیا تھا، ارشاد ربانی ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون (بارور شدہ بیضہ) سے بنایا۔

دوسرا ترجمہ: ارشاد ہوا (جبریل) نے حضورؐ سے کہا) پڑھیے اسے پروردگار عالم کے نام سے (جو کائنات ہستی کے) نظام تخلیقات کا مرکز (محور ہے) جس نے انسان کی تخلیق خون بستہ (بارور شدہ بیضہ) سے کی۔ (سورۃ العلق 96، آیت 1 تا 2)

لفظ "علق" کی تشریح پہلے بھی اس کتاب کے صفحہ 97 پر دی گئی ہے۔ "علق" کے معنی عربی میں ایک قسم کا چھوٹا کیڑا ہوتا ہے جس کی صورت سپرم (Sperm) سے ملتی جلتی ہے۔ ہمارے مفسرین کرام "علق" کے معنی جما ہوا خون (clot) بتاتے ہیں، لیکن بعض دانشور اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ جدید حیاتیات کی تحقیق کے مطابق انسانی جنین (Fetus) کا مطالعہ کیا گیا، قرار حمل سے لے کر بچے کی پیدائش تک (ایک نہایت ہی چھوٹے کیمرے سے) مگر وہاں پر کسی قسم کا جمے ہوئے خون کا کوئی قطرہ نہیں ہوتا (بچے

کے ابتدائی نشوونما) کے مراحل میں۔ پرانے وقتوں میں لوگوں نے غلط اندازہ لگایا، چونکہ اس وقت رحم مادر کے اندر کے مطالعے کے لیے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اگر ذریعہ تھا تو وہ کسی وجہ سے جنین (Fetuses) کے اسقاط حمل سے ہوتا تھا اور اس اسقاط کے دوران خون کے کچھ قطرے بھی ہوتے ہیں لہٰذا انگریزی مفسرین نے علق کے معنی جما ہوا خون (blood clot) یا (congealed blood) کر دیا۔ جما ہوا خون تو جنین کی یقینی طور پر موت کا نشان ہے۔ خون کا "clot" اس وقت بنتا ہے جب خون اپنا عمل چھوڑ دے یعنی اس کا مائع حصہ (serum) اس کے ٹھوس مادوں (Corpuscles Platelets, Fibers) وغیرہ سے الگ ہو جائے۔ چنانچہ علق کے معنی لٹکنا، چمٹنا (hanging, adhering, and dangling) بھی ہیں اور یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بارور شدہ بیضہ (Zygote) حمل ٹھہرنے کے فوراً بعد رحم (Uterus) کی دیوار کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے تو پھر یہ علق (Alaq) بن جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم "جما ہوا خون" ترجمہ کریں گے یا انگریزی میں بلڈ کلاٹ (blood clot) لکھیں گے تو ایک سائنسی حقیقت کی نفی کریں گے، جس حقیقت سے ہمیں 1400 سال پہلے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

انسانی انگلیوں کے لاثانی نشانات

یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ ہر فرد کی انگلیوں کے نشان (پیٹرن) مختلف ہوتے ہیں لہٰذا دو آدمیوں کی انگلیوں کے نشانات آپس میں کبھی نہیں ملتے یعنی وہ لاثانی (unigue) ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے، ارشاد ہوا:

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾

ترجمہ: کیا انسان کا یہ گمان ہے کہ ہم (گلی سڑی) ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے ہاں ہم تو اس کے بنانہ (انگلیوں کے پور پور[1]) کو درست حالت میں لانے پر قادر ہیں۔

(سورۃ القیامہ 75، آیت 4،3)

غور فرمائیے یہ آیت مبارکہ انگلیوں کی پوروں (tips) پر زور دے رہی ہے۔

---

[1] پہلے باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی دوبارہ مطالعہ فرمائیے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پور بہت ہی انفرادیت کے حامل ہوتے ہیں۔ درحقیقت پوروں کے اوپر نشانات یا لکیروں کا ایک پیٹرن ہوتا ہے اور ہر انسان کے نشانات کا پیٹرن (ڈیزائن یا نمونہ) انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔ 1400 سال پہلے قرآن حکیم نے اس کا ذکر کر دیا تھا جب کہ آج کی دنیا محض 100 سال سے بھی کم عرصہ پہلے کچھ نہ جانتی تھی، جب 1884ء میں شناخت (identification) کے لیے فنگر پرنٹنگ (انگوٹھا چھاپ) کا طریقہ انگلستان میں شروع ہوا۔ اب بہت سارے ملکوں میں یہ طریقۂ شناخت رائج ہے۔

لیکن اب جنیٹک انجینئرنگ کے تحت جنیٹک فنگر پرنٹنگ (Genetic Finger Printing) نے شناخت کا مزید آسان طریقہ دریافت کر لیا ہے جسے قاتلوں اور جرائم پیشہ لوگوں کی شناخت کے لیے بطور شہادت استعمال کیا جاتا ہے اور مشتبہ حضرات میں سے اصلی مجرم کو آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ جس طرح انگلیوں کے نشانوں کے پیٹرن مختلف ہوتے ہیں اسی طرح دو انسانوں کے کروموسومز (جو DNA پر مشتمل ہوتے ہیں) کے پیٹرن بھی مختلف ہوتے ہیں، لیکن اس میں مجرم کے خون کا نمونہ لینا پڑتا ہے۔ اگرچہ یہ نہایت ہی جدید ٹیکنیک ہے لیکن اس پیشرفت کے باوجود مجرموں کی انگلیوں کے نشانات کے پیٹرن کا موازنہ سادہ اور آسان طریقہ ہے جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”انسان اس بھول میں ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں دوبارہ جوڑ نہ سکیں گے، یہ خیال غلط ہے ہم میں تو انگلیوں کی چھوٹی چھوٹی پوروں تک کو ٹھیک بٹھا دینے کی طاقت ہے۔

پہاڑوں کی جڑیں ہیں

پہاڑوں کی جڑیں (roots) ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ۝ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝

ترجمہ: کیا ہم نے (بساط ارضی کو) گہوارہ عافیت نہیں بنا دیا؟ اور پہاڑوں کو (زمین کی) محکم میخیں نہیں کر دیا؟

دوسرا ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟

(سورۃ النبا 78، آیت 7,6)

علم ارضیات کی رو سے آج یہ ایک مشہور حقیقت ہے کہ پہاڑوں کی ساخت ایسی ہے کہ وہ زمین کی سطح کے نیچے تک پھیلے ہوئے ہیں (وسعت اختیار کیے ہوئے ہیں) اور دوسری ارضیاتی ساختوں میں کافی گہرائی تک ان کی جڑیں ہیں (یا بنیادیں ہیں) اور یہ پہاڑ زمین کی سطح پر ہلکی تشکیل (lighter formations) اور سمندروں کے پیندوں میں بھاری تشکیل کے درمیان مساوی سکونی توازن برقرار رکھتے ہیں، جسے انگریزی میں (Isostatic balance) کہتے ہیں) اور پہاڑوں کی جڑیں میخوں کی مانند ہیں۔ پہاڑ کیسے تشکیل دیے گئے؟ اس کتاب کے پہلے باب میں صفحہ 49 تا 52 پر ملاحظہ فرمائیے۔

چاند کی طرف سفر

قرآن حکیم میں چاند کی طرف سفر کا بھی اشارہ ہے۔ ارشاد ہوا:

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝

ترجمہ: اور چاند کی (قسم) جب وہ ماہ کامل بن جاتا ہے۔ تمہیں لازماً ایک درجے سے دوسرے درجے پر فائز ہونا ہے۔

دوسرا ترجمہ: اور چاند کی (قسم) جب وہ مکمل ہو جائے (بھر جائے) البتہ تم ضرور چڑھو گے درجہ پر ایک درجہ کے (تم کو چڑھنا ہے سیڑھی بہ سیڑھی)

(سورۃ الانشقاق 84، آیت 19,18)

انگریزی میں بھی ترجمہ ملاحظہ فرمالیجئے۔

"By the Moon's fullness, You shell surely travel from stage to stage"

اس آیت کے تین تراجم آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے ہیں۔ ابتدائی مفسرین قرآن نے اس آیت کی مختلف تفسیر فرمائی ہے۔ بعض نے انسان کی روحانی زندگی کی بات کی ہے اور اسے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک بلندی کی طرف مدارج طے کرنا بتایا ہے، بعض نے قیامت کے بعد نیک لوگوں کا ایک جنت سے دوسرے جنت کی طرف جانا، بعض نے اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی اور بعض نے اسے انسان کی دنیا میں مرحلہ وار ترقی یا ارتقاء کے بارے میں لکھا ہے اور بعض نے اس کے معنی

اور مفہوم کو مبہم بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے لفظی معنی ان کی اس سوچ سے مطابقت نہ رکھتے تھے (وہ سوچ یہ ہو سکتی ہے) کہ اتنے فاصلوں تک انسان کا سفر کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ بہرحال میری حقیر دانست کے مطابق اس کے سیاق و سباق میں نہ صرف زمین سے چاند کی طرف سفر، بلکہ زمین سے دوسرے سیاروں یا کہکشاؤں میں جانے کا اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن حکیم کی عظیم پیش گوئیاں

دوسرے بڑے عوامل جو قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرتے ہیں، وہ اس کی عظیم پیش گوئیاں ہیں جو اپنے وقت پر سچ ثابت ہوئیں۔ تاریخ میں بڑے بڑے منجم اور پیش گوئی کرنے والوں نے مستقبل کے بارے میں کئی پیش گوئیاں کیں مگر وقت نے ان کی پیش گوئیوں کو غلط قرار دیا۔ اس کے برعکس کلی طور پر ناموافق حالات کے باوجود اور ناقابل فہم حالات میں قرآن کے الفاظ سچ ثابت ہوئے اور ایسے انداز سے کہ کوئی بھی انسانی سائنس اس کی تشریح و توضیح نہ کر سکی۔ ان واقعات کو انسانی تجربے کی روشنی میں کبھی بھی نہیں سمجھا جا سکتا، خواہ زمانہ قدیم ہو یا جدید اور اگر کوئی توضیح ہو سکتی ہے تو یہی ہے کہ اس کو کسی فوق البشر کی طرف منسوب کیا جائے۔

ایسی پیشین گوئیوں اور انکشافات کی قرآن حکیم میں کئی مثالیں ہیں جن کا آپ نے اس کتاب میں مطالعہ فرمایا۔ قرآن حکیم کے چار بڑے سائنسی انکشافات یا سائنسی پیشین گوئیاں مصنف کی پہلی کتاب "قرآن اور جدید سائنس" کے آٹھویں باب میں دی گئی ہیں۔ یہاں ایک اور اہم پیش گوئی کا ذکر ہو گا، جو مندرجہ ذیل ہے۔

فرعون مصر کی لاش کی حفاظت کی پیش گوئی

قرآن حکیم کی حیرت آفریں پیشن گوئیوں میں سے ایک پیش گوئی فرعونِ مصر منفتاح کی لاش کی حفاظت ہے۔ اس فرعون کو انگریزی میں Merneptah اور اردو یا عربی میں منفتاح (بعض حوالوں کے مطابق منفتاح کو منفتاح دوئم بھی لکھا گیا ہے) جو فرعون

مصر رعمسیس دوئم (Rameses-II) کا بیٹا تھا۔ اسی فرعون نے جو اس وقت مصر کا بادشاہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا اور بحیرۂ احمر (بحیرہ قلزم Red Sea) میں ڈوب مرا تھا (قرآن کے نزول سے پہلے اس واقعہ کا ذکر تورات[1] میں ملتا ہے) اور یہی ایک حوالہ تھا جو اس فرعون کے ڈوبنے کے بارے میں تھا (قرآن حکیم اور تورات کے بیان میں جو نمایاں فرق ہے، وہ یہ ہے کہ تورات (عہد نامہ عتیق) میں فرعون کی لاش کی حفاظت کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ پہلے انگریزی متن کا مطالعہ فرمایئے جو تورات میں موجود ہے۔

For, When the horses of Pharaoh with his chariots and his horsemen went in to the sea, the Lord brought back the waters of the sea upon them but the people of Israel walked on dry ground in the midst of the sea. (Exodus 15, Verse 19)

(ترجمہ: فرعون کے سوار، گھوڑوں اور رتھوں سمیت سمندر میں گئے اور خداوند سمندر کے پانی کو ان پر لوٹا لایا لیکن بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے۔) (خروج 15، آیت 19)

ایک دوسری جگہ بیان ہوا ہے:

The waters returned and covered the chariots and the horsemen and all the host of Pharaoh that had followed them into the sea; not so much as one of them remained. But the people of Israel walked on dry ground through the sea, the waters being a wall to them on their right hand and on their left. (Exodus 14, Verse 28-29)

ترجمہ: اور پانی پلٹ آیا اور اس نے رتھوں، سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا، غرق کر دیا اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا پر بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور پانی ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ دیوار کی طرح رہا۔ (خروج 14، آیت 29،28)

چنانچہ جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں، فرعون اور اس کا سارا لشکر بحیرہ قلزم میں ڈوب گیا اور آگے قصے میں بنی اسرائیل کے سفر کا ذکر شروع ہو جاتا ہے، جنہیں

---

[1] توریت کو تورات بھی لکھا جاتا ہے۔ تورات عربی زبان کا لفظ ہے اور توریت فارسی کا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکال کر لے جا رہے تھے) چنانچہ تورات میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ فرعون کے بدن کی حفاظت کی جائے گی(جب کہ قرآن حکیم نے سورۃ یونس 10 کی آیت 92 میں فرمایا ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴿٩٢﴾

ترجمہ: سو آج ہم تیرے بدن کو بچائے دیتے ہیں تاکہ تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی ہووے اور بے شک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے۔

دوسرا ترجمہ: (آج تجھے اپنی بدعمالیوں کی سزا میں غرق ہونا ہے) لیکن تیرے بدن کو ہم بچائیں گے تاکہ تو آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا باعث ہو۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو ہماری قدرت کی نشانیوں سے غفلت برتتی ہے۔

(سورۃ یونس 10، آیت 92)

(جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ فرعون کی لاش (بدن) محفوظ ہے اور یہ بات 1400 سال گزر جانے کے بعد معلوم ہوئی۔ 1898ء میں پروفیسر لورٹ (Loret) پہلا شخص تھا جس نے فرعون کی باقیات کو حنوط شدہ صورت میں دریافت کیا) یہی فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ تقریباً تین ہزار سال تک فرعون کی لاش تھیبس (Thebes) کے قبرستان کے ایک مقبرے میں چادر میں لپٹی رہی جہاں پروفیسر لورٹ نے اسے دریافت کیا، حتیٰ کہ 8 جولائی 1907ء کو ایلیٹ سمتھ (Elliot Smith) نے اس سے چادر اتاری اور اس کا سائنسی معائنہ کیا۔ 1912ء میں اس نے اپنی ایک کتاب بہ عنوان شاہی حنوط شدہ لاشیں (The Royal Mummies) لکھی اور اس کی تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ لورٹ کی دریافت شدہ ممی درحقیقت اسی فرعون کی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جانتا تھا اور جس نے اس کے پیغام کو جھٹلایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا اور اسی عمل میں بحیرہ احمر میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو گلنے سڑنے سے بچا لیا تاکہ وہ بنی نوع انسان کے لیے ایک نشانی رہ جائے، جیسا کہ سورۃ یونس 19 کی آیت 92 میں

ارشاد ہوتا ہے۔

مصنف کی تحقیق کے مطابق فرعون کے بدن کو سمندر کی لہروں نے ایک ٹیلے پر ڈال دیا ہوگا۔ ٹیلے سے مراد مٹی یا ریت کا کوئی بڑا تودہ یا ڈھیر ہو سکتا ہے یا کوئی چھوٹی پہاڑی لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ اسے ریت کے ٹیلے پر پھینک دیا گیا، جس میں مٹی کے علاوہ نمکیات بھی موجود تھے۔ سمندر کے نزدیک تو نہ صرف کناروں پر ریت میں بھی نمکیات موجود ہوتے ہیں بلکہ ہوا میں بھی نمکیات پانی کے بخارات کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ شاید آپ نے مشاہدہ کیا ہو کہ خام کھالوں کو نمک لگا کر رکھتے ہیں تاکہ وہ خراب نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ان نمکیات نے فرعون کے بدن کو مزید گلنے سڑنے سے روکے رکھا اور چونکہ سمندر میں بھی نمکیات کی خاصی مقدار ہوتی ہے لہٰذا اس کی لاش سمندر کی لہروں نے ٹیلے یا کنارے پر پھینکی ہوگی تو وہ فرعون کے کپڑوں سمیت نمکین پانی میں بھیگی ہوئی ہوگی اور پھر باہر بھی نمکین ریت یا مٹی نے اس کے بدن کو ڈھانپ لیا ہوگا، لہٰذا وہ محفوظ ہوگئی اور بعد میں فرعون کے لوگ اسے لے گئے اور حنوط کر لیا ہوگا۔ یہ محض ایک قیاس آرائی ہے کہ اس عمل سے اس کی لاش محفوظ ہوگئی ہوگی، لیکن یہ عوامل نہ بھی ہوتے تو یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اس کے بدن کو بچا لیا جائے گا۔ وہ لوگ جو اس جدید سائنسی دنیا میں قرآن حکیم کے وحی الٰہی ہونے کا ثبوت مانگتے ہیں، انہیں قاہرہ (مصر) کے عجائب گھر میں جا کر اس فرعون کے بدن کو دیکھنا چاہیے جو عجائب گھر کی شاہی حنوط شدہ لاشوں رائل ممیز روم (Royal Mummies Room) میں موجود ہے اور قرآن حکیم کی پیش گوئی کی صداقت پیش کر رہا ہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں قرآن حکیم نے اس بات کو واضح کیا تھا کہ فرعون کے بدن کو محفوظ کر لیا گیا ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ایک نشانی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں فرعون کے بدن کی دریافت نے اس پیش گوئی کا صحیح اور ٹھوس ثبوت دیا۔ کیا اب بھی کسی مزید ثبوت کی ضرورت ہے کہ قرآن حکیم خدا کی کتاب ہے۔ یقیناً قرآن حکیم ان کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں ہے جو انسانوں کی لکھی ہوئی ہیں۔

سرکش انسان کسی کے سمجھانے بجھانے سے نہیں مانتا۔ درحقیقت اس آیت کریمہ

میں ایک فرعون کا حال بیان ہو رہا ہے لیکن دنیا میں ہر جگہ یہی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ فرعون اور اس کے مددگار دنیا پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو اس کے راستے میں حائل ہوتا ہے اس کے ساتھ لڑائی اور دشمنی ٹھن جاتی ہے جیسا کہ دنیا کی کسی بھی سپر طاقت (طاقتور ملک) کی مثال دی جا سکتی ہے۔ ایسے آدمی کو یا سپر طاقت کو ہوش اُس وقت آتا ہے جب کوئی اور زبردست طاقت اس کو دبا لے اور وہ بے بس ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی گرفت کی اور جب وہ ڈوبنے لگا اور دم نکلنے لگا تو بولا میں مانتا ہوں کہ اللہ ہی سب سے زبردست ہے، بنی اسرائیل ٹھیک تھے اور میں غلطی پر تھا۔ اُس وقت اس سے کہا گیا کہ اگر تو نے اپنے اقتدار کے زمانے میں کچھ بھی صلاحیت کے آثار ظاہر کیے ہوتے تو تجھ پر رحم کیا جاتا، لیکن تو نے نافرمانی پر کمر باندھی اور ظلم و فساد کے سوا دنیا میں کچھ نہ کیا۔ اب تجھ پر رحم کرنا دوسروں کو تنگی میں پھنسانا ہے لیکن چونکہ تو نے منہ سے اطاعت کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس لیے ڈوبنے کے بعد تیرے بدن کو پانی سے نجات دے دی جائے گی اور کنارے پر پھینک دیا جائے گا تاکہ لوگ تجھے بے بس پڑا دیکھ کر سمجھ لیں کہ اللہ عزوجل کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا، اس لیے اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ دنیا میں تیرا بدن بھی ہماری قدرت کی نشانی ہو گی۔)

حاصلِ کلام

مندرجہ بالا تمام سائنسی حقائق کو پڑھ کر جو قرآن حکیم کی آیات میں دیئے گئے ہیں، کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہتی کہ قرآن حکیم وحی الٰہی ہے اور اس کا مبداء اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ اُس زمانے میں جب لوگ سائنس کے لفظ سے بھی نا آشنا تھے، ان سائنسی حقائق کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بدقسمتی سے گذشتہ چودہ صدیوں سے جب سے قرآن حکیم کا نزول ہوا ہے، بعض مسلم دانشوروں نے اس کی آیات کے پوشیدہ معنوں کو سمجھنے کی ضرور کوشش کی لیکن فطرت کے بھیدوں کو سمجھنے کے لیے جو قرآن کی آیات نے کھول دیئے ہیں، مسلمانوں کو انتظار کرنا پڑا۔ ماضی میں مسلم دانشوروں اور مفسرین قرآن نے اپنے اپنے دلائل کے ساتھ ایسی چیزوں کی توضیح کرنے کی کوشش ضرور کی، مثلاً سورج کی مداری گردش، دھویں کے بادل سے کائنات کی تخلیق، پہاڑوں کی

جزوں (بنیادوں) کے بارے میں وغیرہ وغیرہ مگر جو نمایاں پیراگراف تھے ان کو سمجھنے میں ناکام رہے۔ وہ آیات کریمہ جن کا اس باب میں ذکر کیا گیا ہے صرف یہی آیات نہیں ہیں جو سائنسی حقائق کو بیان کرتی ہیں شاید ان سے بھی زیادہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن حکیم میں دوسری آیات ہوں جو کائنات کی ساخت کے بارے میں کوئی نشاندہی کردیں، مثلاً سورۃ النور 24 کی آیت 35 میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کیسا ہے؟

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

یعنی اللہ جل جلالہ، آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی وسعتوں میں کائناتی بصارت اور بصیرت کی غیر فانی روشنیوں کا منبع نور ہے۔ اس حقیقت کا ادراک ہمیں اسی آیت سے ہوا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی آیت کریمہ نظریۂ اضافیت کی تصدیق کردے یا اگر اس میں کوئی بنیادی تضادات ہیں تو ان سے آگاہ کردے۔ ہمیں قرآن حکیم سے، جو علم و حکمت کا خزینہ ہے، استفادہ کرنا چاہئے بجائے اس کے کہ ہم سائنسدانوں کا انتظار کرتے رہیں جو ہمیں یہ بتائیں کہ قرآن حکیم میں فلاں حقیقت پہلے سے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں فرمادیا ہے کہ

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

ترجمہ: ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھادیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ یہ بات کھل جائے (یہ قرآن) برحق ہے۔

(سورۃ حم السجدہ 41، آیت 53)

اسی طرح سورۃ النمل 27 کی آیت 93 میں فرمایا کہ

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: اور (اے رسول اللہ ﷺ) فرمادیجیے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے

وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو انہیں پہچان لو گے اور تیرا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔ (سورۃ النمل 27، آیت 93)

پھر سورۃ الجاثیہ 45 کی آیت 6 میں فرمایا کہ

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ⁹

ترجمہ: یہ اللہ کی باتیں ہیں ہم تجھ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں پھر اللہ اور اس کی باتوں کو چھوڑ کر کون سی باتوں کو مانیں گے۔ (سورۃ الجاثیہ 45، آیت 6)

یعنی (اے محمد ﷺ ہم ان آیتوں میں اپنی قدرت کی نشانیاں تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ٹھیک بتا رہے ہیں جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ لوگ اگر ہماری بات نہیں سنتے اور ہماری نشانیوں کو پوری طرح نہیں مانتے تو پھر اس سے زیادہ اور کوئی سچی اور سیدھی بات ان کے پاس کہاں سے آئے گی جسے یہ مانیں گے۔ یہاں سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کائنات میں ہر بات اور ہر چیز اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ ان آیتوں میں بڑی بڑی نشانیاں گنوا کر اشارہ کیا جا رہا ہے کہ انسان کو ان سب چیزوں سے کس طرح کام لینا اور ان سے اپنا تعلق کس طرح قائم کرنا چاہئے؟ ضروری بات یہ ہے کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ کو پہچانے اور پھر جتنا علم (سائنسی علم) بڑھتا جائے اتنا ہی اللہ پر ایمان بڑھتا جائے۔ عمل کی درستی یہ ہے کہ ہر چیز سے اُسی طرح کام لے جس طرح قرآن مجید میں بتایا گیا ہے اور جس طرح حضرت محمد ﷺ نے اس پر چلنا سکھایا ہے)۔

قارئین کرام! میں نے ساری کتاب میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اپنی ناچیز عقل و دانست کے مطابق بیان کر دی ہیں اور خصوصی طور پر اس باب میں بھی جو سب قرآن حکیم کی صداقت کلیً کو بیان کرتی ہیں۔ یقیناً یہ نشانیاں قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرتی ہیں۔ آخر وہ کون سی ایسی نشانیاں ہیں جو منکرین خدا اور منکرین قرآن دیکھ کر مان جائیں گے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برحق ہے لیکن جن لوگوں نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ حقائق پر آنکھیں بند رکھیں گے تو ایسی آنکھوں کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

؎ روشنی تو روشنیٔ چشم کا ایک عکس ہے
بند آنکھوں پہ نمودِ سحر کا امکان کہاں؟

قرآن حکیم کا پیغام اگر صحیح معنوں میں کسی کے دل میں اتر جائے تو اس کی زندگی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اس باب میں جتنی آیات قرآنی دی گئی ہیں، وہ ایک صاحب بصیرت کو مسلمان کرنے کے لیے کافی ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس کتاب میں دی گئی تمام قرآنی آیات میں سے ہر ایک آیت قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾

ترجمہ: اور آسمان میں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں، وہ ان پر گزرتے ہیں لیکن وہ ان سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

دوسرا ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین (کائنات میں) میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ منہ موڑ کر گزر جاتے ہیں (ان کی حقیقت اور صنعت اور ان کے صانع کی طرف توجہ نہیں دیتے)۔ (سورۃ یوسف 12، آیت 105)

اس باب میں قرآن حکیم کے جتنے جدید سائنسی انکشافات و دلائل پیش کیے گئے ہیں، کیا یہ قرآن حکیم کے وحی الٰہی ہونے کے معجزانہ اور حیرت انگیز انکشافات و دلائل نہیں ہیں؟ کسی مذہب کے الہامی ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ سائنسی علوم سے ناواقف ایک "اُمی" کا پیش کیا ہوا قرآن خدا کا کلام ہے جو کہ حضور ﷺ کا معجزہ برحق ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دسواں باب

حیات بعد از موت

(کیا موت کے بعد زندگی ہے؟)

حیات یا زندگی بعد از موت (life after death) ہے یا نہیں؟ موت کی دوسری طرف کوئی اور زندگی ہے؟ تو کیسی ہے؟ یہ ایسا سوال ہے جو صدیوں سے انسانی ذہن میں پیدا ہو رہا ہے مگر اس سوال کا جواب مابعد الطبیعات یا الٰہیات کے ضمرہ میں آتا ہے جسے انگریزی میں میٹافزکس (Metaphysics)[1] کہا جاتا ہے۔ مسلم دانشوروں کے علاوہ دیگر مذاہب کے دانشوروں نے بھی عقلی ثبوت کے حوالے سے جواب دینے کی کوشش کی بلکہ اب بھی اظہار خیال کرتے رہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال آج کے جدید سائنسی علوم کی رسائی سے بہت دور ہے۔ آخر کیوں؟ ہمارے پاس وہ آنکھیں نہیں جو موت کی سرحد کے اس پار جھانک کر دیکھ لیں کہ وہاں کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ ہمارے پاس وہ کان نہیں جس سے ہم اُدھر کی کوئی آواز سن سکیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ بھی نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا آلہ ایجاد ہونے کی توقع ہے، جس کے ذریعے غائب کی باتیں معلوم کر سکیں یا جس سے یہ معلوم کیا جا سکے کہ اُدھر کچھ ہے یا نہیں؟ یعنی ہم کسی بھی سائنسی تحقیق سے اس دنیا کی کھوج نہیں لگا سکتے۔ چنانچہ جدید سائنس کے دائرے سے تو یہ سوال حتمی طور پر خارج ہی سمجھنا چاہئے مگر سائنس کا نام لے کر اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں تو وہ بالکل ایک غیر سائنٹیفک بات کہتا ہے۔ سائنس کی رو سے نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی زندگی ہے اور نہ یہ کہ کوئی زندگی نہیں ہے، جب تک ہم کوئی یقینی

---

[1] Metaphysics میں Meta کے اردو میں معنی ماورا، مابعد کے ہیں اور فزکس (Physics) کے معنی ایک ایسا علم جس کا تعلق مادہ اور توانائی کے خواص سے ہے مگر یہاں Physics کے معنی طبیعی اشیاء کے ہیں۔ چنانچہ انگریزی میں اس لفظ کی تشریح یوں ہے۔

"Branch of philosophy dealing in the facts lying beyond physical things"

ذریعہ علم نہیں پا لیتے۔ کم از کم اس وقت تک تو صحیح سائنٹیفک رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم زندگی بعد از موت کا نہ انکار کریں نہ اقرار۔ اسلام کے علاوہ دنیا کے دوسرے الہامی مذاہب کے پیروکاروں، عیسائیوں اور یہودیوں نے بھی اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی اور کرتے رہتے ہیں مگر وہ بھی سوائے عقلی یا استدلالی ثبوت کے کوئی ٹھوس سائنسی ثبوت پیش نہیں کر سکے۔ صدیاں گزر گئی ہیں اور گزر جائیں گی، سائنس کا ڈھائی ہزار سالہ سفر ابھی جاری ہے مگر سائنس کئی ایسے ہی سوالات کا جواب دینے سے مجبور و قاصر ہے، لہٰذا زندگی بعد از موت کے سوال کا بھی جواب نہیں دے سکے گی۔

عقیدہ حیات بعد از موت کے متعلق مسلم دانشوروں کا کہنا ہے کہ زندگی بعد از موت کا سوال محض ایک فلسفیانہ سوال نہیں ہے، بلکہ ہماری عملی زندگی سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ ایک مسلم دانشور لکھتا ہے:

"دراصل ہمارے اخلاقی رویے کا انحصار ہی اس سوال پر ہے۔ اگر میرا یہ خیال ہو کہ زندگی جو کچھ ہے بس یہی دنیوی زندگی ہے اور اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے تو میرا اخلاقی رویہ ایک طرح کا ہوگا اور اگر میں یہ خیال رکھتا ہوں کہ اس کے بعد دوسری زندگی بھی ہے جس میں مجھے اپنی موجودہ زندگی کا حساب دینا ہوگا اور وہاں پر اچھا یا برا انجام یہاں کے اعمال پر منحصر ہوگا تو یقیناً میرا اخلاقی طرز عمل بالکل ایک دوسری طرح کا ہوگا۔"

وہ اپنے اس بیان کے حق میں یا زندگی بعد از موت کے حق میں بڑے ٹھوس عقلی ثبوت دیتے ہیں مگر کافی دلائل دینے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلے کا حل ایمان بالغیب سے ہے۔ یہی دانشور مزید لکھتے ہیں اگر ہمارے موجودہ نظام عالم کا وجود قوانین قدرت کے ساتھ موجود ہونا ممکن ہے تو آخر ایک دوسرے نظام عالم کا دوسرے قوانین کے ساتھ وجود میں آنا کیوں ناممکن ہو؟ البتہ یہ بات کہ واقعی ایسا ضرور ہوگا، تو اس کا یقین نہ دلیل سے ہو سکتا ہے اور نہ علمی ثبوت سے، اس کے لیے ایمان بالغیب کی ضرورت ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے، چونکہ قرآن حکیم میں قیامت کا ذکر تقریباً 151 دفعہ، نفخ صور 4 دفعہ، کائنات میں تبدیلیاں 44 دفعہ اور اجرام سماوی میں انقلاب 38 دفعہ آیا ہے اور مردوں

کو دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر بھی کئی آیات قرآنی میں موجود ہے۔ اگر ہمارا ایمان قرآن حکیم پر پختہ ہے تو پھر روز جزاو سزا اور آخرت کی لافانی زندگی پر بھی ہمارا ایمان پختہ ہونا چاہئے لیکن اس سائنسی دور میں ہماری نوجوان نسل کے ذہن میں مذہب کے بارے میں اور ایسے ہی کئی دوسرے سوالات کا پیدا ہونا ممکن ہے اور معقول جواب نہ ملنے کی صورت میں ان کے ذہنوں میں شک و شبہات کا جاگزیں ہونا بھی ممکنات میں سے ہے۔

قارئین کرام! ہو سکتا ہے کہ میں بھی آپ کو مطمئن نہ کر سکوں چونکہ زندگی بعد از موت کا مسئلہ اس وقت تک تو حل نہیں ہو سکتا جب تک کوئی مرنے کے بعد آکر ہمیں نہ بتائے، لیکن ایسا ہونا میری حقیر دانست کے مطابق تو ناممکن ہے۔ تاہم چونکہ بعض قارئین کرام نے مجھے اس مسئلے پر اظہار خیال کے لیے لکھا ہے اس لیے میں اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق بعض حقائق آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں، شاید یہ آپ کے اس مسئلہ کے حل میں مددگار ثابت ہوں۔ اس مسئلے کے حل کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کے جواب ضروری ہیں، مثلاً۔

1- انسان پر موت کیوں آتی ہے؟ یا انسان فانی کیوں ہے؟
2- دنیا یا کائنات پر موت کیوں آئے گی؟ یا کائنات کا انجام کیا ہو گا؟
3- قریب المرگ انسان کے کیا تجربات ہیں؟ یا کیا مشاہدات ہیں؟
4- قریب المرگ انسان کے تجربات سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟

زندگی بعد از موت سے کیا مراد ہے؟

مذہب کا اہم ترین عقیدہ زندگی بعد از موت کی حقیقت ہے۔ موت کے بعد نوع انسانی موجودہ عارضی دنیا کو چھوڑ دے گی اور قیامت کا دن، جو کہ انصاف کا (یعنی اچھے یا برے اعمال کے حساب کا) دن ہو گا موجودہ زندگی محض امتحان گاہ ہے اور انسان کی ساری زندگی امتحان ہے۔ جب یوم حساب آئے گا، اللہ تعالیٰ اس دنیا کو تباہ کر دے گا یعنی ختم کر دے گا۔

آئندہ زندگی کے بارے میں بھی علامہ اقبال فرماتے ہیں:

؎ ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی
(ضربِ کلیم)

آمدم بر سر مطلب جب یہ دنیا تباہ ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس دنیا کی جگہ دوسری دنیا پیدا کر دے گا جو بالکل مختلف پیٹرن پر تخلیق ہوگی۔ وہ تمام انسان جو مر گئے ہوں گے، ان سب کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے۔ یہ بات سورۃ الانعام 6 آیت 38 میں واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوا:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى الْأَرْضِ وَلَا طَٰٓئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِى الْكِتَٰبِ مِن شَىْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: اور زمین میں کوئی چلنے والا (حیوان) نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر (ان کی بھی جماعتیں ہیں) تمہاری طرح۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، پھر اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے (ان سب کو بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے)۔

ارشاد ہوا:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَٰوَٰتُ ۖ وَبَرَزُوا۟ لِلَّهِ الْوَٰحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾

ترجمہ: جس دن اس زمین سے بدل دی جائے گی اور زمین اور (بدلے جائیں گے) آسمان اور وہ سب اللہ یکتا سخت قہر والے کے آگے نکل کھڑے ہوں گے۔

دوسرا ترجمہ: اس روز یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بدلے جائیں گے اور سب کی سب مخلوق اس قہرمانی قوتوں کے مالک یکتا و یگانہ ذاتِ الٰہی کے حضور پیش ہوگی۔ (سورۃ ابراہیم 14، آیت 48)

ارشاد ہوا:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

(سورۃ ابراہیم 14، آیت 51)

کائنات میں کیا تبدیلیاں ہوں گی؟ اس کے بارے میں قرآن حکیم میں 44 تا 47 آیات ہیں جن سب کا ذکر نہیں کیا جا سکتا، صرف چار آیات کا ذکر کریں گے۔ ارشاد ہوا:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور زمین اور پہاڑوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی بار پاش پاش کر دیا جائے گا، پس اس روز قیامت برپا ہو گی۔

دوسرا ترجمہ: اور زمین اور پہاڑوں کو اوپر اٹھا کر ایک ہی بار پٹخ دیا جائے گا (ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا)۔ پس اس روز قیامت برپا ہو گی (اس دن وہ ہونے والی ہو پڑے گی)۔

(سورۃ الحاقہ 69، آیت 14)

ارشاد ہوا:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ

ترجمہ: یہ وہ دن ہو گا جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے کہ جیسے خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔

دوسرا ترجمہ: ہم آسمان لپیٹ لیں گے جیسے تحریر کے کاغذ کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔

(سورۃ الانبیاء 21، آیت 104)

ارشاد ہوا:

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ ؕ

ترجمہ: کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ وہ (روز محشر) اٹھائے جائیں گے۔ ایک بڑے سخت دن میں جس روز تمام انسان (اٹھیں گے) اور جہانوں کے پروردگار کے حضور پیش

ہوں گے۔

دوسرا ترجمہ: کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جانے والے ہیں ایک بڑے دن جس دن لوگ کھڑے ہوں گے تمام جہانوں کے رب کے سامنے۔

(سورۃ المطففین 83، آیت 6،5،4)

جو بات خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ کہ تمام لوگ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے تاکہ ان کا حساب ہو جائے۔ کچھ کو جزا اور کچھ کو سزا ملے گی (یعنی زمین پر اپنے اچھے یا برے کاموں کے بارے میں جزا یا سزا دی جائے گی)۔

انسان اور کائنات کی موت

اب تک جو بھی علم کسی بھی ذرائع سے ہمارے پاس جمع ہو چکا ہے۔اس مسئلے پر قطعاً بلکہ ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں ہے کہ انسان اور موجودہ کائنات دائمی نہیں۔ ہم سب بغیر کسی شک وشبے کے جانتے ہیں کہ انسان اور کائنات اپنی موت سے نہیں بچ سکتے اور قرآن حکیم کا بھی دونوں کے بارے میں یہی اٹل فیصلہ ہے۔ دنیا (کائنات) کے بارے میں آپ نے متذکرہ بالا آیات کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں دنیا کے انجام کے بارے میں بے شمار آیات میں ذکر آیا ہے، لیکن جو لوگ زندگی بعد از موت پر یقین نہیں رکھتے، وہ چاہتے ہیں کہ یہی دنیا جنت میں تبدیل کر دی جائے اور یہی زندگی مستقل اور دائمی ہو جائے جو کہ ناممکن ہے۔ اگرچہ انسان کی موت کی وجوہات جاننے کے لیے تحقیق و جستجو جاری ہے اور شاید جاری رہے گی لیکن اب تک انسان کو لافانی بنانے کی تمام کوششیں (کاوشیں) ناکامی سے دوچار ہوئی ہیں۔

موت کیوں واقع ہوتی ہے؟

موت کے واقع ہونے کی بے شمار وجوہات میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

1- انسانی جسم میں نامیاتی بوسیدگی (Organic decay)

2- جسم کے اجزائے ترکیبی میں سخت تھکاوٹ

(Exhaustion of body constituents)

3- شریانوں یا بدن میں خون لے جانے والی نالیوں کا ناکارہ پن (تنگی وغیرہ)
(Atrophying of veins)

4- محرک ایلبومن (انڈے کی سفیدی کی طرح کا مادہ) کا کم محرک ایلبومن کی جگہ لے لینا
(Replacement of dynamic albumin by less dynamic ones.)

5- جسمانی ریشوں میں توڑ پھوڑ یا تھکاوٹ (The wearing out of the tissues)

6- آنتوں (انتڑیوں) میں بیکٹیریا سے زہریاز ہریلے مادوں کا اخراج جو سارے جسم میں پھیل جاتا ہے۔
(Secretion of poison by intestinal bacteria)

اب تھوڑی دیر کے لیے موت کے اسباب کو بھول جایئے اور زندگی پر نگاہ ڈالیے۔ ہماری زندگی میں فطرت بھی ہمارے اندر کی توڑ پھوڑ کا علاج کرتی رہتی ہے یعنی جسم کی مسلسل مرمت بھی ہوتی رہتی ہے، مگر کیسے؟

وہ یوں کہ جسم کے پرانے خلیے (cells) ختم ہوتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں اور ماسوائے اعصابی خلیوں (nerve cells) کے سارے جسم کے خلیے تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر اعصابی خلیوں میں باقاعدگی سے اور دھیرے دھیرے انحطاط شروع رہتا ہے۔ یہ اعصابی خلیے انسانی دماغ میں اور سارے اعصابی نظام میں تبدیل نہیں ہوتے۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ انسانی جسم میں خون 4 ماہ میں کلی طور پر بدل جاتا ہے یعنی خون کے پرانے خلیے نئے خلیوں سے بدل جاتے ہیں اور چند سالوں کے دوران، اعصابی خلیوں کے علاوہ انسانی جسم کے تمام خلیے بدل جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کا جسم بجائے ایک محض گوشت اور ہڈیوں کی ساخت کے ایک بہتے ہوئے دریا کی مانند ہے جس میں پانی تو ہر وقت بہتا دکھائی دیتا ہے مگر کسی بھی لمحے وہ پانی نہیں ہوتا بلکہ اس کی جگہ دوسرا پانی لے لیتا ہے۔ بظاہر انسانی جسم دریا کے پانی کی طرح ایک ہی دکھائی دیتا ہے مگر وہ ہر وقت تبدیلی کے ایک پروسس میں رہتا ہے۔ اگر اس تصور کو مدنظر رکھا جائے تو پھر بڑھاپے بلکہ موت کا تصور ختم ہو جانا چاہیئے مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کا جسم ہی اس کا علاج بھی کرتا رہتا ہے اور اس میں پیدا شدہ نقائص کو بھی دور کرتا رہتا ہے۔ آدمی بیمار ہو جائے، سخت زخمی ہو جائے، شریانوں میں تنگی ہو جائے، پٹھوں میں انحطاط کا عمل شروع ہو جائے، دل کی بیماری لاحق ہو جائے یا اور کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو جائے اور ان سب کا

علاج بھی بڑے قابل ڈاکٹر سے کروالیا جائے اور کسی مشہور ہسپتال میں علاج ہو، اس کے باوجود (ان تمام علل و اسباب کے باوجود) انسان بوڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور آخر کار موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ وہی جسم جو اس کی مشین کی مرمت کرتا رہتا ہے، اس کے اندر سے ہی یعنی اپنے جسم کے اندر کسی پروسس سے دھیرے دھیرے نقصان پہنچنا شروع ہو جاتا ہے اور آخر میں انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موت کے مذکورہ بالا اسباب، بیماریاں، آنتوں یا معدہ میں خرابیاں یا دل کی بیماری وغیرہ ہی انسان کی موت کے ذمہ دار نہیں بلکہ کوئی دوسری وجہ ہو سکتی ہے۔

دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ انسانی موت کا سبب ''اعصابی خلیے'' ہیں چونکہ یہ ہماری زندگی میں تبدیل نہیں کیے جا سکتے یا بدلے نہیں جاتے، چنانچہ یہ اعصابی خلیے انسانی جسم میں ہر سال (سال بہ سال) انحطاط پذیر ہوتے جاتے ہیں اور سارے اعصابی نظام کو کمزور و ناتواں کر دیتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی جسم میں اعصابی نظام موجود نہ ہوگا تو وہ جسم طویل عرصے تک زندہ رہ سکے گا، لیکن مشاہدہ اس کے بھی برعکس ہے۔ مثال کے طور پر درخت میں اعصابی نظام نہیں ہوتا اور درخت انسان اور پودوں سے زیادہ دیر تک قائم رہتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اسرائیل میں کئی درخت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور موجود ہیں۔ بھارت میں وہ بڑ (بوہڑ یا برگد) کا درخت اب بھی موجود ہے جس کے نیچے گوتم بدھ گیان دھیان میں مصروف رہتے تھے یا تپسیا کیا کرتے تھے، لہٰذا یہ درخت دو ہزار سال سے پرانا ہے اور قائم ہے اگرچہ اس کو اب سہارے دیئے گئے ہیں۔ پودوں میں بھی اعصابی نظام نہیں ہوتا، وہ جلد ختم ہو جاتے ہیں مثلاً گندم کا پودا ایک سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ نباتاتی زندگی کی مثالیں ہیں، اب حیوانی زندگی کی ایک اور مثال لیجئے۔ امیبا (Amoeba) جو کہ سادہ ساخت والا حیوان ہے، میں ایک معمولی اعصابی نظام ہوتا ہے جو صرف آدھ گھنٹہ زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اونچی انواع کے حیوانات جن میں مکمل اعصابی نظام ہو، انہیں زیادہ دیر تک زندہ رہنا چاہیے لیکن مشاہدہ اس کے برعکس ہے کیونکہ ایسی مخلوق جو ارتقائی پیمانے پر نیچے ہے مثلاً مگرمچھ، کچھوے اور مچھلیاں وغیرہ طویل عرصے تک زندہ

رہتے ہیں۔

اب تک جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ محض یہ ظاہر کرنے کے لیے ہوئی ہیں کہ ''موت یقینی نہیں ہے'' مگر یہ کلی طور پر ناکام ہوئی ہیں اور بیسویں صدی کے آخر میں انسانی جینز (genes) پر تحقیق ہوئی، جس کے بارے میں آپ تفصیل سے اس کتاب کے چوتھے باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں کہ یہ ٹیکنالوجی بھی انسان کو لافانی نہیں بنا سکے گی۔ زیادہ سے زیادہ انسان کی عمر میں اضافہ ہو سکتا ہے اور وہ بھی 25 فی صد تک، لہٰذا قیامت کے دن تک تمام نوع انسانی موت کی وادی میں سفر جاری رکھے گی اور پھر قرآن حکیم کا فیصلہ بھی ذہن میں رکھیے جو کہ اٹل ہے۔ سورۃ آل عمران 3 کی آیت 185 میں ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط ہر نفس (انسان) نے موت کا مزا چکھنا ہے۔ (ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے)۔

لیکن انسان اپنی بقا یا دوام حاصل کرنے کے لیے اپنی کوشش میں کبھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرے گا اور وہ کوئی اکسیر حیات یا ''آبِ حیات'' کی تلاش میں لگا رہے گا مگر وہ اسے حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ اس کا جسم نامیاتی ساخت کے بعض قوانین کا پابند ہے۔ عین ممکن ہے وہ اپنی زندگی کو طول دینے میں کامیاب ہو جائے مگر موت کو کبھی ختم نہیں کر سکے گا، بقول غالب

؎ نغمہ ہائے دل کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

قدرتی مصائب و آفات

ہماری موجودہ کائنات کے نظام میں جو قدرتی و ناگہانی مصائب و آفات آتی رہتی ہیں، وہ بھی انسان اور کائنات کے انجام کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ آنے والے وقتوں میں کیا ہونے والا ہے؟ مثلاً تباہ کن زلزلے، سیلاب، آتش فشانی، شہاب ثاقب کا گرنا وغیرہ ایسی آفات ہیں جو اچانک ہی آ جاتی ہیں جن پر انسان کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ یہ زلزلے کیا ہیں؟ ہمیں اس دن کی یاد دلاتے رہتے ہیں جسے ''یوم حساب'' کہہ لیں یا جس دن مردوں کو ان کی قبروں سے کھڑا کر دیا جائے گا جسے انگریزی میں Day of

Resurrection کہتے ہیں۔ Resurrection کے معنی زندہ کرنا یا حشر نشر ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک اس کے معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جی اٹھنا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ یوم قیامت ہے۔

زلزلوں، سیلابوں اور دیگر قدرتی آفات سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اب تک مالی اور جانی نقصان کتنا ہو چکا ہے، اندازہ لگانا مشکل ہے اگرچہ تاریخی لٹریچر میں یا مختلف انسائیکلوپیڈیا میں زلزلوں یا سیلابوں کے اعداد و شمار مل سکتے ہیں مگر وہ محض اندازے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات نقصانات ان اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔

آپ ذرا تصور کریں جب زمین ایک خوفناک گڑگڑاہٹ سے پھٹ جاتی ہے، بلند و بالا عمارات تاش کے پتوں کی طرح لڑکھڑاتی ہوئی زمین بوس ہو جاتی ہیں، زمین کی بالائی تہیں شکستہ ہو جاتی ہیں اور زمین کا اندرونی سیال مادہ باہر نکل آتا ہے اور بارونق شہر منٹوں میں خاک اور راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ جب زمین پر مردہ جسم بکھرے پڑے ہوتے ہیں جس طرح ساحل سمندر کے نزدیک مچھلیاں بے آب تڑپتی ہیں تو انسان قدرت کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ زلزلوں اور آتش فشانی کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب آئیں گے؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ چیز آناً فاناً یا لمحوں میں ہو جاتی ہے اور فرار کے لیے کوئی راستہ نہیں ملتا، کوئی وقت بھی نہیں ملتا۔ بقول سردار جعفری

؎ سب راستے بند ہیں کوچۂ قاتل کے سوا

لہٰذا فرار کے سب راستے بند ہو جاتے ہیں اور کوئی راستہ ہو تو وہ بھی تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ قارئین کرام! یہ ایک حقیقت ہے یا محض اتفاق کہہ لیجئے کہ راقم الحروف یہ پیراگراف لکھ ہی رہا تھا کہ بھارت میں زبردست زلزلہ آ گیا، یہ 26 جنوری 2001 کی بات ہے اور آج 16 فروری 2001ء تک بھی ہر دوسرے یا تیسرے روز پھر زلزلے کے جھٹکوں کی خبریں بھارتی ٹیلی ویژن سے آتی رہیں اور اس زلزلے سے بھارت میں بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا ہے۔ غالباً اس نئی صدی کا پہلا بدترین زلزلہ تھا، جو اچانک گجرات میں آ گیا جس کے جھٹکے لاہور میں بھی محسوس کیے گئے۔ اسی طرح یوم

قیامت بھی زلزلوں کی مانند اچانک ہی آ جائے گا۔ یہ ناگہانی قدرتی آفات (catastrophes) اس بات کا خوفناک طریقے سے مظاہرہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قوت کسی بھی لمحے زمین کو تباہ کر دے گی (جیسا کہ سورۃ الحاقہ کی آیت 13 میں فرمایا گیا ہے کہ ''زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی بار پٹخ دیا جائے گا۔'' زمین کے علاوہ اس سے بھی زیادہ خوفناک واقعات آسمانوں میں ہو سکتے ہیں۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

آہ! یہ دنیا یہ ماتم خانۂ برنا و پیر
آدمی ہے کس طلسم دوش و فردا میں اسیر!
کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزاں ہے موت
زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں!

آسمانوں میں متوقع خوفناک واقعات

زمین کے علاوہ اس سے بھی زیادہ ہیبت ناک واقعات خلاؤں یا آسمانوں میں ہو سکتے ہیں۔ تمام سماوی اجسام بے پناہ رفتار پر محوِ گردش ہیں۔ کسی بھی وقت کسی بھی مقام پر کائنات میں اچانک تصادم[1] ہو سکتا ہے، لاکھوں، اربوں سالوں سے چلتے چلتے اچانک آپس میں ٹکرا سکتے ہیں (لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ وہ آپس میں نہیں ٹکراتے)۔ تاہم ماہر فلکیات کا دعویٰ ہے کہ ایسا کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ حالیہ انکشافات کی روشنی میں یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ کہکشائیں (ماضی میں کائنات کے کسی حصے میں) آپس میں ٹکرائی ہیں جن کے نتیجہ میں نئے ستارے وجود میں آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نظام شمسی بھی کسی ایسے ہی تصادم کا نتیجہ ہو مگر ایسے شواہد نہیں ملے اور موجودہ نظریہ ہے کہ ہمارا نظام شمسی ایک گردشی بادل کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آیا تھا۔ تاہم ایسا تصادم ایک بڑے

---

[1] کائنات کے موضوع پر مصنف کی کتاب بہ عنوان کائنات اور اس کا انجام مطالعہ فرمائیے جو جنگ پبلشرز لاہور نے شائع کی ہے اور فیروز سنز سے بھی دستیاب ہے۔

پیمانے پر ہو جانا ناممکن تو نہیں اور نہ ہی ایسا ممکنات سے خارج ہے۔ زندگی بعد از موت کو ماننے والے اس بات سے مطمئن ہیں کہ ایک وقت آ کر رہے گا جب کائنات کی قوتوں میں توازن بگڑ جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کائنات کی قوتیں موجودہ تناسب سے دیو قامت تناسب میں ہو جائیں اور آج جو مخفی ہے کل کو ظاہر ہو جائے۔ آج ہم روز قیامت کو ایک احتمالی یا قیاس احتمالیہ تصور کرتے ہیں، کل اسے ایک حقیقت جانیں گے۔

ایک دفعہ قیامت (Qiyamat) کو آخری دن قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر دوسرا سوال جو پوچھا جانا چاہیے، وہ یہ ہے کیا موت کے بعد زندگی ہے؟؟ آج کل اس مادی دنیا میں تو اس کا جواب نفی کا رجحان رکھتا ہے اس لیے کہ ہم زندگی کو مادی عناصر کے حوالے سے سوچنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہم سوچتے ہیں کہ زندگی وجود میں آتی ہے جب ان عناصر کو ایک مخصوص ترتیب میں رکھا جائے اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ موت کیا ہے؟ محض انہی عناصر کا منتشر ہونا بقول غالبؔ

؎ زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور اعتدال
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشان ہونا

لہٰذا زندگی بعد از موت کے تصور کو اعتراضات سے ناممکن خیال کرتے ہیں اور یوم حساب کے تصور کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ایک مغربی دانشور زندگی بعد از موت کو اشاری یا علامتی سچائی (symbolic truth) خیال کرتے ہیں اور اسے سچ مچ ماننے سے انکار کرتے ہیں تاہم یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے اور موجود رہے گا کہ زندگی کے بعد کیا ہوگا؟ بقول اقبالؔ:

؎ تخیلات کی دُنیا غریب ہے، لیکن
غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
(ضرب کلیم)

؎ آہ! یہ مرگ دوام آہ! یہ رزم حیات
ختم بھی ہو گی کبھی کشمکش کائنات
(ارمغان حجاز)

"چھٹی صدی قبل مسیح کی چینی فلسفی لاؤز کے مطابق موت اختتام نہیں ہے، نہ ہی پیدائش ابتداء ہے۔"

قارئین کرام! آیئے اب ہم بقا بعد الموت یا بقاء روح کے بارے میں عقائد کا ذکر کرتے ہیں۔

دنیا کے مختلف معاشروں میں بقا بعد الموت اور بقائے روح (یا زندگی بعد از موت) کا تصور موجود تھا۔

دنیا کے قدیم و جدید معاشروں میں زندگی بعد از موت کا عقیدہ یا تصور پایا جاتا ہے، جسے عموماً وہ بقائے روح (Immortality of the soul) کہتے ہیں۔ ان عقائد میں اگر کوئی تھوڑی بہت تبدیلی ہوئی ہے تو وہ وہاں کی مقامی تہذیب و ثقافت یا اس خطے کے مخصوص کلچر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مادہ پرست معاشروں میں بھی جو روحانیت کے انکاری ہیں، وہاں بھی کاذب مذہب (Pseudo Religious) رکھنے والے لوگوں کے چھوٹے حلقوں میں بھی بقائے روح کا دعویٰ موجود ہے مثلاً یہ کہ مردوں کی روحیں آوارہ گھومتی رہتی ہیں، بعض اوقات جسمانی صورت میں اور وہ زندہ لوگوں پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں، اس وقت تک جب تک وہ نئے جسموں میں آباد نہ ہو جائیں۔ درحقیقت یہ عقائد مصریوں، یونانیوں اور ہندوؤں میں موجود تھے۔ اسلام کے نقطۂ نظر کے خلاف یہ عقائد، درحقیقت ایک بگڑی ہوئی شکل میں تھے مثلاً ہندوؤں میں تناسخ یا جسے سنسکرت میں "مسئلہ آواگون" کہتے ہیں، یہ تھا اور اب بھی اسی صورت میں موجود ہے کہ جسم بار بار جنم لیتا ہے اور رُوح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے یا انسانی جسم مر کر پھر جنم لیتا ہے (یعنی روح ایک جسم سے نکل کر پھر کسی دوسرے جسم کی صورت میں جنم لیتی ہے)۔ بدھ مت میں بھی یہ عقیدہ موجود ہے۔

قدیم یونان میں روح کی بقا اور جسم کے دوبارہ زندہ ہونے (Resurrection) کا عقیدہ عام تھا، مثلاً یونان کے عظیم ریاضی دان اور فلسفی فیثاغورث (582 تا 507 قبل از مسیح) کا عقیدہ تھا کہ روح جسم کو چھوڑنے کے بعد ایک مخصوص زندگی اختیار کر لیتی ہے یعنی

وہی زندگی جو وہ زمین کو چھوڑنے سے پہلے رکھتی تھی اور اُسے دنیا میں بھیجنے سے پہلے خاص ذمہ داریوں کے ساتھ ایک خاص مشن سونپا جاتا ہے۔ اگر دنیا میں یہ کوئی برا کام کرتی ہے تو اسے سزا ملے گی اور دوزخ میں پھینک دی جائے گی اور اسے بدروحیں (Demons) یا بھوت پریت تکالیف دیں گے۔ اس کے برعکس اگر یہ کوئی نیک کام کرتی ہے تو اسے اونچا مرتبہ ملے گا اور ایک پر مسرت زندگی گزارے گی۔ آپ غور فرمایئے تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ عموماً ہو جاتی ہیں۔ فیثا غورث کے نظریات اور اسلام کے موجودہ جسم کے دوبارہ زندہ ہونے کے نظریات میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسی قسم کا نظریہ ایک اور یونانی فلسفی افلاطون (Plato 427 تا 347 قبل از مسیح) کا تھا۔ اپنی مشہور کتاب دی ری پبلک (The Republic) میں وہ لکھتا ہے کہ جسم کو چھوڑنے کے بعد روح اپنی مادی زندگی کو بالکل بھول جاتی ہے، اوپر چڑھتی ہے اور وہ ایک موزوں مملکت یا اقلیم (Realm) میں چلی جاتی ہے جو کہ روحانی دانش سے لبریز اور غیر فانی ہوتا ہے اور یہ روح ہر قسم کی دنیاوی قلت، کمی، غلطی، خوف، طیش (جذبہ) اور محبت سے آزاد ہو جاتی ہے جنہوں نے اسے دنیا میں رنج والم میں مبتلا رکھا تھا، یعنی جب وہ زمین پر رہتی تھی اندیشہ ہائے امروز و فردا کا شکار رہتی تھی۔ چنانچہ یہ روح انسانی جب فطرت کے برے نتائج سے آزاد ہوتی ہے تو اسے ہمیشہ کی زندگی یا حیات جاوداں سے نوازا جاتا ہے۔ انگریزی میں یوں کہہ سکتے ہیں:

Soul Is blessed with eternal bliss

موت اٹل ہے اور انسان ازل سے زندگی بعد الموت پر یقین رکھتا آیا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اسی نظریے کو بنیاد بناتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اہل مصر لاشوں کو حنوط کرتے تھے اور لکھا ہے کہ یہ پروسس ایک مردے پر 70 دن میں مکمل ہوتا تھا۔ یہاں اس پروسس کو بیان کرنا مقصد نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ مردوں کو حنوط کرنے (mummification) کا عمل بھی موت سے بقا حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ یہ حنوط شدہ لاشیں قاہرہ کے عجائب گھر کے علاوہ لندن کے عجائب گھر میں بھی رکھی گئی ہیں جو تعداد میں تقریباً 40 ہیں (مصر میں اسلام کے آنے کے بعد غالباً کوئی لاش حنوط نہیں کی گئی لیکن

عین ممکن ہے اب بھی بعض مصری اس عقیدے پر یقین رکھتے ہوں یعنی لاشوں کو حنوط کرنے کے حامی ہوں)۔ یہ عقیدہ مصریوں میں اتنا پرانا ہے جتنی کہ انسانی تاریخ۔ پتھروں کے زمانے کے انسان یا حجری انسان (Neandethral) کی قبریں بھی اسی عقیدہ یعنی ''زندگی بعد از موت'' کی نشان دہی کرتی ہیں جو آج سے 50 ہزار سال پہلے کی ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی بعد از موت کا عقیدہ بہت قدیم ہے اور اس عقیدے کی بگڑی ہوئی شکل مادہ پرست فرقوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

تحقیقاتِ رُوح کی انجمنیں

(Societies for Pychical Research)

تحقیقاتِ روح (Psychical Research) کا تعلق ایسی مافوق الفطرت قوتوں، انسانی دماغ کی حیران کن قوتوں مثلاً غیب دانی، اشراق (Telepathy)، ادراک (قوت مدرکہ Cognition) سایہ، بھوت پریت، بھوتوں کا بسیرا، مرے ہوئے انسانوں کی روحیں جو زمین پر بسیرا کرتی ہیں اور خصوصاً مردوں کی روحوں سے رابطہ اور بقا بعد الموت جیسے خلافِ معمول یا غیر طبعی مظاہر واقعات کے سائنسی مطالعہ سے ہے۔

1882ء میں سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ کی بنیاد لندن میں رکھی گئی، اس کے چھ سال بعد امریکہ میں اور پھر کئی یورپی ممالک مثلاً ہالینڈ، فرانس اور اٹلی میں رکھی گئیں اور اب بھی بڑی سرگرم عمل ہیں۔ ان انجمنوں کا بنیادی مقصد ''روحیات'' یا روح کے بارے میں مطالعہ کرنا تھا اور اس میں دلچسپی کی وجہ انیسویں صدی کے نصف میں روحیت پرست تحریک (Spiritualist Movement) کا آغاز تھا۔ اس تحریک کا نقطۂ آغاز اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہوا کہ روحوں سے باتیں کرنا یا رابطہ ممکن ہے اور اسی حوالے سے انہوں نے لفظ ارواحیت یا روحانیت (Spiritualism) کا استعمال کیا۔ آپ کی دلچسپی کے لیے اس کی تعریف انگریزی زبان میں یوں کی جاتی ہے جو انگریزی لغت کے مطابق مندرجہ ذیل ہے:

1- Spiritualism is a belief in the possibility of receiving messages from the spirits of the dead.

2- Metaphyical belief in the independence existance of soul.

علم ارواحیت یا روحانیت کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ شاید زندگی بعد از موت کا علم ان روحوں کے ذریعے ہو جائے (یہ علم درحقیقت پیرا سائیکالوجی کا ایک اہم مضمون ہے) لیکن کوئی عملی تحقیق اس نازک مسئلے کی وضاحت نہیں کر سکی۔ ماہرین نفسیات کے لیے یہ ایک ہمہ وقت اُلجھن ہے۔ وہ غیب دانی (Clairvoyance) اور اشراق (Telepathy) کے ذریعے اس کی ٹوہ لگانے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور اب بھی ایسے تجربات کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بعض افراد میں غیر معمولی صلاحیتیں (paranormal abilities) ہوتی ہیں اور ان کی یہ غیر معمولی صلاحیتیں ایک متبادل اطلاع بہم پہنچا سکتی ہیں جو روحوں سے آ رہی ہوتی ہے۔

دلچسپ تجربات

یہ تجربات بھی "زندگی بعد از موت" کے سلسلے میں کیے گئے۔ واقعہ یوں ہے کہ رُوحیت پرست، ایف ڈبلیو ایچ مائیرز (F. W. H. Myers) اور سر اولیور لاج (Sir Oliver Logde) نے اپنے اپنے بند شدہ (Sealed) پیکجز (Packages) اس ارادے سے چھوڑے کہ ان کی موت کے بعد ان میں دی ہوئی ہدایات کے مطابق ان سے رابطہ یا بات چیت کی جا سکے۔ 1901ء میں مائیرز کی وفات کے بعد ان کی دی گئی ہدایات کے مطابق ان کی قبر سے رابطہ کیا گیا مگر ان کی روح سے کوئی بات چیت نہ ہو سکی۔ اسی طرح ایک خبر یہ بھی ہے کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کی قبر کے ساتھ کلوزڈ سرکٹ ٹیلی ویژن عارضی طور پر فٹ کیا گیا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ موت کے فوری بعد اس کی قبر میں کیا واقعات رونما ہوتے ہیں مثلاً مردے کی فرشتوں سے (اگر وہ قبر میں ظاہر ہوتے ہیں) کیا گفتگو ہو گی مگر یہاں بھی نتیجہ صفر تھا کیونکہ ٹیلی ویژن سکرین پر کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ اگر ایسا کیا گیا ہے تو میری حقیر دانست کے مطابق ہو سکتا ہے کہ دوسری دنیا یا غائب کی دنیا (Invisible World) کی لہروں کی طول موج (wave length) ہماری مرئی دنیا (Visible World) کی لہروں کی طول موج سے بالکل ہی مختلف ہو جس وجہ سے ٹیلی ویژن سکرین پر کوئی چیز نظر نہیں آئی (اسلام کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں

دو فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور مردے سے چند سوالات کرتے ہیں)۔

تاہم یہ تمام تجربات جو ماہر نفسیات اور روحیت پرست کر رہے ہیں، زندگی بعد از موت یا بقا بعد الموت (existance after death) کے سلسلے میں ہی ہیں جو ابھی تک ناکامی سے دوچار ہیں۔ اب ہم زندگی بعد از موت کے سلسلہ میں بعض قریب المرگ لوگوں کے تجربات کا ذکر کریں گے۔

قریب المرگ تجربات (Near-Death Experiences)

مندرجہ ذیل پیراگراف پر توجہ فرمائیے:

"A man .... hears himself pronounced dead by his doctor. He begins to hear an uncomfortable noise, a loud ringing or buzzing, and at the same time feels himself moving very rapidly through a long dark tunnel. After this, he suddenly finds himself outside of his own physical body ..... and sees his own body from a distance as though he is a spectator .... Soon other things begin to happen. Others come to meet and to help him. He glimpses the spirits of relatives and friends who have already died, and a loving, warm spirit of a kind he has never encountered before - a being of light - appears before him. He is overwhelmed by intense feelings of joy, love and peace. Despite his attitude he somehow reunites with his physical body and lives." (Moody 1976, pp 23-24)

مذکورہ بالا پیراگراف کا مفہوم یہ ہے کہ (ہسپتال میں یا بستر مرگ پر) ایک آدمی سنتا ہے کہ ڈاکٹر نے اسے مردہ قرار دے دیا ہے۔ وہ ایک تکلیف دہ (بے آرامی کا) شور سنتا ہے جیسے کوئی گھنٹی کی اونچی آواز ہو یا ایسا شور جس میں ملی جلی آوازیں ہوں اور اسی وقت وہ اپنے آپ کو ایک تاریک طویل سرنگ میں بہت تیزی سے حرکت کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اچانک اپنے جسم (طبیعی جسم) سے باہر آجاتا ہے اور ایک فاصلے پر اپنے ہی جسم کو دیکھتا ہے جیسے کہ وہ کوئی تماشائی ہو............ فوراً پھر دوسری چیزیں شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر دوسرے لوگ اس کی مدد اور ملاقات کرنے آتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب کی روحوں کی جھلک دیکھتا ہے جو کہ پہلے سے فوت ہو چکے ہیں

اور ایک نہایت پیار کرنے والی گرم جوشی سے ملنے والی مہربان روح جس سے پہلے کبھی ملاقات نہ ہوئی ہو روشنی کی صورت میں اس کے سامنے ظاہر ہوتی ہے وہ خوشی، محبت اور سکون (امن) کے شدید احساسات سے لبریز ہو جاتا ہے یا ایسے احساسات کا اظہار کرتا ہے۔ باوجود اس (باوصف) رویہ کے وہ کسی طرح سے اپنے طبیعی جسم میں دوبارہ آ جاتا ہے اور زندہ ہو جاتا ہے۔"

یہ پیراگراف ریمنڈ موڈی (Raymond Moody) کی کتاب (زندگی بعد از زندگی" (life after life) سے ماخوذ ہے اور مذکورہ بیان "قریب المرگ" لوگوں کا ملا جلا بیان ہے۔ ایسی رپورٹیں عموماً مثبت ہوتی ہیں اور ان لوگوں کے لیے بڑے اطمینان کی بات ہے کہ انسان موت کے بعد محبت، خوشی اور پرسکون زندگی کے احساسات سے لبریز ہوتا ہے، لیکن ان لوگوں نے زندہ ہونے کے بعد دوزخ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

اگرچہ ان لوگوں میں سے کچھ مردہ خیال کیے گئے، لیکن حقیقی معنوں میں ان کے دماغ مردہ نہیں ہوئے تھے۔ اگر ان کے دماغ بھی مردہ (dead) ہو جاتے تو پھر وہ زندہ ہونے کے بعد اپنے قریب المرگ تجربات بالکل نہ بتا سکتے، اسی لیے اسے "قریب المرگ" تجربات کہا گیا ہے۔

یہ تجربات تو موت کی دوسری طرف بابرکت زندگی کا اشارہ کرتے ہیں اور کیا یہ افلاطون کے عقیدے کو ثابت بھی کرتے ہیں کہ روح (mind or soul) جسم (body) سے علیحدہ ہو سکتی ہے؟ کیا روح کی ایسی پروازیں قابل اعتبار حد تک ان لوگوں میں واقع ہوتی ہیں جو موت کا سامنا کرتے ہیں؟

قریب المرگ تجربات شک و شبے سے بعید عام ہیں۔ کئی محققین نے سو یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کے انٹرویو کیے جن کو کوئی جسمانی ضرب لگی، کوئی صدمہ ہوا یا (عارضی طور پر) حرکت قلب بند ہو گئی، ان میں سے 30 تا 40 فی صد لوگوں نے قریب المرگ تجربات بیان کیے۔ اسی طرح قومی سطح پر امریکہ میں 1986ء میں گیلپ سروے کیا گیا، ان میں سے 15 فی صد لوگوں نے قریب المرگ تجربات کا انکشاف کیا۔ ان لوگوں کا 1/3 جو کہ 80 لاکھ لوگوں کی نمائندگی کرتا تھا، نے کئی عارفانہ تجربات (mystical

(experiences) کا بھی ذکر کیا۔ ان میں سے بعض نے ان باتوں کو بھی (زندگی میں لوٹ آنے کے بعد) دُہرایا جو انہوں نے بے ہوشی کے دوران کہیں یا جب وہ موت کے بالکل قریب تھے۔ پھر ایسے مریض بھی جنہیں کسی بڑے آپریشن کے لیے بے ہوش کیا گیا تو انہوں نے آپریشن روم میں ہونے والی تمام گفتگو بھی بیان کی۔

کیا موڈی کے "قریب المرگ تجربات" ہمیں مانوس یا جانے پہچانے معلوم ہوتے ہیں؟ مثلاً مندرجہ ذیل تجربات خلاصے کے طور پر بیان کیے جاتے ہیں جو لوگوں (مریضوں) نے بیان کیے جب وہ قریب المرگ تھے۔

1- پرانی یادوں کو دُہرانا (replay of old memories)

2- جسم کے باہر محسوسات (out of body sensations)

3- سرنگ یا صراحی مانند ٹنل دیکھنا (visions of tunnels and, funnels)

4- تیز روشنیاں (bright lights)

5- خود روشنی کا بن جانا (being of light)

لیکن ماہر نفسیات رونلڈ سیگل (Ronald Siegel) نے 1977ء میں اپنی تحقیق کے مطابق بتایا کہ مذکورہ بالا تمام تجربات فریب نظر کی وجہ سے ہیں (یعنی ایسے محسوسات یا دماغی عکس ہیں جو کسی ڈرگ کی بدولت پیدا ہو جاتے ہیں)۔ اس کا خیال ہے کہ جب انسانی دماغ زیرِ دباؤ ہوتا ہے تو قریب المرگ تجربات پیدا کرتا ہے یا پھر آکسیجن کی کمی بھی مریض میں فریب نظر پیدا کرتی ہے۔ پھر اس کا کہنا ہے کہ جو لوگ توہم پرستی یا خواب خیالی میں مبتلا رہتے ہیں (انگریزی میں انہیں Fantacy- Prone کہتے ہیں) وہ بھی "فریب نظر" کا شکار ہو جاتے ہیں۔

1980ء میں رونلڈ سیگل نے قریب المرگ تجربات کی ایک اور توضیح پیش کی۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا دماغ، جب باہر سے Input مدہم (Dim) ہو جاتی ہے تو دماغ کی اپنی اندرونی سرگرمی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ اسے ایک تمثیل کے طور پر بیان کرتا ہے کہ جب ہم شام کے وقت کمرے کی کھڑکی کو غور سے دیکھ رہے ہوتے ہیں تو ہمیں کمرے کا اندرونی عکس نظر آنا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ باہر ہے اور جب باہر کی روشنی مدہم پڑ رہی ہوتی

ہے (جیسا کہ قریب المرگ تجربات میں) تو اندر کی روشنی بڑھ رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب ہم اپنی اندر کی کھڑکی پر خیال بندی کرتے ہیں، تو سیگل کے مطابق ہمارے دماغ کے اندرونی عکس اصلی ظاہر ہوتے ہیں، لیکن قریب المرگ تجربات کا کھوج لگانے والے بعض محققین، متذکرہ بالا سیگل یا دوسرے بھی جو سیگل کے ہم خیال ہیں، ان پر اعتراض کرتے ہیں کہ فریب نظر تجربات اور قریب المرگ نظریات میں کوئی مماثلت نہیں ہے یعنی فریب نظر اور قریب المرگ تجربات (Near Death Experiences) میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور قریب المرگ تجربات حاصل کرنے والے لوگوں کے طور طریقوں میں بڑی تبدیلی آ جاتی ہے، مثلاً وہ زیادہ مہربان، زیادہ روحانی اور زندگی بعد از موت پر زیادہ یقین کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ڈرگ کے عادی لوگ جو اس قسم کے تجربات کا بھی دعویٰ کرتے ہیں، اپنی زندگی میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں لاتے۔

اسی طرح دوسرے محققین Suedfeld & Mocelln نے 1987ء میں یہ خیال ظاہر کیا کہ ایسے "تجربات" انسان کو سونے اور جاگنے کے درمیان جسے "حالت شفق" (Twilight) کہا جاتا ہے، بھی ہوتے ہیں مثلاً بعض دفعہ اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ بستر کے اوپر تیر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

"قریب المرگ تجربات" نے روح اور جسم کے بنیادی مسئلے پر ایک بحث چھیڑ دی ہے اور اس قسم کے سوالات پر بحث ہوتی ہے کہ کیا روح لافانی ہے؟ کیا یہ جسم سے الگ وجود رکھتی ہے؟ جو لوگ روح اور جسم (مادہ) پر یقین رکھتے ہیں اور جنہیں ثنوی (dualists) کہا جاتا ہے، وہ اس کا "ہاں" میں جواب دیتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ روح اور جسم دو مختلف وجود یا جداگانہ چیزیں ہیں۔ روح غیر طبیعی اور جسم طبیعی ہے جو کسی وجہ سے ایک دوسرے کے لیے کشش رکھتے ہیں جیسا کہ یونانی فلسفی سقراط نے Plato's Pheado میں کہا ہے، کیا موت کا یہ مطلب تو نہیں کہ جسم الگ رہتا ہے جب روح کو اس سے جدا کر دیا جاتا ہے، اور روح الگ رہتی ہے جب اسے جسم سے الگ کر دیا جاتا ہے؟ پھر موت کیا ہے؟ سقراط کے مطابق ان لوگوں کے لیے جو "قریب المرگ تجربات" سے گزرے ہیں، ابدی زندگی یا بقائے زندگی کی شہادت ہیں اور موت درحقیقت کسی شخص کی

موت نہیں ہے۔ موت کا مطلب کسی شخص کی جسمانی قید سے آزادی ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو یہ ایک جشن منانے کا موقع ہوتا ہے۔ چنانچہ نظریہ ثنویت پر اعتقاد رکھنے والے یعنی جن کا عقیدہ ہے کہ روح اور جسم دو الگ چیزیں ہیں وہ زندگی بعد از موت کے سفر سے خوش ہیں اور اس کی ستائش کرتے ہیں اور اسی قسم کے عنوانات پر کتابیں بھی ملتی ہیں، مثلاً The Thrill of Dying اور The wonderful world of Death وغیرہ وغیرہ۔

ان کے برعکس جو لوگ روح اور جسم کو الگ الگ نہیں سمجھتے یعنی ان کو قائل وحدت (Monists) کہا جاتا ہے، ان کا خیال ہے کہ روح اور جسم ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں۔ وہ موت کو برحق سمجھتے ہیں، لیکن روح کو جسم سے الگ تصور نہیں کرتے اور وہ قریب المرگ تجربات کو نہیں مانتے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ فریب نظر یا وہم ہیں لیکن وہ لوگ (1/3) جو موت کے منہ سے بچ گئے مثلاً جن کی حرکت قلب عارضی طور پر رک گئی (مثلاً cardial arrest ہو گیا) تو انہوں نے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد قریب المرگ تجربات بیان کیے اور نظریہ ثنویت کے ماننے والے ان قریب المرگ تجربات کو زندگی بعد از موت کی شہادت قرار دیتے ہیں۔ یہاں میں نے دونوں پہلو آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں، ہو سکتا ہے آنے والے وقتوں میں ہم کسی مثبت اور حتمی نتیجے پر پہنچ جائیں۔

جنت کی سیر

شاید بعض قارئین ایک بچے کی شہادت کو تسلیم نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ اٹلی کا پیٹرو نامی ایک پانچ سالہ بچہ جو کار اور سائیکل کے حادثے میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔ اُسے بے ہوشی کے عالم میں ہسپتال میں داخل کروادیا گیا تھا۔ جب پیٹرو ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش سے 3 ماہ بعد سکتے کے عالم میں بیدار ہوا تو وہ ان تمام رشتے داروں سے آگاہ تھا جو اس کے پیدا ہونے سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ تین ماہ دادی، دادا اور تمام رشتے داروں کے ساتھ رہا اور وہ روشنی کے ایک بہت بڑے دھارے کے ذریعے جنت میں پہنچ گیا تھا۔ اُس نے مزید کئی دلچسپ اور حیران کن باتیں بتائیں (جن کی یہاں لکھنے کی گنجائش نہیں ہے) مثلاً دادا اور دادی جسمانی طور پر کیسے تھے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے والد نے تصدیق کی کہ وہ باتیں حرف بہ حرف درست تھیں۔ پیٹرو نے بتایا کہ اس کا واپس

آنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر اس کی دادی اور دادا نے کہا کہ واپس چلے جاؤ تمہارے والدین پریشان ہیں پیٹرو کے والد نے کہا کہ اس عجیب و غریب واقعہ سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان کسی دوسرے جہاں میں زندہ رہتا ہے۔ پیٹرو جتنا عرصہ سکتے کے عالم میں رہا اس کی روح جنت میں رہی۔

(خبر از روزنامہ پاکستان لاہور، 16 جنوری 1995ء)۔

تمام ماہرین فلکیات اس نظریے پر متفق ہیں خصوصاً پر جو عظیم دھماکہ اور جھولنے یا ارتعاشی نظریہ کائنات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ کائنات اپنے اختتام کو پہنچے گی اور پھر نئی کائنات (دنیا) پیدا ہو گی۔ کم از کم وہ سب اس بات پر تو متفق ہیں کہ قیامت آنے والی ہے۔ جھولنے کے نظریے میں جب کائنات کا پھیلاؤ فیز (Expansion Phase) ختم ہو جائے گا تو یہ تھم جائے گی اور پھر سکڑنا شروع کر دے گی اور تمام کہکشائیں ایک دوسری کے بعد سکڑنا شروع کر دیں گی اور آخر کار اسی نقطے پر پہنچ جائیں گی جہاں سے یہ کائنات شروع ہوئی تھی۔

ذرا غور فرمایئے اس جدید سائنسی نظریے اور قرآن حکیم کی سورۃ الانبیاء 21 کی آیت 104 میں کس قدر مماثلت ہے۔ دوبارہ اس آیت کے ترجمہ پر غور فرمایئے:

ترجمہ: "ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جیسے تحریر کے کاغذ کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔"

سورۃ ابراہیم 15 کی آیت 48 کا ترجمہ بھی دوبارہ ملاحظہ فرمایئے کہ قیامت کے بارے میں ذکر ہوتا ہے کہ اس روز کیا ہو گا؟

"اس روز یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بدلے جائیں گے۔"

واضح ہو گیا کہ نئی زمین پیدا ہو گی، نئے آسمان پیدا ہوں گے۔ نئی زمین کے کیا خدوخال ہوں گے؟ نئے آسمانوں کے کیا خدوخال ہوں گے؟ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات جانتی ہے۔ عین ممکن ہے یہی وہ دنیا ہو جہاں پر دوزخ اور جنت ہوں، وہی دنیا ہو جسے ابدیت حاصل ہو اور اس مادی دنیا کے رہنے والے تمام انسان ہوں جنہیں اس روحانی

دنیا میں ہمیشہ رہنے والی زندگی انعام و اکرام کے ساتھ عطا کر دی گئی ہو اور یہی ہو ’’زندگی بعد از موت‘‘ جو آج ہمارا موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ اسلام کے نقطۂ نگاہ سے یہ سب کچھ قیامت کے دن ہو گا۔ آج جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں، ان کے بارے میں بھی قرآن حکیم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

قیامت کا انکار کرنے والے

ارشاد ہوا:

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: جب وہ (قیامت کی) ساعت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم لوگ تو (دنیا میں) ایک گھڑی بھر سے زیادہ رہے ہی نہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا کرتے تھے، مگر جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا ہے وہ (ان کے جواب میں) کہیں گے کہ نوشتۂ الٰہی کے مطابق تم (دنیا میں) قیامت کے دن تک رہے ہو تو یہ وہی قیامت کا دن ہے لیکن تم اس کا یقین ہی نہیں کرتے تھے۔ غرض اس روز ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔

(سورۃ الروم 30، آیت 55 تا 57)

قارئین کرام! ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بخشش اور رحم و کرم سے ناامید ہرگز نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾

ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیوں نہیں اللہ کی بڑائی سے امید رکھتے اور اسی نے بنایا تمہیں طرح طرح سے۔

دوسرا ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے عزت کی اُمید نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تمہیں پیدائش کے مختلف ادوار (اطوار) سے گزارا۔

(سورۃ نوح 71، آیت 13,12)

مطلب یہ ہے کہ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت اور بڑائی کے قائل نہیں ہوتے اور اس کے آگے جھک کر دنیا اور آخرت کی نعمتیں نہیں سمیٹتے۔ تمہیں اُسی نے تو تخلیق کے مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا اور مختلف حالات میں پالا ہے۔ اس آیت سے واضح ہو گیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے نا اُمید نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب انسان لاکھوں اور کروڑوں سالوں پر محیط ارتقاء کے ذریعے اتنی مشکل کے بعد پیدا ہوا ہے تو کیوں خدا سے اور زیادہ عزت کی امید نہیں رکھتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پیدائش کے اس سے بھی بلند تر مرحلوں تک پہنچ سکتا ہے۔

سورۃ الحدید 57 کی آیت 3 اور 4 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤﴾

ارشاد ہوا: وہ اول ہے جس سے پہلے کوئی اول نہیں اور وہ آخر ہے جس کے بعد کوئی آخر نہیں۔ وہ سب سے زیادہ ظاہر ہے اور سب سے زیادہ مخفی ہے اور اس کا علم تمام اشیائے کائنات کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام (ادوار) میں پیدا کیا اور پھر قائم ہوا عرش پر (پھر اپنے جلال کبریائی پر متمکن ہو گیا) وہ جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اُس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو (اعمال کو) خوب دیکھتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعائے خیر

قارئین کرام! قیامت کے تصور سے گھبرایئے مت! حکیم الامت علامہ اقبال کی ایک خوبصورت رُباعی سے لطف اٹھایئے جو یوم حساب کے بارے میں ہے۔

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رُسوا حضور خواجہؐ ما را
حساب من ز چشم او نہاں گیر

(ارمغانِ حجاز)

مطلب: (اے خدا!) جب یہ بوڑھا جہاں اختتام کو پہنچے (اور) ہر چھپی ہوئی تقدیر ظاہر ہو جائے (اس وقت) ہمیں آقا ﷺ کے سامنے ذلیل نہ کیجیو، میرا حساب آپ ﷺ کی نظر سے چھپا لیجیو۔

آیئے قارئین کرام! شیخ سعدی شیرازیؒ کی اس دعا میں میرے ساتھ شریک ہو جایئے:

کریما بہ بخشائے بر حال ما
کہ ہستم اسیر کمند ہوا
نداریم غیر از تو فریادرس
توئی عاصیاں را خطا بخش وبس
نگاہ دار ما را ز راہ خطا
خطا در گزار وصوابم نما

مطلب: اے ربِ کریم! میرے حال پر رحم فرما کہ نفس کا قیدی ہوں (نفس کی قید میں گرفتار ہوں)۔ تیرے سوا میری فریاد سننے والا کوئی نہیں۔ تو ہی گنہگاروں کی خطائیں بخشنے والا ہے۔ گناہوں کے راستے سے ہم کو بچا۔ ہماری خطا سے درگزر کر اور سیدھا راستہ دکھا (آمین!)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان دعاؤں اور حضور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کے ساتھ اب یہ کتاب یہاں مکمل ہے۔ سب کو سلام، سب کے لیے دعا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

قرآنی حوالہ جات

نام سورة	آیت	صفحہ
الجاثیہ 45	6	3
الحج 22	47	13
الانعام 6	59	14
حم السجدة 41	53	29
فاطر 35	28	29
المجادلہ 58	11	36
النمل 27	15	37
النمل 27	16,15	37
طٰہٰ 20	114	38
العلق 96	1 تا 5	38
الغاشیہ 88	17 تا 20	43
الذاریات 51	21,20	43
الانعام 6	101	49
الحجر 15	86	49
النبا 78	7,6	50
الحجر 15	19	50
النحل 16	15	50
البقرة 2	107,106	55
الانبیا 21	33	56
یسٓ 36	40	57
البقرة 2	2 تا 4	60
التوبہ 9	25	61
البقرة 2	260	63
الانعام 6	103	65
آل عمران 3	191,190	66
یوسف 12	105	67
الحجر 15	19	73
القصص 28	73,71	76
المومنون 23	18	77
الزخرف 43	11	78
الروم 30	48	79
الحج 22	5	86
النمل 27	60	87
التین 95	4	92
صٓ 38	71	93
الانعام 6	2	93
الاعراف 7	12	93
بنی اسرآءیل 17	61	93
الصّٰفّٰت 37	11	93
المومن 40	67	93
الرحمٰن 55	14	93
الحجر 15	26	94

نام سورۃ	آیت	صفحہ
الحجر 15	28	94
السجدۃ 32	7	94
النور 24	45	94
الفرقان 25	54	95
الانعام 6	98	95
الزمر 39	6	95
النحل 16	4	95
الحج 22	5	95
المرسلت 77	20	96
آل عمران 3	59	96
الطارق 86	6	96
السجدۃ 32	8	96
آل عمران 3	6	96
الزمر 39	6	96
العلق 96	2	96
البقرۃ 2	117	97
یٰسٓ 36	82	98
ص 38	75,72,71	102
نوح 71	18,17	115
الانعام 6	38	116
الدھر 76	1,2	125
المومنون 23	14,13	126
النسآء 4	1	128,127
الاعراف 7	172	128
حم السجدۃ 41	53	138
النحل 16	89	154
العنکبوت 29	69	155
یٰسٓ 36	70,69	156
ص 38	88,87	156
الذاریات 51	49	156
الاعراف 7	189	159
آل عمران 3	47	160
آل عمران 3	40	162
العنکبوت 29	20	163
البقرۃ 2	30	164
الاعراف 7	180	177
بنی اسرآءیل 17	110	178
آل عمران 3	191	179
الرعد 13	28	180
الحج 22	46	181
القصص 28	71تا73	185
المومن 40	61	186
النمل 27	86	186
الفرقان 25	47	187
یونس 10	67	187
الصّٰفّٰت 37	102,101	201

نام سورة	آیت	صفحہ
الصّٰفّٰت 37	103 تا 106	202
یوسف 12	5,4	203
یوسف 12	36	204
یوسف 12	41	204
یوسف 12	43	205
یوسف 12	37	205
یوسف 12	21	206
یوسف 12	101,100	207,206
الفتح 48	27	208
الاحقاف 46	8,7	221
بنی اسرآءیل 17	88	223
الانبیآء 21	30	230
حمٓ السجدة 41	9 تا 11	235
الذریت 51	47	235
یٰسٓ 36	38 تا 40	239
الشوریٰ 42	29	242
بنی اسرآءیل 17	44	242
مریم 19	93	242
الرحمٰن 55	15	243
الانعام 6	125	244
یونس 10	61	245
النور 24	43	245
الحج 22	5	247
الحجر 15	22,21	248,246,

نام سورة	آیت	صفحہ
الرعد 13	8	249
الحجر 15	19	249
النور 24	40	250
الانعام 6	38	251
المومنون 23	12 تا 14	252
القیٰمة 75	36 تا 39	253
العلق 96	1 تا 2	254
القیٰمة 75	3 تا 4	255
النبا 78	6 تا 7	256
الانشقاق 84	18 تا 19	257
یونس 10	92	260
النور 24	35	263
حمٓ السجدة 41	53	263
النمل 27	93	263
الجاثیہ 45	6	264
یوسف 12	105	265
الانعام 6	38	269
ابراھیم 14	48	269
ابراھیم 14	51	270
الحاقة 69	14	270
الانبیآء 21	104	270
المطففین 83	6,5,4	271
الروم 30	55 تا 57	288
نوح 71	13,12	289
الحدید 57	4,3	289

انسانی کلوننگ کے بارے میں نئی معلومات

قارئین کرام! آپ پانچویں باب میں انسانی کلوننگ کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اب جب کہ یہ کتاب اشاعت کے آخری مراحل طے کر رہی تھی تو انسانی کلوننگ سے متعلق نئی معلومات پریس میڈیا میں اور ٹیلی ویژن پر آنا شروع ہوگئیں (28 دسمبر 2002 تا یکم جنوری 2003) اور ساتھ ہی اس نازک مسئلے پر بحث و تمحیص کا بھی آغاز ہوگیا لہٰذا میں نے محسوس کیا کہ انسانی کلوننگ کے بارے میں آپ کی معلومات میں مزید اضافہ کر دیا جائے۔ یہ معلومات خبروں کی صورت میں مندرجہ ذیل ہیں۔

کلوننگ کے ذریعے پہلی بچی کی ولادت عمل میں آ گئی: فرانسیسی سائنسدان

ہالی وڈ (رائیٹرز) ایک فرانسیسی سائنس دان نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کی کمپنی نے کلوننگ کے ذریعے پہلی انسانی بچی پیدا کر لی ہے جس کا نام ''حوا'' رکھا گیا ہے۔ فرانسیسی سائنس دان بریجٹ بوائزلر نے جو ''کلون ایڈ'' نامی کمپنی کی سربراہ ہیں، گذشتہ روز ایک پریس کانفرنس کے دوران بتایا کہ 7 پونڈ وزنی یہ بچی جمعرات کو سزیرین آپریشن کے ذریعے پیدا ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اس بچی کی ماں 31 سالہ امریکی خاتون ہیں، جنہوں نے اس تجربے کے لیے اپنا ڈی این اے رضاکارانہ طور پر پیش کیا اور ایمبریو (جنین) کی تشکیل کے بعد 9 ماہ اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بچی بالکل اپنی ماں کی ہم شکل ہوگی۔ بوائزلر نے صحافیوں کو بتایا کہ ماں اور بچی بالکل صحت مند ہیں اور بچی کے والدین اس کی پیدائش پر بہت خوش ہیں، تاہم فرانسیسی سائنس دان نے اس موقع پر ماں اور بچی کے ڈی این اے کا موازنہ کر کے نہیں دکھایا جس سے ان کے دعویٰ کی تصدیق ہو سکتی۔ بوائزلر نے مزید کہا کہ بچی کو 3 دنوں تک گھر لے جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔ بوائزلر جو خود کو ریلین فرقے کی بش اپ کہتی ہیں، کا طب سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے پاس کیمسٹری کی ڈگری ہے۔ دوسری جانب روم میں مشہور سائنس دان ڈاکٹر سوریینو انٹیوری نے ریلین فرقے کا دعویٰ مسترد کر دیا ہے اور کہا کہ اس گروہ کے پاس اپنے دعویٰ کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں۔

کلوننگ کے ذریعے ذہین افراد کی خدمات منتقل کی جا سکیں گی: ماہرین

لاہور، کوئٹہ (سٹاف رپورٹر + سپیشل رپورٹر) دنیا میں کلوننگ کے ذریعے پہلی بچی کی پیدائش کے سلسلے میں طبی ماہرین نے مختلف رائے کا اظہار کیا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس عمل کے ذریعے ذہین افراد کی خدمات منتقل کی جا سکیں گی جبکہ بولان میڈیکل کالج کے اسسٹنٹ پروفیسر، ماہر امراض جلد و مخصوصہ ڈاکٹر سید شمس الدین نے فرانس میں کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والی بچی کے بارے میں کہا

کہ اس کی نشو و نما عام بچوں کی طرح ہو گی، اس کا دفاعی نظام نارمل بچوں کی طرح ہوگا اور وقت کے ساتھ بچی کا قد بھی بڑھے گا۔ ڈاکٹر شمس نے بتایا کہ جدید سائنس کے ذریعے مذکورہ بچی کا وجود عمل میں آیا ہے، جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ بے اولاد لوگوں کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ وہ اس طریقے سے اولاد کی نعمت حاصل کر سکیں گے۔ بولان میڈیکل کالج کے پروفیسر عبدالغفار ناگی سربراہ شعبہ اطفال نے بتایا کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والی بچی کینسر اور دیگر مہلک بیماریوں کا شکار ہو سکتی ہے، اس کا دفاعی نظام مضبوط نہیں ہوگا۔ پروفیسر ڈاکٹر یاسمین راشد نے کہا ہے کہ وہ اس اہم مسئلے پر بات نہیں کرنا چاہتیں کیونکہ یہ غیر اخلاقی ایشو ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ خدا بننے کی کوشش کر رہے ہیں ان کو فائدہ تو کوئی نہیں نقصان ہی ہو سکتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ہاجرہ حنیف نے کہا کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والے بچے اور عام بچوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا، صحت کے لحاظ سے بھی وہ عام بچوں جیسا ہوگا۔

زندگی کا وجود ماورائی مخلوق کے ذریعے عمل میں آیا: فرانسیسی سائنس دان کے فرقے کا عقیدہ

ہالی وڈ (رائٹرز + اے ایف پی) کلوننگ کے ذریعے پہلی انسانی بچی پیدا کرنے کے دعویدار گروہ ''ریلین'' کے دنیا بھر میں 55 ہزار پیروکار ہیں۔ اس فرقے کا دعویٰ ہے کہ زمین پر زندگی کا وجود ماورائی مخلوق کے ذریعے عمل میں آیا جو 25 ہزار برس قبل اڑن طشتری کے ذریعے یہاں آئی اور یہ کہ انسان خود کلوننگ کی پیدائش ہے۔ اس فرقے کا بانی کلاڈ وارلہون نامی سابق فرانسیسی صحافی ہے جو کیوبک میں رہتا ہے اور خود کو پیغمبر کہلواتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ کلوننگ سے انسان کو دائمی حیات مل جائے گی۔ اس شخص نے 1997ء میں بہاماس میں ''کلون ایڈ'' نامی کمپنی کی بنیاد رکھی۔

آئندہ چند ہفتوں میں کلوننگ کے ذریعے مزید 4 بچے پیدا ہوں گے

ہالی وڈ (رائیٹرز) کلوننگ کے ذریعے دنیا کی پہلی انسانی بچی کی پیدائش کا دعویٰ کرنے والے گروہ ''ریلین'' کے ارکان کا کہنا ہے کہ آئندہ چند ہفتوں میں چار مزید بچے اس عمل کے ذریعے پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ایک کی پیدائش شمالی امریکہ، ایک کی یورپ اور دو کی ایشیا میں متوقع ہے۔ ان میں سے وہ یورپی جوڑا جس کے گھر کلوننگ کے ذریعے بچے کی پیدائش متوقع ہے، ہم جنس پرست خواتین کا ہے۔

دنیا بھر میں انسانی کلوننگ پر بحث شدت اختیار کر گئی۔ خبر سچ ہوئی تو بھی انسانی کلوننگ پر پابندی برقرار رہے گی: برطانیہ

واشنگٹن (اے ایف پی) امریکہ میں ایک متنازعہ فرقے کی جانب سے کلوننگ کے ذریعے دنیا کی پہلی انسانی بچی کی پیدائش کے اعلان کے ساتھ ہی دنیا بھر میں یہ بحث دوبارہ شدت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ انسانی کلوننگ کی جانی چاہیے یا نہیں۔ فرانس اور جرمنی پہلے ہی یہ مطالبہ کر رہے ہیں

کہ انسانی کلوننگ پر پابندی عائد کی جائے جبکہ امریکہ اور سپین بھی ویٹیکن کے دباؤ کے تحت انسانی کلوننگ کا عمل بند کرنا چاہتے ہیں۔ امریکی دفتر خارجہ کے ترجمان کے مطابق امریکہ نے 8 نومبر (2002ء) کو اقوام متحدہ کی کمیٹی کے اجلاس میں دوسرے ممالک کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ وہ انسانی کلوننگ پر پابندی عائد کرنے کے لیے دوسرے ممالک کے ساتھ مل کر کام کرے گا۔ دوسری جانب برطانیہ نے بھی کلوننگ کے ذریعے پہلی بچی کی پیدائش کی خبروں پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ برطانیہ کی انسانی بار آوری اور بیضیات اتھارٹی کے ترجمان نے کہا کہ اگر یہ خبریں سچی ہوئیں تو بھی برطانیہ انسانی کلوننگ پر عائد پابندی برقرار رکھے گا۔

امریکہ میں پہلی کلونڈ بچی کی پیدائش کے دعویٰ پر دنیا بھر میں نیا طوفان

میامی (فارن ڈیسک) امریکہ میں کلوننگ کے ذریعے پہلی انسانی بچی کی پیدائش کے دعویٰ کے بعد دنیا بھر میں طوفان برپا ہو گیا۔ یہ دعویٰ فرانسیسی جینیاتی سائنس دان اور ہیومن کلوننگ سوسائٹی ''کلونیڈ'' کی صدر برجٹ بوائزلر نے کیا ہے۔ بچی کی شناخت اور مقام پیدائش صیغہ راز میں رکھی جا رہی ہے۔ برجٹ نے دعویٰ کیا کہ چند ماہ بعد ایک اور امریکی جوڑے کے ہاں بھی کلونڈ بچی کی پیدائش ہونے والی ہے۔ کلوننگ ایک ایسا مصنوعی طریقۂ افزائش ہے جس کے ذریعے انسان سمیت کسی بھی جاندار کی ہو بہو نقل تیار کی جا سکتی ہے۔ جس انسان کی کلوننگ مقصود ہو (ڈونر) اس کے بدن سے ایک خلیہ لے کر اس کا نیوکلیس علیحدہ کر دیا جاتا ہے دوسری جانب بار آور ہونے سے قبل ایک خاتون کے مادہ تولید سے جینیاتی مواد الگ کر دیا جاتا ہے اور باقی ماندہ مادہ تولید سے ڈونر کے نیوکلیس میں موجود جینیاتی مواد لیبارٹری میں ملاپ کرایا جاتا ہے۔ ایسے ملاپ کے نتیجے میں انسانی زندگی کی ابتدائی شکل ایمبریو وجود پاتا ہے جسے لیباریٹری سے خاتون کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور وہ بتدریج بچے کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی پیدائش نارمل بچوں کی طرح ہوتی ہے۔ مذہبی اور قدامت پرست حلقے انسانی کلوننگ پر اعتراض کرتے ہوئے اسے انسانی بچے سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایمبریو انسانی رحم میں منتقل کرنے سے قبل لیباریٹری میں ہی ضائع کر دیا جائے تو بھی یہ ایک انسانی جان کا قتل ہے۔ امریکہ سمیت کئی مغربی ممالک میں طویل عرصے سے جینیاتی سائنس دان انسانی کلوننگ پر خفیہ کام کر رہے ہیں، تاہم عوامی سطح پر شدید مخالفت کے پیش نظر امریکی کانگریس انسانی کلوننگ پر پابندی کے لئے قانون سازی پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔ دوسری جانب جینیاتی سائنس دان انسانی کلوننگ کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس طریقہ پیدائش کی مدد سے کینسر، رعشہ، ذیابطیس سمیت متعدد موذی امراض کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

انسانی کلوننگ سے ابدی زندگی ممکن ہے، متنازعہ طریقۂ افزائش کے بانی کی ہرزہ سرائی

میامی (فارن ڈیسک) انسانی کلوننگ کا تصور فرانسیسی جینیاتی سائنس دان رائل نے متعارف

کرایا، جس کا دعویٰ ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) پیغمبر ہے۔ دنیا بھر میں اس کے 55 ہزار پیروکار ہیں۔ رائل کا دعویٰ ہے کہ کلوننگ کے ذریعے موروثی امراض کا خاتمہ ممکن ہے۔

انسانی کلوننگ گناہ کبیرہ ہے: علماء۔ کوئی ہرج نہیں: ڈاکٹر

لاہور (خاتون رپورٹر) انسانی کلوننگ سے متعلق جدید تحقیق پر علماء اور ڈاکٹر متضاد ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ ڈاکٹروں کی اکثریت کلوننگ کو طبی سائنس میں ترقی کی جانب اہم قدم قرار دے رہی ہے جبکہ علماء نے اسے غیر اسلامی عمل قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر فرید ظفر نے "انقلاب" سروے میں کہا کہ اسلام ایک سائنس ہے، حضرت حوا اور آدم کی تخلیق بھی کلوننگ سے ہوئی، ان کے بھی کوئی والدین نہیں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ جب کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھ جائے گا تب قیامت آ جائے گی اور شاید یہ سب قیامت کی نشانیاں ہیں۔ مفتی خان محمد قادری نے کہا کہ کلوننگ سے بچہ پیدا کرنا غیر اسلامی عمل ہے۔ ڈاکٹر مریم ملک اور ڈاکٹر نعمان احمد نے کہا کہ کلوننگ کو اگر صحیح استعمال میں لایا جائے تو یہ ریسرچ بہترین ہے اور اگر اس کا غلط استعمال کیا جائے تو پوری دنیا میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ مولانا خلیل الرحمان حقانی نے کہا کہ کلوننگ سے پیدا ہونے والا بچہ ناجائز ہے۔ ڈاکٹر فردوس عاشق نے کہا کہ ایسی تحقیق انسانیت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

کلوننگ انسانی وقار کی توہین ہے: اقوام متحدہ۔ تصور ہی ناپاک ہے: فرانسیسی صدر۔ پابندی عائد کی جائے: جامعہ الازہر

واشنگٹن (فارن ڈیسک) متعدد عالمی سیاسی لیڈروں نے انسانی کلوننگ کے اعلان کی مذمت کی ہے۔ فرانس کے صدر شیراک نے کہا کہ یہ تصور تک ناپاک ہے۔ وائٹ ہاؤس کے ایک ترجمان نے کہا کہ صدر بش انسانی کلوننگ کے مخالف ہیں۔ انسانی کلوننگ پر عالمی پابندی کی کوشش کرنے والی اقوام متحدہ کی کمیٹی کے صدر پیٹر نامکا نے کہا کہ یہ خبر انسانی وقار کی توہین ہے۔ مصر کی جامعہ الازہر کی انتظامیہ نے متفقہ طور پر قرار دیا ہے کہ اسلام میں کلوننگ کی اجازت نہیں، اس پر فی الفور پابندی عائد کی جائے۔

کلوننگ بچے کی پیدائش غیر شرعی ہے: علماء

لاہور (خبر نگار خصوصی) پہلے کلونڈ بچے کو مذہبی رہنماؤں نے ناجائز اور غیر شرعی قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا کہ کلوننگ کے ذریعے پیدائش خالق کائنات کے مقرر کردہ عمل پیدائش سے مختلف ہے، چونکہ یہ تخلیق کا قدرتی عمل نہیں اس لئے ایسا بچہ شرعاً ناجائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر عورت کے اپنے شوہر سے ہی سیل لے کر بچے کی پیدائش ہوتی تو اس حوالہ سے رائے مختلف ہوسکتی ہے۔ علامہ زبیر احمد ظہیر نے کہا کہ کلوننگ کے ذریعے انسان کی پیدائش فتنہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی

فطرت کے ساتھ جنگ کی گئی نقصان ہی ہوا۔

کلونڈ بچی گھر واپس آ رہی ہے: کلوننگ کمپنی کا اعلان

واشنگٹن (اے ایف پی) دنیا میں پہلی انسانی کلوننگ کرنے والی کمپنی نے بتایا ہے کہ کلونڈ بچی "حوا" کو گھر واپس لایا جا رہا ہے لیکن اس کی منزل امریکہ نہیں۔ کلوننگ کمپنی کی سربراہ برجیٹ بوائزلر نے بتایا کہ مجھے نہیں معلوم یہ خبر کس نے اڑائی ہے کہ "حوا" کو امریکہ لایا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بچی 3 دن میں گھر پہنچے گی، تاہم اس کے والدین امریکی نہیں۔ قبل ازیں امریکی میڈیا نے کہا تھا کہ "حوا" کو امریکہ لایا جائے گا جو اس کا گھر ہے، جس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کلوننگ سے پیدا بچی کو امریکی حدود میں داخل ہونے کی اجازت اور امیگریشن کاغذات نہیں ملیں گے کیونکہ امریکہ نے کلوننگ پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔

کلوننگ شرعاً درست اور انسانی علم و تحقیق کا کرشمہ ہے: مفتی عبدالقوی

ملتان (سٹاف رپورٹر) ممتاز عالم دین اور مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پاکستان کے رکن مفتی عبدالقوی نے کہا کہ کلوننگ کا عمل تخلیقی عمل میں جو حسن و نکھار پیدا کر رہا ہے، وہ شرعاً درست ہے۔ انہوں نے کہا کہ صرف یہ کہہ کر کلوننگ کو اسلام میں حرام قرار دینا کہ یہ نئی ایجاد ہے اور اس سے انسان کے رسم و رواج پر منفی اثرات مرتب ہوں گے، درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم اور تحقیق کا حکم دیا ہے اور رہتی دنیا تک انسان کی جانب سے تحقیق جاری رہے گی۔

ابھی تو ابتدا ہے، جنوری میں مزید بچوں کی کلوننگ ہو گی: فرانسیسی سائنسدان

ہالی وڈ (اے ایف پی) کے حامی متنازعہ فرقے ریلین کمپنی کی سربراہ برجیٹ بوائزلر نے کہا ہے کہ ابھی تک یہ راز فاش ہوا ہے کہ کلوننگ کے ذریعے دوسرے بچے کی پیدائش شمالی یورپ کے کسی ملک میں جنوری کے تیسرے ہفتے متوقع ہے اور اس کے بعد بھی جلد ہی تین مزید بچے پیدا ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ مستقبل قریب میں پیدا ہونے والے بچے ماضی میں وفات پانے والے ان بچوں کی کاپی ہوں گے جن کے خلیے سنبھال کر رکھے گئے تھے۔ بوائزلر نے دعویٰ کیا ہے کہ کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والے بچوں میں بیماریوں اور ان کے معذور ہونے کے بارے میں امکانات کے دلائل بے ہودہ ہیں۔ آئندہ سال جنوری میں تین بچوں میں دو ایشیا اور ایک شمالی امریکہ میں پیدا ہوں گے اور یہ تو ابھی کلونڈ انسان کی پیدائش کی ابتدا ہے کیونکہ جنوری میں مزید 20 بچوں کی کلوننگ کی جا رہی ہے اور کلونائیڈ کمپنی ہر براعظم میں اپنی شاخیں کھولے گی۔ ادھر ان کی ایک متنازعہ ڈاکٹر سیور نیو ایلیتی نوری نے اعلان کیا ہے کہ کلوننگ کی تکنیک سے پہلے انسانی بچے کی ولادت اگلے سال جنوری میں متوقع ہے۔ ڈاکٹر سیورینو نے بتایا کہ تین بانجھ عورتیں ان کے زیر علاج ہیں جو ان کے اگلے درجے میں ہیں۔

کلوننگ کا تصور ناپاک ہے: فرانسیسی صدر

لندن (ریڈیو رپورٹ) متعدد سیاسی لیڈروں نے انسانی کلوننگ کے اعلان کی مذمت کی ہے۔ فرانس کے صدر شیراک نے کہا کہ یہ تصور تک ناپاک ہے، وائٹ ہاؤس کے ایک ترجمان نے کہا کہ صدر بش انسانی کلوننگ کے مخالف ہیں۔ انسانی کلوننگ پر عالمی پابندی کی کوشش کرنے والی اقوام متحدہ کی کمیٹی کے صدر پیٹر نامکا نے کہا کہ یہ خبر انسانی وقار کی توہین ہے۔

انسانی کلوننگ پر دنیا بھر کے مسلم سکالر گومگو کی کیفیت کا شکار ہیں:

قاہرہ (اے ایف پی) کلوننگ کے ذریعے پہلی انسانی بچی کی پیدائش کے اعلان کے بعد مسلم ممالک کے علماء میں اس عمل کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کے بارے میں بحث چھڑ گئی ہے۔ لبنان کے ایک مشہور شیعہ عالم آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ کا کہنا ہے کہ ہمیں اس سے قبل ایسی کوئی مثال نہیں ملتی، اس لئے کوئی مذہبی موقف بھی موجود نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسے مکمل طور پر غلط یا درست نہیں کہہ سکتے۔ اس کا انحصار کلوننگ کے استعمال پر ہے۔ اگر یہ انسانیت کے مفاد میں ہے تو درست ہے اور اس کی اجازت ہونی چاہیے وگرنہ اس پر پابندی عائد کی جائے اور اس بات کا فیصلہ سائنس دان کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ کلوننگ خدائی اختیارات کے لیے کوئی چیلنج نہیں کیونکہ انسان وہی کیمیائی اور جینیاتی عمل استعمال کر رہا ہے جو اللہ نے انسانی جسم میں پیدا کیے۔ کلوننگ کو نیک مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اس سے کٹے ہوئے اعضاء دوبارہ بنائے جا سکتے ہیں۔ دوسری جانب اس سے عجیب الخلقت اور اخلاقی انحطاط کی شکار بلائیں بھی پیدا کی جا سکتی ہیں۔ مصر کے عالم شیخ یوسف القردوی نے کہا کہ اسلام کلوننگ کو پابند کرتا ہے کیونکہ یہ تخلیق کے تنوع کے متضاد ہے، اللہ نے کائنات تنوع کی بنیاد پر بنائی ہے اور کلوننگ سے یہ تنوع ختم ہو جائے گی جو انسان کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی۔ دریں اثناء مصر کی جامع الازہر نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ اسلام میں کلوننگ کی اجازت نہیں ہے۔

کلون بچی کی پیدائش کا دعویٰ غیر انسانی اور اخلاقی اصولوں کے خلاف ہے، ویٹیکن

ویٹیکن سٹی (اے ایف پی) رومن کیتھولک چرچ نے پہلی کلون بچی کی پیدائش کے مبینہ دعوے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ خبر بیمار ذہن کی عکاس، اخلاقی اصولوں کے خلاف اور غیر انسانی ہے۔ ویٹیکن سٹی کے ترجمان نے کہا کہ بغیر کسی ثبوت کے اعلان کیا گیا اور اس خبر پر سائنسی کمیونٹی کی جانب سے شکوک و شبہات کا اظہار اور اس کی مذمت کی جا رہی ہے۔

بحوالہ:
(روزنامہ جنگ لاہور 28،29،31 دسمبر 2002ء)
(روزنامہ انقلاب لاہور 29 دسمبر 2002ء، یکم جنوری 2003ء)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کتابیات

(BIBLIOGRAPHY)

"قرآن کے جدید سائنسی انکشافات" کے علاوہ آپ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ بھی فرما سکتے ہیں۔

1. Hans Küng, Does God Exist? (An answer for today) Original in German, translated by Edward Quinn Published by Doubleday and Company Inc/Garden city, New York, 1980. (English translation copy right, 1978, 79, 80).
2. Maulana Wahiduddin Khan, "God Arises" Evidence of God in nature and in science by The Islamic Centre, New Dehli 1987, 1995.
3. Ahmad Mahmud Soliman, Scientific Trends in the Quran, Published by Ta-Ha Publishers Ltd. I, Wynne Road, London, S.W. 9, 1985.
4. M. M. Qureshi & et al: Quranic Ayaat Containing Reference to Science and Technology, Sh. Sirri Welfare & Cultural Trust, Pakistan Science Foundation Al-Markaz, F-7, Islamabad, Pakistan.
5. Dr. Haluk Nurbaki, Verses from the Glorious Koran and the facts of Science, Translated by Metin Beynam, Turkish Foundation for Religion Publication, Printing and Trade Service, 1983. Ankora, Turkey, 1983.
6. Alan Isaas, The Sürvival of God in the Scientific Age. Penguin Books Ltd., Harmondsworth, Middlesex, England, 1966.
7. Majid Ali Khan, Islam on Origin & Evolution of Life by Idarah-i-Adabiyat-i-Delhi 2009, Qasimjan St. Dehli, India, 1970, 78.
8. Maurice Bucalle, What is the Origin of Man? (The answers of Science and the Holy Scriptures). Translated from the French by Alastair D. Pannel and the Author, A. S. Noordeen P. O. Box 10066. 50704 Kuala Lumpur, Malaysia, 1989.

9. Maurice Bucalle. The Bible, The Quran and Science. Translated from the French by Alastair D. Pannel and the author, Seghers 3 Rule Falguie, 75725 Paris, Cadex 15, 1977.

10. Muhammad Abdul Quddus, The Quranic Idea of Evolution, published by the author Muhammad Abdul Quddus, 76/A, Hyderabad Colony Karachi-5 (W. Pakistan), 1971.

11. Edward A. White, Science and Religion in American Thought (The Impact of Naturalism), Published by Stanford University Press, Stanford California, London: Geoffry Cumberlege, Oxford University Press, 1952

12. Abdul Karim Chippa, Beauty and Wisdom of The Holy Quran, Published by Sufi Textile Printing Mills Ltd., D-54, S.I.T.E. Mauripur Road, Karachi, 1962, 1964.

13. J. Arthur Thomson, Science and Religion, 3rd ed. Methuen & Co. Ltd., 36 Essex Street W. C. London, 1925, 1927.

14. Kenneth Walker, "Meaning and Purpose" Penguin Books, Harmondsworth, Middlesex, 1944, 1950.

15. M. H. J. Th. Vander Veer and P Moerman, "Hidden Worlds", (Fresh dues to the Past), British Edition Published by Souvenir Press, Ltd., 1974 Bantam edition/June 1975.

16. Fred Hoyle, The Nature of the Universe, Penguin Books Ltd., Harmondsworth, Middlesex, England, 1950, 1960, 63, 65.

17. Abdullah Yusuf Ali, The Meaning of The Holy Quran, (New Edition with Revised Translation and Commentary) Amana Corporation Brentwood, Maryland, U.S.A. 1991.

18. Fazal Karim, "The Ultimate Fate of the Sun, Quest Vol. VI, 96, A Research Journal of the Department of Philosophy, G. C. Lahore Pakistan.

19. Fazal Karim "Science and the Supernatural" Al-Haikmat - A Research Journal of the Department of Philosophy, University of the Punjab, Lahore, December, 1993.

20. Fazal Karim "The Known Forces of Nature and the Concept of God", Al-Hikmat, - A Research Journal of the Department of Philosophy, University of the Punjab,

Lahore, December 1994.

21. J. Brierley, "Studies of Soul", James Clarke & Co. 13 8.14 Street London, 6th edition, 1903.

22. M.A Albar (Dr), Human Development (As revealed in the Holy Quran and Hadith, Saudi Publishing and Distributing House, 2nd edition, 1989.

(23) فضل کریم، کائنات اور اس کا انجام۔ طبع پنجم، جنگ پبلشرز 13۔ سر آغاز خاں روڈ لاہور، جون 1998ء۔

(24) فضل کریم، دھاتیں قدیم و جدید اور ان کے استعمالات۔ فیروز سنز لاہور، 2002ء۔

(25) مولانا حافظ خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی، مولانا حافظ مرغوب احمد صاحب توفیق حاجی عبدالواحد صاحب، حافظ نذر احمد صاحب، درس قرآن (سات جلدوں میں) ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگز، 106 میکلوڈ روڈ، لاہور۔

(26) ڈاکٹر سید عبداللہ، مسائل اقبالؒ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، 1987ء۔

(27) مولانا محمد شہاب الدین ندوی، تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء۔ المکتبہ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ، فیروز پورہ روڈ، لاہور 1987ء۔

(28) نباتات قرآن۔ ایک سائنسی جائزہ از اقتدار فاروقی (لکھنؤ، انڈیا) ڈاکٹر محمد اقتدار حسین فاروقی، صابری برادرز پبلشرز پہلی منزل این میڈیسن مارکیٹ چوک، اردو بازار، لاہور صابری بک سنٹر بسطامی روڈ سمن آباد، لاہور 1996ء۔

(29) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال، کلب روڈ لاہور (حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ) طبع چہارم نومبر 1994ء۔

(30) عبدالکریم بی۔ آزاد شیرازی قرآن و طبیعت (فارسی میں) گذشتہ و آئندہ جہان چاپ دوم آدرس مکانباتی مژان صندوق پست 134-33

(31) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، القرآن الحکیم مترجم تاج کمپنی لمیٹڈ ناشران قرآن مجید، لاہور۔ کراچی۔ ڈھاکہ

(32) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (جلد اول)، مکتبہ تعمیر انسانیت اندرون موچی دروازہ، لاہور ایڈیشن ہشتم نومبر 1970ء

(33) علامہ سید شبیر بخاری، الاختصار البیان فے مافی القرآن، مخدوم جہانیاں اکیڈمی 532 جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور 1996ء۔

(34) فضل کریم، قرآن اور جدید سائنس، فیروز سنز لاہور۔ 1999ء / 2001ء

(35) علامہ اقبالؔ، 'کلیات اقبال' (اردو) اقبال اکادمی پاکستان، لاہور 1995ء

(36) علامہ اقبالؔ، ارمغانِ حجاز (فارسی)، تسہیل ارمغان حجاز طاہر شادانی، ضیاء محمد ضیاء اقبال اکادمی پاکستان، لاہور 1997ء

(37) صد سالہ نمبر کریسنٹ 1892ء تا 1992ء صفحہ 138 مجلّہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور، 1992ء

(38) بائبل (اردو اور انگریزی)۔ بائبل سوسائٹی انارکلی، لاہور۔

(39) ہمدرد صحت ماہ نامہ فروری 1972ء کراچی صفحہ 21 "نیند پر جدید تحقیقات۔"

(40) سید ممتاز علی لاہوری، تفصیل البیان فی مقاصد القرآن، کتاب بدالخلق دارالاشاعت پنجاب لاہور 1351ھ (1930ء)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کتاب کے سرورق پر دوبارہ نظر ڈالیے:

1- یورپ کے ملک ناروے کے شمالی علاقے میں 13 مئی اور 31 جولائی کے درمیان (23 جون تا 7 جولائی) یعنی تقریباً 14 دن تک سورج غروب نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ ان ایام میں یہاں آدھی رات کو بھی سورج دیکھ سکتے ہیں۔ اس تصویر میں آدھی رات (12 بجے) کا سورج دکھایا گیا ہے۔

2- انسانی ڈی این اے کی ساخت کا ایک نمونہ

3- اینڈرومیڈا (Andromeda) کہکشاں جو ہم سے 20 لاکھ نوری سال کے فاصلے پر ہے اور ہماری کہکشاں (Milkyway) کی جڑواں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قرآن کے جدید سائنسی انکشافات

از

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

ایم۔ایس سی ٹیکنالوجی (پنجاب)؛ پی۔جی۔ڈپلومہ (لیڈز۔انگلینڈ)

پی۔ ایچ ڈی میٹالرجی (لیڈز)؛ اے۔ آر۔ آئی۔ سی (لندن)

ایم۔ آئی۔ ایم (لندن)؛ چارٹرڈ انجینئر (لندن)؛ ایف۔ آئی۔ ایم۔ ای (پاک)

ایم۔ آئی۔ سی ایچ۔ای (پاک)؛ پی۔ای (پاک)' ایف۔ آئی۔ پی۔ ایف (پاک)

سابق صدر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میٹالرجیکل انجینئرز

صدر انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان فونڈری مین

سابق ڈین فیکلٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی

پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس' لاہور

فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی